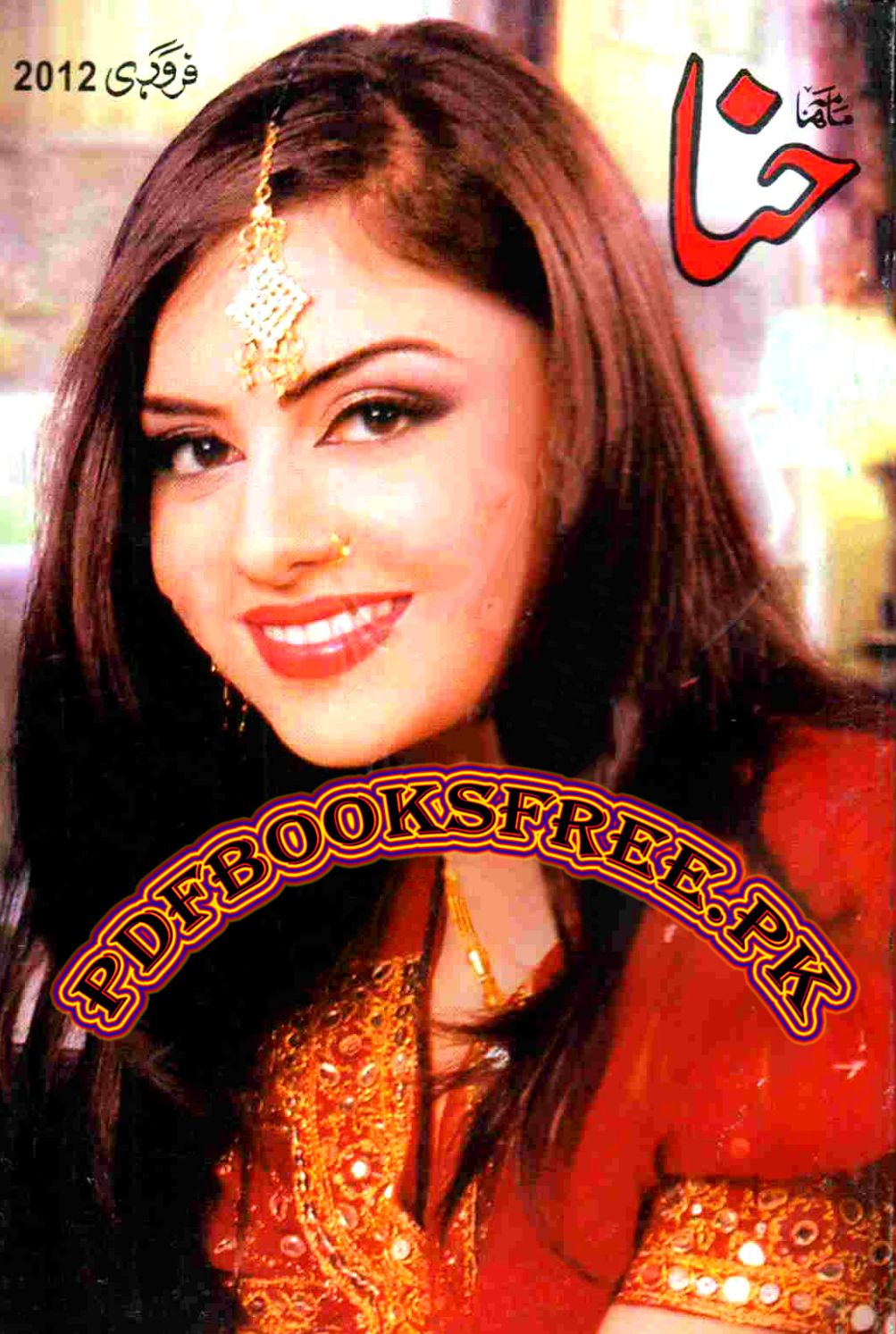

ماہنامہ
حنا
فروری 2012
PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد — مضطر بخاری 7
نعت — مضطر بخاری 7
پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں — سیدا اختر ناز 8

انشاء نامہ

ہماری حلیم کھائی ہے — ابن انشاء 14

انٹرویو

اداکار شمعون عباسی سے ملاقات — عبداللہ 16

سلسلے وار ناول

وہ ستارہ صبح اُمید کا — فوزیہ غزل 20
تم آخری جزیرہ ہو — اُم مریم 180

مکمل ناول

ستم گزیدہ — سدرہ سحر عمران 46
شہر تمنا کی خبر لانا — سیما انصار 98

افسانے

آس یقین اور محبت — تسکین زاہد خان 87
محبت صبر اور وفا — شائستہ ساجد 135
اللہ کے نام پر — سباس گل 149

ناولٹ

تازہ گلاب — مبشرہ ناز 185
اوکھے پینڈے عشق دے — شہناز رانا 206

انتباہ: ماہنامہ حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، اور نہ کسی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے، خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جاسکتی ہے۔

مستقل سلسلے

ستاروں کے آئینے میں — دُرِ شجر 226
حاصل مطالعہ — فرزانہ سلیم 231
بیاض — تسنیم طاہر 235
رنگ حنا — بلقیس بھٹی 239
میری ڈائری سے — صائمہ محمود 243
حنا کی محفل — عین غین 243
خبر نامہ — عبداللہ 249
حنا کا دسترخوان — ثمینہ احتشام 251
کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق 255

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! فروری 2012ء کا شمارہ ''سالگرہ نمبر 2'' پیش خدمت ہے۔

جنوری کا شمارہ سالگرہ نمبر تھا جس کو قارئین نے بے حد پسند کیا اور اپنی آراء کے ذریعے ہماری حوصلہ افزائی کی، جس پر ہم آپ سب کے بے حد مشکور ہیں۔

آج پاکستان کے رہنے والوں کی غالب اکثریت روز افزاں مہنگائی، بدعنوانی اور لاقانونیت کے ہاتھوں پریشان ہے، حکومت ہر شعبے میں ناکام ہو چکی ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نااہل حکومت سے چھٹکارہ حاصل کیا جائے، اس کا آئینی راستہ فوری انتخابات ہی ہیں، تاکہ قوم اپنے لئے نئی قیادت چن سکے، مگر ہماری حکومت ہے کہ اپنی ناکامیوں کا اقرار کرنے کے بجائے نئے انتخابات کا مطالبہ کرنے والوں کو برا بھلا کہہ رہی ہے اور مصر ہے کہ انتخابات اپنے وقت پر ہی ہونگے، اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ حکومت ہماری تاریخ کی سب سے بدعنوان اور ناکارہ حکومت ہے، اس دور میں کرپشن کے تمام ریکارڈ توڑے جا چکے ہیں، پی آئی اے، ریلوے، اسٹیل مل اور واپڈا جیسے بڑے منافع بخش قومی ادارے تباہی سے دوچار ہیں، صنعتوں کا بھٹہ بیٹھ گیا ہے، ملکی کرنسی مسلسل روبہ زوال ہے، بجلی اور گیس دونوں میسر نہیں ہیں، عام آدمی کے لئے جسم و جاں کا رشتہ بحال رکھنا محال ہے، حکومت اپنی مقبولیت کی پست ترین سطح پر پہنچ چکی ہے لوگ موجودہ حکومت کے ہاتھوں اب کسی بہتری کی توقع نہیں رکھتے اور تبدیلی کے خواہش مند ہیں، ان حالات میں نئے انتخابات کا مطالبہ بالکل فطری اور عوام کے دل کی آواز دکھائی دیتا ہے، اگر ملک میں جمہوری طرز حکومت قائم رکھنا ہے تو حکومت کو چاہیے کہ فوری انتخابات کا اعلان کر دے وگرنہ ایسا نہ ہو تبدیلی کسی غیر جمہوری طریقے سے آئے، اگر ایسا ہوا تو یہ شاید ملک و قوم کے لئے بہتر نہ ہوگا۔

اس شمارے میں:۔ اداکار شمعون عباسی سے ملاقات، سدرہ سحر عمران اور سیما انصار کے مکمل ناول، مبشرہ ناز اور شہناز رانا کے ناولٹ، تسکین زاہد خان، شائستہ ساجد، سباس گل اور سحر شیخ کے افسانے، اُم مریم اور فوزیہ غزل کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد

مظہر بخاری

شب کو ظلمت میں ڈھالنے والے
دن کو سورج نکالنے والے

زندگی میں بھٹک نہیں سکتے
تیرا دامن سنبھالنے والے

تو یہ مالک ہے، تو ہی رازق ہے
ساری دنیا کو پالنے والے

رنج و غم سے نجات دے ہم کو
ہر مصیبت کو ٹالنے والے

تیرہ بختی کو روشنی دے دے
ہر سحر کو اجالنے والے

بحر ظلمات سے رہائی دے
رات سے دن نکالنے والے

تیرا مضطر تری پناہ میں ہے
بے کسوں کو سنبھالنے والے

☆☆☆

نعت

مظہر بخاری

مرا قلم ہے کہاں، آپؐ کا خیال کہاں
لکھوں میں آپؐ کے بارے میری مجال کہاں

حضورؐ آپ سے پہلے جو آئے دھرتی پر
نبی تو سب تھے مگر آپؐ کی مثال کہاں

سوال کتنا بھی مشکل ہو خیر ملتی ہے
در حضورؐ پہ مشکل کوئی سوال کہاں

بلندیوں سے گرائے گا کون دنیا میں
غلام ہیں جو نبیؐ کے انہیں زوال کہاں

فلک کی وسعت قلبی سے پوچھنا ہے ابھی
ترا وجود کہاں، آمنہ کا لعل کہاں

پلک جھپکنے سے پہلے ملے خدا سے نبیؐ
مقام مکہّ کہاں، دعوت وصال کہاں

قرآن لکھا گیا جن کی شان میں مضطر
میں شان ان کی لکھوں میری یہ مجال کہاں

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

بوجھ اٹھاتے تھے

صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ بھی جن کے پاس کچھ نہ تھا خدا کی راہ میں کچھ نہ کچھ دینے کے لئے بے قرار رہتے تھے، چنانچہ جب یہ حکم ہوا کہ ہر مسلمان پر صدقہ دینا فرض ہے تو غریب و نادار صحابہؓ نے آکر عرض کی۔

''اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس کے پاس نہ ہو وہ کیا کرے۔''

فرمایا۔

''وہ محنت مزدوری کرکے اپنے ہاتھ سے پیدا کرے، خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے۔'' انہوں نے پھر گزارش کی۔

''جس میں اس کی بھی طاقت نہ ہو وہ کیا کرے؟''

فرمایا کہ۔

''وہ مصیبت زدہ حاجت مند کی مدد کرے۔''

انہوں نے پھر دریافت کیا کہ۔

''اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو؟''

ارشاد ہوا۔

''وہ نیکی کا کام کرے اور برائی سے بچے، یہی اس کا صدقہ ہے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان پر اثر تعلیمات کا صحابہؓ پر یہ اثر ہوا کہ وہ اس غرض کے لئے بازار جاکر بوجھ اٹھاتے تھے اور اس سے جو ملتا تھا، اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔

بکری کا کھر کیوں نہ ہو

پڑوسیوں میں محبت کی ترقی اور تعلقات کی استواری کا بہترین ذریعہ آپس میں تحفے تحائف وغیرہ کا تبادلہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی بیویوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے، اسی بنا پر ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے دو پڑوسی ہیں تو ان میں سے کس کے پاس بھیجوں۔''

فرمایا۔

''جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔''

اس ہدیہ اور تحفہ کے لئے کسی بیش قیمت چیز کی ضرورت نہیں بلکہ کھانے پینے کی معمولی چیزیں بھی اس کے لئے کافی ہیں، کچھ نہ ہو سکے تو گوشت کا شوربہ ہی ہو، خواہ زیادہ پانی ڈال کر ہی کیوں نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

''اے مسلمان بیویو! تم میں سے کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے تحفے کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ بکری کا کھر کیوں نہ ہو۔''

دلنشین انداز

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت آسان اور دلنشین انداز میں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے جو باتیں ضروری اور اہم ہوتی تھیں، انہیں آپ تین

مرتبہ دہراتے تھے تاکہ ایک کند ذہن انسان بھی انہیں اچھی طرح سمجھ سکے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شخص کو اس کی صلاحیت اور عقل و مزاج کے مطابق تعلیم دیتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلموں کو بار بار یہ ہدایت فرماتے تھے۔

''تم لوگوں سے ان کی عقل (ذہنیت) کے مطابق گفتگو کرلیا کرو۔

اس اصول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت آسان زبان میں مختصر گفتگو فرماتے تھے اور غیر متعلقہ باتوں کو درمیان میں نہیں لاتے تھے، البتہ سمجھانے کے لئے اگر تمثیلات کی ضرورت ہوتی تو ان سے بھی کام لیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں اکثر جاہل اور عرب بدو آیا کرتے تھے، وہ اکثر آداب محفل کا لحاظ کیے بغیر ناشائستہ طور پر گفتگو کرتے تھے اور بے ڈھنگے سوال کرتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سوالات کو نہایت صبر و تحمل اور ٹھنڈے دل سے سنتے تھے، ان کے مزاج اور ذہنیت کے مطابق تسلی بخش جواب دیتے تھے جس سے وہ مطمئن ہو جاتے تھے۔

علم کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حد درجہ قدر کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مقدسہ کی روشنی میں۔

''علم و حکمت مومن کی گم شدہ دولت ہے، جہاں سے مل جائے، اسے حاصل کرنی چاہیے کیونکہ مومن اس کا زیادہ حقدار ہے۔''

''اللہ تعالیٰ جس کسی کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے دین کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔''

''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے تم میں سے ایک ادنیٰ مسلمان پر میری فضیلت ہو جو شخص لوگوں کو اچھی تعلیم دیتا ہے، اس پر اللہ، اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق، یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں اور مچھلیاں سمندر میں دعائے خیر و برکت و رحمت کرتی ہیں۔''

الفاظ گن سکتا

تمام اکابر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا اسلوب تفہیم اور معجز طرز بیان عطا کیا گیا تھا جو کسی معلم و مصلح کو نصیب نہ ہوا، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ نے عرض کیا۔

''ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس میں کیا شک ہے، قرآن تو میری اپنی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی فصاحت کی خود اس طرح تعبیر پیش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش میں پیدا ہوئے اور بنوسعد میں پرورش پائی، اس سے مراد یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر دیہات کے جرأت آمیز انداز اور شہر کے لطافت بخش آثار موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریش میں پیدا ہونا اور بنوسعد میں نشوونما پانا اس پہلو پر روشنی ڈالتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرب کے ہر قبیلہ و گروہ کو اپنے لہجے سے مخاطب کرنے کی قدرت پائی جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے دلکش انداز اور شستہ زبان میں کلام فرماتے کہ سننے والا خواہ کسی بھی دور دراز علاقے سے تعلق رکھتا ہو، خود بخود آپ کا گرویدہ ہو جاتا، حضرت عائشہؓ فرماتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیز گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رک رک کر صاف اور واضح کلام فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھا ہوا ہر شخص اس کی محفوظ کر لیتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص چاہتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بولے ہوئے الفاظ گن سکتا تھا۔''

مجلس بے حد سادہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس بے حد سادہ تھی، حاضرین میں اگرچہ ایسے با ادب حضرات ہوتے تھے کہ بغیر اجازت زبان نہیں کھولتے تھے اور مطلق جنبش نہیں کرتے تھے، ان کے بارے میں راویوں کے الفاظ یہ ہیں کہ سروں پر گویا چڑیاں بیٹھ جاتی تھیں کہ جنبش کی اور وہ اڑیں۔

مگر گنواروں (بدوؤں) کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ آتے ہی پوچھتے۔

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟''

اور جب انہیں بتایا جاتا کہ ''وہ گورے رنگ والے جو ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔'' تو کہتے۔

''اے ابن عبدالمطلب! خفا مت ہونا، میں سختی سے سوال کروں گا۔'' اور عجیب عجیب سوال کرتے، مثلاً۔

''بتایئے میرے باپ کا نام کیا ہے؟ یا میرا اونٹ کھو گیا ہے، بتایئے کہاں ہے؟''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ سوالات صرف تزکیہ نفس کے متعلق کیے جائیں، لغو اور فضول سوالات کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر ایسی باتوں کو برداشت ضرور کر لیتے تھے۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بگڑ کر اتنا کہا تھا۔

''پوچھتے جاؤ جو پوچھنا ہے، میں سب کا جواب دوں گا۔'' اور صحابہؓ نے محسوس کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برہم ہیں۔

کوئی آداب مجلس سے ناواقف دوران تقریر یا دوسرے کا جواب دیتے میں سوال کرتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریر جاری رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک وقت میں ایک شخص گفتگو کر سکتا تھا۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریر کر رہے تھے کہ ایک بدو آیا اور آتے ہی بولا۔

''قیامت کب آئے گی؟''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریر کرتے رہے، تقریر سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا۔

''قیامت کے بارے میں کس نے سوال کیا تھا؟''

بدو نے کہا۔

''میں نے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا۔

''قیامت جب آئے گی جب لوگ امانت ضائع کرنے لگیں گے۔''

بدو نے پوچھا۔

''امانت کیونکر ضائع ہو گی؟''

فرمایا۔

''جب کام نا اہلوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔''

یہی بدو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے بیٹھے تمیز سیکھ جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نام و نسب یا دولت و ثروت کی وجہ سے کسی کو امتیاز نہیں دیا جاتا تھا، کچھ ایسا برتاؤ ہوتا تھا کہ ایک شخص بھی

یہ محسوس نہیں کرتا تھا کہ مجھے دوسروں کی نسبت کم عزت دی گئی ہے۔

وضع داری

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوڑھوں کا احترام فرماتے، فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے ضعیف العمر والد کو (جو بینائی سے بھی محروم ہو چکے تھے) بیعت اسلام کے لئے آپ کی خدمت میں لائے۔

فرمایا۔

''انہیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔''

وضع داری اس قدر تھی کہ مدینہ کی ایک عورت جس کی عقل میں کچھ فتور تھا، آتی ہے اور کہتی ہے۔

''مجھے کچھ کہنا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے فرماتے ہیں۔

''تم چلو کسی کوچے میں انتظار کرو، میں ابھی آتا ہوں۔'' چنانچہ اس کی بات جا کر سنی اور اس کا کام کر کے دیا۔

نام نہ لیتے تھے

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے کوئی بات چپکے سے کہنے کے لئے اپنا منہ کان مبارک سے لگایا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کے سر اٹھانے سے پہلے اپنا سر اقدس ہٹا لیا ہو اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصافحہ کیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ہاتھ کھینچنے سے پہلے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی اور آدمیوں کے سامنے پاؤں نہیں پھیلاتے تھے جس کسی سے ملتے تھے، پہلے خود سلام کرتے تھے اور خود مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے تھے، جب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تعظیم کرتے تھے اور اکثر اس کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے تھے اور اسے اپنی نشست پر بٹھا لیتے تھے اور اگر وہ اس پر بیٹھنے سے انکار کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصرار فرماتے اور اسے اسی پر بیٹھنے کے لئے مجبور کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعظیماً و احتراماً اپنے اصحاب کا نام نہ لیتے تھے بلکہ ان کو کسی کنیت سے خطاب فرماتے اور ان کو نہایت محبت آمیز اور پسندیدہ ناموں سے یاد کرتے تھے، البتہ اگر کوئی شخص نازیبا بات کہتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا تو اسے منع فرماتے یا اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تا کہ وہ خود ہی رک جائے۔

جیسے بادل کی ٹھنڈک

تمکین و وقار ایسا کہ کبھی قہقہہ نہ لگاتے، صرف تبسم فرماتے، اکثر سکوت میں رہتے اور صرف ضرورت کے وقت بات کرتے تھے، بات کا آغاز کرتے یا بات ختم کرتے وقت ہی منہ کھولتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام چھوٹے چھوٹے فقروں پر مشتمل ہوتا تھا جو واضح اور فیصلہ کن اسلوب کا رنگ لئے ہوئے ہوتے تھے، ان میں نہ تو فالتو بات ہوتی اور نہ کسی کمی یا کوتاہی کا احساس ہوتا، نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت طبیعت تھے اور نہ ناقص مزاج، چھوٹی چھوٹی نعمت خداوندی کی بھی قدر کرتے تھے اور کسی بھی نعمت کو برا نہ کہتے تھے، البتہ کھانے پینے کی چیز کی نہ تو اچھائی بیان کرتے اور نہ برائی، نیا اور اس کی باتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کبھی غصہ نہ آیا مگر جب حق و صداقت پر حرف آنے لگے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیض و غضب کو کوئی نہیں روک سکتا تھا، جب تک حق کا بدلہ نہ لے لیتے، چین سے نہ بیٹھے تھے، اپنی ذات کے لئے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوتے تھے اور نہ لڑتے جھگڑتے تھے، جب ناراض ہوتے تو منہ دوسری طرف پھیر لیتے، جب خاموشی کا اظہار مقصود ہوتا تو آنکھیں موند لیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہنسنے کی انتہائی حد ایک مسکراہٹ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکراتے ہوئے یوں لگتے تھے جیسے بادل کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔

موقع محل کی مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی بات کو موثر بنانے میں افصح العرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی نظیر نہیں ملتی، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کے بعد صحابہ کرامؓ کو دنیا کی بے ثباتی اور قرب قیامت کے بارے میں وعظ فرمایا، تقریر کرتے کرتے جب نگاہ نبوت نے ڈوبتے ہوئے سورج کو ملاحظہ فرمایا تو فوراً ارشاد ہوا۔

''دنیا کی گزشتہ عمر کے مقابلے میں اس عمر کا حصہ اتنا ہی باقی رہ گیا ہے، جتنا آج کے دن کے گزشتہ وقت کے مقابلے میں اب غروب آفتاب کے وقت میں یہ وقفہ رہ گیا۔''

شاہی لباس

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ ایک شاہی لباس لے کر آئے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرب کے مختلف حصوں سے وفود حاضر ہوا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے عرض کی۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ یہ شاہی عبا خرید لیں تاکہ جب دوسرے شہروں یا ملکوں سے وفود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پہن لیا کریں یا جمعہ کے دن جو گویا مسلمانوں کے دربار عام کا دن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پہن لیں۔''

اس وقت حضرت عمرؓ نظر اسلام کے لئے اس ظاہری جاہ و جلال اور تزک و احتشام پر گئی جس کے شایان وقت عادی تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا کہ مسلمانوں کا پیشوا شاہانہ جاہ و جلال کے اظہار کے لئے مبعوث نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص اس کو پہنتا ہے، آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔''

کوئی امتیازی سلوک

جنگ بدر میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے سگے بھائی ابوعزیز بن عمیر کو ایک انصاری پکڑ کر باندھ رہا تھا، حضرت مصعب بن عمیرؓ نے دیکھا تو پکار کر کہا۔

''ذرا مضبوط باندھنا، اس کی ماں بڑی مالدار ہے، اس کی رہائی کے لئے تمہیں بہت سا فدیہ دے گی۔''

ابوعزیز نے کہا۔

''تم میرے بھائی ہو کر یہ بات کہہ رہے ہو؟''

حضرت مصعبؓ نے جواب دیا۔

''اس وقت تم میرے بھائی نہیں ہو بلکہ یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں گرفتار کر رہا ہے۔''

اسی جنگ بدر میں خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد ابوالعاص گرفتار ہو کر آئے اور ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دامادی کی بنا پر قطعاً کوئی امتیازی سلوک نہ کیا

مزدور کی طرح

صحابہؓ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے، مدینہ میں آ کر سب سے پہلا کام مسجد نبویؐ کی تعمیر تھی، اس مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہ کی طرح خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے اور خود اپنے دست مبارک سے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، صحابہؓ عرض کرتے تھے۔

''ہماری جانیں قربان، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں زحمت فرماتے ہیں۔''

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے فرض سے باز نہ آئے، غزوہ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہؓ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کر رہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہہ جم گئی تھی۔

تعظیمی الفاظ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے تھے، ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کیا۔

''اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند!''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''لوگو! پرہیز گاری اختیار کرو، شیطان تمہیں گمراہ نہ دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول، مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا میں پسند نہیں کرتا کہ تم کو مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔''

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا خیر البیتہ (یعنی اے بہترین خلق) کہہ کر مخاطب کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ ابراہیم علیہ السلام تھے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال

ایک بار حضرت عمرؓ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حجرہ میں حاضر ہوئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت کی چیزیں رہتی تھیں، دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چمڑے کے تکیہ سے جس میں کھجور کے پتے اور چھال بھری ہوئی تھی، ٹیک لگائے ہوئے ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، حجرہ میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی لیکن تین سوکھے چمڑوں کے سوا کوئی دوسرا گھر کا سامان نظر نہ آیا، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے تھے، اس منظر سے حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور ان کی آنکھیں بھر آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا، عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں کیوں نہ روؤں، جب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ (بستر نہ ہونے سے) چٹائی کے نشان پشت مبارک پر پڑ گئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا سارا سامان میرے سامنے ہے، ادھر قیصر و کسریٰ ہیں جو باغ و بہار اور عیش و آرام کے مزے لوٹ رہے ہیں اور حضور اللہ کے رسول ہیں اور آپ کا یہ حال ہے۔''

ارشاد ہوا کہ ''اے ابن خطاب! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہم آخرت لیں اور ۔۔۔ دنیا؟''

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انشاء نامہ

ہماری حلیم کہانی

ابن انشاء

''حلیم شریف اور ہر قسم کے پاکستانی اسلامی مشروبات مثلاً بینز، پاکولا وغیرہ کے لئے ہمارے ریستوران میں تشریف لایئے۔''

یہ اشتہار کسی شریف آدمی نے کراچی کے اخباروں میں دیا ہے، ہمیں اعتراف ہے کہ حلیم تو ہم نے بہت بار کھائی لیکن بس کھا گئے، اس کی شرافت یا درجہ ولایت پر کبھی نظر نہ کی، اس طرح بینز اور پاکولا بھی اتنا پیا کہ ہماری رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے، لیکن اس میں ہمارے جذبہ ایمانی کو چنداں دخل نہ تھا، ہمیں کبھی خود پہ یہ گمان نہ ہوا کہ ہم کوئی اسلامی کام کر رہے ہیں، بہرحال اب جو یہ انکشاف ہوا ہے کہ یہ مشروبات آٹھوں گانٹھ اسلامی ہیں تو ہمیں بڑی خوشی ہے، آئندہ ہم سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا کوئی عمل اسلامی نہیں ہے، بھئی حلیم کھاتے ہیں، پاکولا پیتے ہیں اور کیا چاہتے ہو؟

☆☆☆

حلیم اور پاکولا تو ہوئے، لیکن کوئی شخص حلیم کھا کر اور پاکولا پی پی کر کہاں تک جی سکتا ہے، جن بزرگ نے پاکولا کے مذہب کی تحقیق کی ہے یا اسے اپنے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام کیا ہے، لازماً ان کے پاس اسلامی سبزیوں، اسلامی پھلوں، اسلامی کپڑوں، اسلامی فرنیچر وغیرہ کی بھی فہرست ہوگی، ممکن ہے ان میں سے بھی کچھ کے ساتھ وہ احتراماً شریف کا لفظ لگانا پسند کریں، مثلاً شلجم شریف، بھنڈی شریف، امرود شریف، فلالین شریف، چھپر کٹ شریف، کرسی شریف، کھانوں میں ہم اپنی ذاتی پسند کی دیکھیں تو ہمیں قورمہ بھی شریف لگتا ہے، کم از کم ہمیں اس سے کبھی کسی قسم کی شکایت پیدا نہیں ہوتی اور بریانی کی شرافت پہ بھی ہمیں کبھی شبہ نہیں ہوا، ہم تو مکئی کی روٹی تک کو شریف جانتے ہیں کہ غریبوں کے دستر خوان پر رہتی ہے اور گنڈیریاں بلکہ مونگ پھلی تک کو ہم خلاف شرافت نہیں پاتے، شوق سے منہ لگاتے ہیں لیکن ہم کوئی مولوی مفتی تھوڑا ہی ہیں، ہمارا فرمایا ہوا مستند نہ سمجھا جائے۔

☆☆☆

اکبر نے یا مولانا ظفر علی خاں نے جو اونٹ کو اسلامی جانور قرار دیا اور ہندوستانی مسلمانوں کا سمبل بنایا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کی گائے کے مقابلے میں ہمیں کوئی جانور چاہیے تھا جو اگر دودھ نہیں دے سکتا تو کم از کم لات تو مار سکتا ہو، پھر اونٹ میں کچھ اور خوبیاں بھی ہماری قوم کے ساتھ مشترک تھیں، اس کی کوئی کل سیدھی نہ ہونا اور کھائے پیئے بغیر شکر کرتے مدتوں جیے جانا، دودھ دینے والے جانوروں میں بھینس بھی موجود تھی بلکہ دودھ گائے سے زیادہ ہی دیتی ہے لیکن مسلمانوں کی حس جمالیات پر پوری نہ اتری، پھر عقل بڑی کہ بھینس کے محاورے کی روشنی میں حریف یہ گمان کر سکتے تھے کہ ان کے پاس بھینس ہے تو لازماً عقل نہ ہوگی، حالانکہ آج کل بھینس ان ہی کے پاس ہوتی ہے جن کے پاس عقل ہوتی ہے، کچھ بھی ہو، اکبر کا معاملہ ٹھٹھول کا تھا

حلیم شریف والے بزرگ سے کچھ بعید نہیں کہ اس مطلب کا اشتہار نکال دیں کہ اونٹ کی سواری اسلامی ہے، اونٹ پر چڑھو اور اونٹ گاڑی پر اسباب لادو اپنی عاقبت نیک کر لو، ہمارے ہاں ہر قسم کے اونٹ اور اونٹ گاڑیاں کرائے پر مل سکتی ہیں، وغیرہ۔

☆☆☆

علامہ اقبالؒ نے ایک بار سچ فرمایا تھا کہ اس وقت دنیا میں کوئی مظلوم ہے تو وہ اسلام ہے، جو چاہتا ہے اسے اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے، جملہ حقوق محفوظ کر لیتا ہے کہ اگر لکھوائے کوئی ان کا خط تو ہم سے لکھوائے، دکان داری کے لئے اسلامیت کے سرٹیفکیٹ بانٹنے والوں میں بزرگ تنہا ہیں لیکن دوسروں کے نام ہم نہیں لے سکتے، یہ تو صرف حلیم شریف ہی لکھتے ہیں۔

☆☆☆

ہم یہاں تک پہنچے تھے کہ ثاقب یحییٰ خاں سعودی ساقی لائل پوری کا گرامی نامہ وصول ہوا، سعودی ساقی لائل پوری صاحب نے اپنی کتاب میں حساب لگایا تھا کہ ہم لوگ اب تک ایک ارب 6 کروڑ سال غیر اسلامی نظاموں میں ضائع کر چکے ہیں، اس کی تلافی میری مجوزہ اصلاحات ہی سے ہو سکتی ہے، پہلی مشق تعلیمی اصلاحات کی تھی، جس میں سے فی الوقت ہمیں یہ یاد ہے کہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر کو ڈپٹی کمشنر کا درجہ دیا جائے، پرائمری اسکول کا ماسٹر، تحصیل دار کے فرائض انجام دے، بس ایسا ہی کچھ تھا، اسی خط میں لکھا ہے کہ میری دیگر بنیادی اصلاحات آنے والی ہیں، منجملہ۔

''مزید اسلامی اصلاحات میں ٹریفک کی سڑکوں کو بھی اسلام قبول کرانے کا مشورہ دیا گیا ہے، اسلام کے معنی چونکہ امن وسلامتی کے ہوتے ہیں لہٰذا اسلامی سڑک وہ ہوتی ہے جس پر سفر کے دوران لاریاں، ٹیکسیاں، رکشا، مسافروین وغیرہ امن وسلامتی محسوس کریں اور ہچکولوں کا سامنا نہ ہو، پاکستان کی بہت سی سڑکیں غیر اسلامی ہیں اور گزشتہ ادوار میں ذرائع آمد ورفت گھوڑا اور اونٹ وغیرہ تھے، اس زمانے کی کچی سڑکیں اسلامی تھیں، کیونکہ گھوڑا وغیرہ پکی سڑک کے مقابلے میں کچی سڑک پر بہتر کارکردگی دکھاتا ہے۔''

☆☆☆

وا بھئی وا، کچی سڑک اسلامی، پکی سڑک غیر اسلامی، گھوڑا اسلامی، موٹر غیر اسلامی، گھاس اسلامی، پٹرول غیر اسلامی، ایک جگہ دو افیمی بیٹھے تھے، ایک نے سامنے کے میدان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اس میں گنے بوئے جائیں، تو خوب رہے۔''

دوسرے نے کہا۔

''تجویز اچھی ہے لیکن یہ جو ہمسائے میں بھاگو رہتی ہے، اس کا لڑکا بڑا شریر ہے، یہ ہمارے گنے توڑ کے لے جایا کرے گا۔''

پہلے نے کہا۔

''اچھا تو پھر سب سے پہلے اس کا بندوبست کریں۔''

لاٹھیاں سنبھال پہنچ گئے بھاگو کے گھر پر کہ نکال اپنے لونڈے کو۔

لونڈا باہر نکلا تو انہوں نے اس پر ڈنڈے برسانے شروع کر دیے، ڈنڈے مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

''ہور چوپو، ہور چوپو۔'' یعنی اور چوسو ہمارے کھیت کے گنے۔

ایسے موقع پر ہمارا بھی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ''ہور چوپو، ہور چوپو۔'' اور لو بے ضرورت اور بے جگہ اسلام کا نام۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شمعون عباسی سے ملاقات

عبداللہ

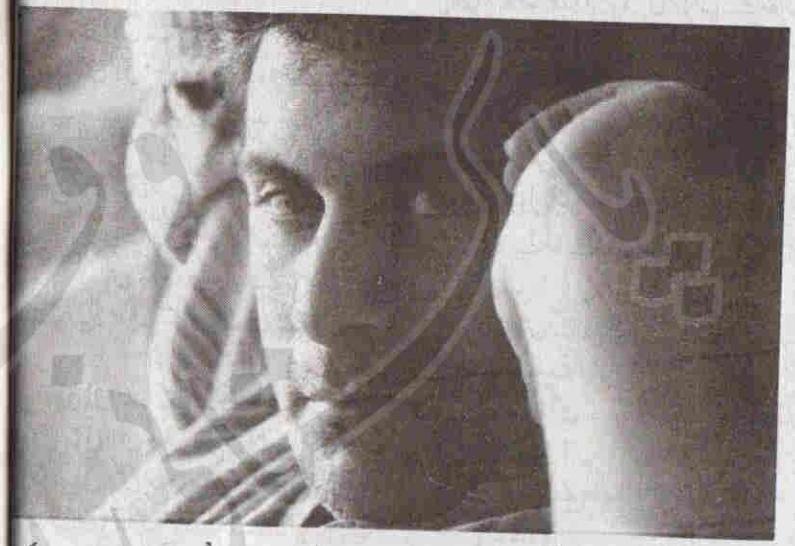

شمعون عباسی کی پوری فیملی، شوبزنس سے متعلق ہے، ان کے والد زبیر عباسی نامور رائٹر ہیں جن کے کریڈٹ پر بے وارث، جیسی کامیاب سیریل کے سوا کئی دیگر سیریلز اور انفرادی ڈرامے بھی ہیں، پھوپی سیما غزل کو کون نہیں جانتا، جو، ان گنت سیریلز کی خالق اور نامور مصنفہ ہیں، شمعون عباسی کی پہلی بیوی جویریا عباسی اور دوسری بیوی عمیمہ بھی کامیاب اداکارائیں ہیں، خود شمعون عباسی ٹی وی کے لئے بہت سے ڈرامے اور فیملی فلمز پروڈیوس و ڈائریکٹ کر چکے ہیں اور اداکار کی حیثیت سے بھی نمایاں شناخت بنائی ہے، پچھلے دونوں عید الفطر پر ان کی پہلی مووی بھائی لوگ، ریلیز ہو کر

کامیاب رہی یوں شمعون عباسی بڑی اسکر
کے ستارے بھی بن گئے ہیں، اس وقت جبکہ
وڈ میں نہ ہونے کے برابر کام ہو رہا ہے، شمع
عباسی کی دو اردو فلمیں گدھ اور وار، زیر
ہیں، آیئے اس نئے فلمی چہرے سے ملاقا
کراتے ہیں۔

O بھائی لوگ، آپ کی پہلی فلم ہے، اس
اسٹار فلم کے تجربے کو کیسے بیان کریں گے

☆ خوشی کی بات یہ ہے کہ فلم کامیاب رہی
لوگوں نے اسے آج کے دور کی فلم قرار
اس فلم کی کاسٹ بہت بڑی ہے او
ہونے کے باوجود مجھے کافی اہم رول دیا
ندیم اور جاوید شیخ جیسے سینئرز سے بہت

سیکھنے کو ملا اور مجھے اندازہ ہوا کہ اگر دونوں، اتنے طویل عرصے سے فلم انڈسٹری میں ہیں تو ان کی وجہ ان کی مسلسل محنت اور لگن کے سوا کچھ نہیں۔

O کیا وجہ ہے کہ بھائی لوگ کے ڈائریکٹر فیصل بخاری کے خلاف آپ نے پریس کانفرنس کا اعلان کیا اور پھر کچھ نہیں کیا؟

☆ ایک حق کی بات ہے جس کے لئے میں فیصل کے خلاف پریس کانفرنس کرنا چاہتا تھا مگر

ہوا کہ فلم کے کریڈٹ پر ان کی جگہ پرویز کلیم کا نام دیا جائے گا تو بہت برا لگا اور ردعمل کے طور پر کہہ دیا کہ اس فلم میں کام نہیں کرنا چاہتا، اس پر فیصل نے مجھے راضی کیا اور وعدہ کیا کہ رائٹر کے طور پر زبیر عباسی کا نام ہی آئے گا مگر فائنلی ایسا نہیں ہوا تو بس یہی وہ ایشو ہے جس پر پریس کانفرنس کرنا چاہتا تھا۔

O حالات فلم میکنگ کے لئے مناسب نہیں اور

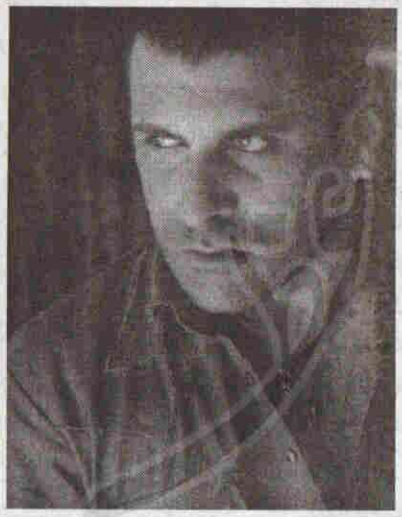

اب حالات بدل چکے ہیں، خاص طور پر فیصل بخاری کے والد کا انتقال ہوا تو میں نے ارادہ کینسل کر دیا کہ دکھ کی اس گھڑی میں انہیں پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا، بات یہ ہے کہ فیصل بخاری نے بھائی لوگ، کی کہانی میرے والد زبیر عباسی سے لکھوائی تھی اور بالکل آخری مرحلے میں مجھے کام کی آفر کی تھی، میں یہ سوچ کر خوش تھا کہ والد کی فلم میں کام کر رہا ہوں مگر درمیان میں معلوم

آپ بطور ڈائریکٹر بھی فلم بنا رہے ہیں؟

☆ حالات اگر خراب ہیں تو انہیں ٹھیک کرنے کے ذمے داری بھی ہماری ہی ہے، فلم بنانے کا ارادہ برسوں سے تھا اور میری یہ فلم گدھ، بھائی لوگ سے پہلے ہی بن جاتی تاہم دیگر مصروفیات کی وجہ سے تھوڑا وقت لگ گیا، میں نے کئی ٹیلی فلمز ڈائریکٹ کی ہیں اور جانتا ہوں کہ ہر ٹیلی ڈائریکٹر کی خواہش ہوتی ہے کہ بڑی اسکرین کے لئے کام کرے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

گدھ، ایک ایسی مووی ہے جو کسی بھی ڈائریکٹر کے لئے چیلنج ہو سکتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک رائٹ اسکرپٹ کے ذریعے سلور اسکرین کا ڈائریکٹر لانچ ہو کر میں نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔

O گدھ کے بارے میں بتائیں، ٹاپک کیا ہے؟

☆ کہانی تو شو نہیں کر پاؤں گا کیونکہ اس سے مجموعی تاثر متاثر ہو سکتا ہے، بس اتنا کہوں گا کہ کہانی بالکل مختلف ہے اور ٹمپو اتنا تیز ہے کہ دیکھنے والے پلکیں بھی نہیں جھپکا ئیں گے۔

O گدھ کے لئے آپ نے ہمایوں سعید کو لیا ہے، فلم فوکس کے مطابق وہ فلم کے لئے موزوں نہیں، آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ ہمایوں کے ٹیلنٹ کو جانتا ہوں اور وہ میری ڈائریکشن میں دو تین ٹیلی فلمز کر چکا ہے، گدھ میں ہمایوں کا کیریکٹر ایکشن بیسڈ ہے اور میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد اسے فلم کے لئے بھی موزوں مانا جائے گا۔

O ڈرامہ فیلڈ میں پاکستان پھر کامیاب ہو رہا ہے فلم کو کامیاب ہونے میں کتنا عرصہ لگ سکتا ہے؟

☆ ڈرامہ فیلڈ میں ہم نے اپنی غلطیوں سے سیکھا، خود کو ٹھیک کیا اور پھر اپنے فلور پر لوٹے لیکن جہاں تک فلم انڈسٹری کی بات ہے تو

سکتے ہیں، فلم کے لئے لاہور کے علاوہ اب کراچی میں بھی ہلچل دکھائی دے رہی ہے، ثاقب ملک جیسے لوگ پھر فلم بنانے کا سوچ رہے ہیں، 11ء میں بول اور بھائی لوگ، کی کامیابیوں نے ان لوگوں کو فلموں کی طرف راغب کیا ہے، پھر ملک میں سینما کلچر کے ری وائیول نے بھی اس سمت بڑا کام کیا ہے۔

O اس خبر میں کتنی سچائی ہے کہ گدھ کی نمائش وارنر برادرز اور ISPR کی مووی وار کے بعد کی جائے گی؟

☆ گدھ کا بہت سا کام باقی ہے جبکہ وار پہلے سے بن رہی ہے اس لئے اس کے پہلے ریلیز ہونے کا چانس زیادہ ہے، موجودہ حالات میں دو اہم فلموں کی ریلیز میں جتنا زیادہ گیپ ہو اچھا ہے اور اسی لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ وار کے کچھ عرصے بعد اپنی فلم گدھ لگاؤں گا۔

O وار میں آپ نے شان کے ساتھ کام کیا ہے، کہتے ہیں شان کے ساتھ کام کرنا آسان نہیں، آپ کا تجربہ کیسا رہا؟

☆ یہ ساری سنی سنائی باتیں ہیں شان اچھا ایکٹر ہی نہیں بلکہ انسان بھی ہے اور میں نے اسے ڈائریکٹر کے ساتھ کوآپریٹ کرتے دیکھا ہے، فلم بھائی لوگ کی کامیابی پر شان نے مجھے مبارک باد دی اور بتایا کہ اس کی پوری فیملی نے فلم دیکھی اور پسند کی ہے، شان نے

مجھے لاہور آنے اور فلموں میں کام کرنے کی دعوت بھی دی جس پر ان کا شکر گزار ہوا۔

O کیا وجہ ہے کہ آج کل اداکاروں کے رویے بہت بدل گئے ہیں؟

☆ چینلو کی بھرمار ہے اور ایکٹرز بہت مصروف ہیں، ریہرسلز کا وقت بھی نہیں مل پاتا، کئی ایکٹرز تو ایسے ہیں جن کی فیملی ان کی صورت دیکھنے کو ترس گئی ہے، سب کی کوشش ہوتی ہے کہ اخلاق سے پیش آئے مگر مقابلے کی اس فضا میں خود کو مینج کرنا مشکل ہو رہا ہے، مجھے لگتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا، اس دور کو عبوری دور سمجھئے ہم سب کنفیوزڈ ہیں کہ ہو کیا رہا ہے؟ تھوڑا وقت گزرے گا تو سب کی سمجھ میں آ جائے گا کہ کس طرح رہنا ٹھیک ہے اور کس طرح سب کمفرٹیبل رہ سکتے ہیں۔

O پاکستان میں بھارتی فلموں کی ریلیز چاہتے ہیں نہیں؟

☆ میں اس حق میں ہوں کہ انڈین فلمیں ہمارے سینماؤں پر چلیں، انہی فلموں کی وجہ سے ہمارے سینماز پھر سے آباد ہوئے ہیں۔

O عید پر بھائی لوگ اور، لو میں گم، کے مقابلے میں انڈین فلم باڈی گاڈ کو اہمیت دی گئی پھر بھی آپ بھارتی فلموں کے حق میں ہیں؟

☆ یہ ایک ٹریجڈی ہے اور اس سے بڑھ کر پالیسی کا فقدان اچھی بات یہ ہے کہ بھائی لوگ نے باڈی گارڈ، کے سامنے جم کر بزنس کیا بلکہ باڈی گارڈ، رخصت ہو گئی تب بھی ہماری فلم زیر نمائش رہی، ریما کی فلم عید پر نہ لگتی تو بہتر ہوتا کیونکہ اس طرح کی سافٹ رومینٹک موویز، تہواروں پر زیادہ پسند نہیں کی جاتیں۔

O اگر بولی ووڈ میں کام کرنا پڑے تو کس ڈائریکٹر کے ساتھ کام کرنا چاہیں گے؟

☆ وشال بھاردواج، مدھر بھنڈارکر، اور امتیاز علی میرے فیورٹس ہیں، یہ تینوں ڈیفرنٹ اسٹائل کی فلمیں بناتے ہیں اور ایکٹرز کو چیلنج دیتے ہیں کہ اپنی لمٹ سے آگے نکل کر دکھائیں۔

O مگر ہمارے یہاں کے زیادہ تر ایکٹرز کی چوائس تو لیش چوپڑا اور کرن جوہر ہوتے ہیں؟

☆ اپنی اپنی چوائس ہے، یہ دونوں ڈائریکٹرز رومینٹک اور سوشل فلمز کے ماہر ہیں اور میں اس ٹائپ کی فلمز کے لئے خود کو موزوں نہیں سمجھتا۔

O آپ پر ایک الزام ہے کہ اپنے کام میں اکشے کمار کا اسٹائل دینے کی کوشش کرتے ہیں؟

☆ میں سمجھتا ہوں یہ اتفاق ہے یا پھر زیادہ تر دیکھنے والوں نے ایسا سمجھا ہے ورنہ کبھی اکشے کمار بننے کی کوئی کوشش نہیں کی، میری ڈریسنگ اور اسٹائل سب کچھ اپنا ہے، دنیا میں ایک چہرے کے سات انسان ہونے کی بات بتائی گئی ہے تو ہو سکتا ہے اکشے سے کچھ کچھ ملتا جلتا ہوں ورنہ ان جیسا بننے کی کوشش کوئی کبھی نہیں کی اور نہ ہی ان جیسا یا کسی اور جیسا بننے کی تمنا ہے جو اور جیسا بھی ہوں اپنے آپ میں خوش ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ہم نے شمعون عباسی سے حنا کے قارئین کے لئے انٹرویو دینے پر ان کا شکریہ ادا کیا اور ان سے اجازت چاہی شکریہ۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دستک صبحِ اُمید کا

فوزیہ غزل

تیرویں قسط کا خلاصہ

شائستہ بیگم، شہریار کی اچانک خاموشی افسردگی اور الجھن زدہ کیفیت کا پوچھتی ہیں تو وہ سعیہ کے انکار کا بتا دیتا ہے، شائستہ پریشان ہو جاتی ہے، شہریار انہیں مطمئن کر کے اپنی مکمل رضا کا یقین دلاتا ہے۔

اپنی محبتوں کا یقین دلاتا وہاج حسن اریبہ کو مزید کچھ دیر اور جاب کا خیال ترک کر دینے کا مشورہ دیتا ہے جسے اریبہ مان لیتی ہے۔

شائستہ بیگم، سعیہ کو تنبیہی انداز میں وارن کر کے شہریار سے فضول گفتگو اور تعلق سے گریز پر ڈانٹتی ہیں اور فیصلہ نہ تبدیل ہونے کا عندیہ دیتی ہیں۔

اریبہ کے سامنے ایک نئی پریشانی آ کھڑی ہوتی ہے اگلے محلہ کی ایک عورت اچانک ان سے دس ہزار قرضہ ادا کرنے کا کہہ دیتی ہے۔

ماریا جیل سے رہا ہو جاتی ہے کیتھرین اسے ساتھ لے کر فریش کرنے کی غرض سے ٹریول پہ نکلتی ہے اور دوران ٹریولنگ ماریا کی آدم بیزار عادتیں بھی موضوع گفتگو بنتی ہیں۔

سعیہ شہریار سے مما کو سب بتانے پر ناراضگی کا اظہار کرتی ہے تو شہریار اسے اپنے تعلق کا حوالہ دیتا سختی سے ڈانٹتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

چودھویں قسط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

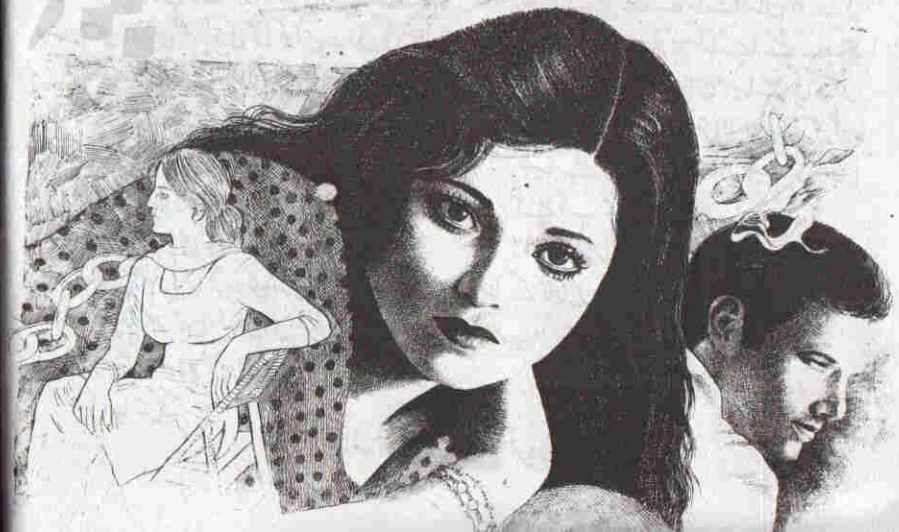

"بہت الجھا لیا ہے، تم نے اپنے معاملے کو اور مجھے سمجھ نہیں آتی میں کیسے تمہارا ساتھ دوں اس بیوقوفی میں کہ جس میں پھنسی تم اپنے ساتھ کئی اور زندگیاں ڈسٹرب کرنے پہ تلی ہو۔" صبا نے کہا تھا اور وہ اک گہرا سانس لے کر بولی تھی۔

"تو پھر کیا کروں، میرا دل بہت بیزار ہو چلا تھا اور میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا کہ میں بذات خود شہریار سے بات کروں۔"

"اور تمہارا کیا مطلب تھا وہ اتنے آرام سے سب سن لیتا۔"

"خیر آرام سے تو نہیں سنا مگر کچھ ڈانٹ ڈپٹ ضرور کی۔"

"اور شکر کرو معاملہ صرف ڈانٹ ڈپٹ پہ چل گیا ورنہ کوئی اور ہوتا تو کھینچ کے دو تھپڑ دے مارتا اتنا اچھا شخص ہے اتنا برداشت کرتا ہے تمہیں اور تم ہو برابر زندگی دشوار کیئے جا رہی ہو اس کے لئے۔"

"کیا وہ اچھا شخص ہے مجھے اتنا ڈانٹا، اتنے سخت الفاظ اور تنبیہی لب و لہجہ میں بات کی، پھر بھی تم اسے اچھا شخص کہہ رہی ہو۔" اسے دکھ سا دکھ ہوا۔

"کم آن سنعیہ وہ واقعی بہت نائس پرسن ہے اتنا نائس نہ ہوتا ناں تو سب سے پہلے تمہاری یہ فضولیات جا کر تمہارے والدین کو بتاتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے طور پر تمہیں ڈانٹا جو کہ اس کا حق تھا اور فرض بھی۔" صبا کی بات پر اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو خفگی کی چمک لہرائی تھی، وہ چڑ کر بولی۔

"اور میرے حق کی کسی کو پروا نہیں سب اسی کی بات کرتے ہیں۔"

"اگر وہ تمہاری حق تلفی کرے گا تو یقیناً ہم سب تمہاری طرفداری کریں گے مگر اس وقت تو یہ سیٹ تم نے سنبھالی ہوئی ہے تو ظاہر ہے ہمیں اس کا ساتھ دینا ہے۔"

"صبا میرے حقوق سلب کیے گئے ہیں میری مرضی کے بغیر مجھے بنا پوچھے اس شخص سے باندھ دیا گیا ہے جس کے نزدیک....." وہ غصے سے بات ادھوری چھوڑ کر لب کاٹنے لگی۔

"جس وقت یہ فیصلہ کیا گیا مائی ڈیئر فرینڈ اس وقت تم اتنی باشعور نہ تھیں کہ تمہاری مرضی کوئی دریافت کرتا۔"

"تو اب میں باشعور ہو چکی ہوں اب تو اپنی مرضی بتا رہی ہوں اور سننے پر کوئی تیار نہیں ہے۔" وہ غصے سے بولی۔

"اس لئے کہ اب سننے کا ٹائم نہیں ہے، اب تو دن گننے کا ٹائم کہ تم کتنے دنوں میں پپا کو پیاری ہو گی پھر اپنی مرضی چلانا اس کے لئے اپنے پسندیدہ کلرز کے ڈریس لینا اس کی پسند کے تم پہننا، اس کی فیورٹ ڈشز بنانا اپنی فیورٹ ڈشز اسے کھلانا۔" صبا بہت مزے سے بولی تو وہ تپ گئی۔

"خوامخواہ میں یہ سب کیوں کروں گی کوئی ملازمہ کو ہوں اس کی۔"

"نہیں بلکہ شوہر ہے وہ تمہارا اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے اسے پہننے اوڑھنے اور کھانے پینے میں کیا پسند ہے کیا نہیں کیونکہ کہتے ہیں کہ شوہر کے دل تک جانے کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا

ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے اس کے دل اور معدے میں غسل کرنے کی۔"

"ہاں دل تک تو تم پہلے پہنچی ہوئی ہو۔" صبا نے چھیڑا۔

"آگ میں جلا دوں گی میں اس کا دل۔" وہ تپ کر بولی۔

"ساتھ تم بھی جلو گی کیونکہ دل میں رہتی تو تم ہی ہو۔"

"اب بھی جل رہی ہوں میں، اب کون سا پھولوں کی سیج پہ بیٹھی ہوئی ہوں۔"

"اوئے ہوئے پھولوں کی سیج بھی یاد آنے لگی بھئی اس پہ تو مسٹر شہریار خان ہی بٹھائیں گے تمہیں، کب؟ البتہ یہ تمہارے بڑوں کو معلوم ہو گا۔"

"ہرگز نہیں مجھے اس شادی سے صاف انکار ہے اور یہ میں اپنے بڑوں کو بھی بتا دوں گی کہ وہ شہریار کے ساتھ میری شادی کے خواب دیکھنا بند کر دیں۔" وہ اتنی قطعیت سے بولی تھی کہ صبا چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی۔

"کیا تمہیں وہ بالکل اچھا نہیں لگتا۔" صبا اس کے سامنے بیٹھ کر اپنا ہاتھ آہستگی سے اس کے ہاتھوں پہ رکھتی بولی، تو سنعیہ نے جواب نہیں دیا۔

"محبت کرتا ہے وہ تم سے اور تم نہیں جانتی ہو، تم اس کے ساتھ کتنا غلط کر رہی ہو۔"

"نہیں ضرورت ہے مجھے اس کی محبت کی۔" وہ چیخ کر بولی۔

"محبت مہربانی یا ضرورت نہیں جس کو رد کیا جائے، پھر یہ محبت تو تمہارا حق ہے جسے تمہیں اعتماد کے ساتھ وصول کرنا چاہیے۔" صبا کی بات پہ اس نے بہت بے تاثر انداز میں دیکھا تھا۔

"ایک بات پوچھوں اگر تم برا نہ مانو۔" صبا اب کچھ جھجکتے ہوئی بولی تو سنعیہ نے اس بار بھی کچھ نہیں کہا تھا بس خاموشی سے دیکھا تھا۔

"کیا تمہیں کوئی اور پسند ہے؟" ان کے درمیان کچھ دیر خاموشی چھا گئی معنی خیز خاموشی جسے صبا نے ہی توڑا۔

"وہ کون ہے جس کے لئے تم انکار کر رہی ہو۔"

"بہتر ہو گا کہ ہم اس موضوع پہ بات نہ کریں۔" قدرے توقف کے بعد وہ بولی تو لہجہ قطعی تھا۔

(مطلب، کوئی ہے کوئی تیسرا فرد جو ان دونوں کے درمیان دیوار بنا کھڑا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو سنعیہ کو فوراً انکار میں کیا مضائقہ تھا میرے سوال سے احتراز ظاہر کرتا ہے وہ کسی ایسے لمحے میں موجود ہے جس کا یقینی جواب اس کے پاس بھی نہیں۔) صبا نے اس کے سپاٹ چہرے پر پرسوچ نگاہیں جمائیں اور بولی۔

"پتا نہیں تمہاری لو جک کیا ہے تم بہت کچھ مجھ سے شیئر کر کے کچھ چھپا جاتی ہو، تمہارا رویہ عام فہم نہیں رہا شاید تم سب کہنا سب سننا اچھا نہیں سمجھتی ہو مگر مجھے صرف اتنا کہنا ہے وہ بھی اتنی طویل اور گہری دوستی کے ناطے کے سب یوں نہیں ہوتا جیسے تم چاہتی ہو نہ زندگی یوں بیتی ہے نہ بتائی جاتی ہے کبھی کبھی خوابوں میں جو جہان آباد ہو کر قریب لگتے ہیں وہ حقیقت میں بہت دور ہوتے ہیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس حقیقت سے انسان نظریں چرانا چاہیے وہ خوابوں، خواہشوں کے سنگ چلتی ہمارے اپنے ہاتھ ہوتی ہے، اگر میں کہوں تمہیں اس رشتے کو درست طور پر سمجھنے اور قبولنے اور فوری نتیجہ اخذ کرنے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے تو شاید تمہیں برا لگے۔"

"مگر بہت سی باتوں کے لئے وقت درکار ہوتا ہے انہیں دقیق عمل سمجھ کر یونہی چھوڑ دینا دانشمندی نہیں، اگر تم اس رشتے اور ربط کو بے معنی سمجھتی ہو اور بہت سی باتیں تمہیں ناگوار گزرتی ہیں تب بھی میں یہی کہونگی کہ اس مقام پہ سب یونہی چھوڑ دو کیونکہ چیزیں، رابطے، رشتے اور کچھ لوگ اپنا آپ منوانے کو وقت مانگتے ہیں، تو ہمیں دوستی یا دشمنی ہو اس میں وقت کا ریلیف رکھنا چاہیے اک فیصلہ کن موڑ پہ پہنچنے کو یہ اچھا ہوتا ہے کیونکہ جلد بازی میں مدہم سا نقطہ بھی سیاہ رات دکھائی دیتا ہے اور وقت دینے سے صرف چیزوں کے رنگ گہرے نہیں ہوتے سوچوں کے زاویے بھی واضح ہو کر سامنے آتے ہیں اور تب ربط، تعلق کے مفہوم درست کھلتے ہیں تو انسان وہ کچھ کر جاتا ہے توازن کے زینے پر کھڑا ہو سوچا بھی نہیں ہوتا۔"

"تمہاری خوشی تمہارے دکھ سکھ تمہارا ہنسنا اور افسردہ ہونا بہت معانی رکھتا ہے، میرے لئے کیونکہ تم میری واحد دوست بلکہ بہن ہو ایک لحاظ سے اور تم بھی یہی احساس اپنائیت رکھتی ہو تو پلیز، پلیز سنعیہ اسے وقت دو خود کو وقت دو، زندگی بہت ناقابل اعتبار شے ہے دوستی اور دشمنی اس سے بھی زیادہ، زندگی کی حقیقت اگر کچھ ہے تو وہ بس یا تو اندر کی نیکی ہے یا محبت کا سچا پن۔" صبا بہت رسان سے بولتی گئی۔

"اور اگر اس سب کے بعد بھی میں اپنے فیصلے پر برقرار رہی تو....." اس نے پوچھا۔

"پھر تمہارے پاس شہریار کی وکالت کرنے یقیناً کوئی نہیں آئے گا۔" صبا اعتماد سے بولی تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"اور وعدہ کرو تب تک تم شہریار بھائی سے کسی بھی قسم کی بحث بالکل نہیں کرو گی۔" صبا نے لگے ہاتھوں پہ موقع ہموار کرنا چاہا تو وہ اس کی چالاکی پہ گھورنے لگی، پھر کچھ سوچتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"اٹس اوکے۔"

"Thank God۔" صبا نے اتنا مشکل معرکہ سر ہونے پر سکون کا سانس لیا۔

☆☆☆

اریبہ نے اپنے اور صالحہ آنٹی کے محلہ سے کچھ معتبر لوگوں سے مل کر کوشش کی تھی کہ وہ رقم کے معاملہ کو رفع دفع کرا سکے، ثبوت تو وہ تھا جو جل چکا اور بنا ثبوت کے کون مانتا وہ خالی ہاتھ کھلے آسماں تلے کھڑی تھی بنا کسی مضبوط سہارے کے کون اس کا ساتھ دیتا، جبکہ صالحہ کا بیٹا نیا نیا پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل بھرتی ہوا تھا، محلے والوں پر رعب تھا اس کا کون بگاڑتا، اسے یہ رقم ادا کرنے کا حکم دیا گیا اس بات کے ساتھ۔

"ہم جانتے ہیں تم لوگ انتہائی کسمپرسی اور غریبی کا شکار ہو کوئی کمانے والا سر پر نہیں ایسے میں قرضہ ادائیگی کے لئے وقت طلب کرنا یا مہلت مانگنا ہو تو ہم مددگار ہیں مگر صریحاً بے ایمانی اور دھوکا

دہی ظاہر کر کے یہ کہنا کہ رقم لی نہیں دی ہے وہ بھی صرف زبان کا کہا بنا ثبوت ہم کیسے یقین کر لیں۔"

"ارے پولیس میں پرچہ کٹوا دونگی، چار ڈنڈے پڑیں گے تو اس کا قبر میں پڑا باپ بھی بولے گا سچ کیا ہے۔" صالحہ ہاتھ نچا کر بولی۔

"تم چپ رہو اگر تمہی کو بولنا ہے تو ہم لوگ گھر جاتے ہیں۔" ایک بارعب آواز آئی، پھر وہی شخص اریبہ سے مخاطب ہوا۔

"بولو بی بی کیا کہتی ہو اپنے دفاع میں؟"

"ہم نے ہرگز نہیں قرضہ نہیں دیا بلکہ دیا ہے اور اس پہ میں قرآنی حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔" ذلت کے بے پایاں احساس نے اس کی غیرت وحمیت پہ چوٹ لگائی تھی وہ تڑپ کر بولی تھی۔

"دیکھو بی بی قرآن تو لوگ عدالتوں میں بھی اٹھا لیتے ہیں گواہی جھوٹی کو سچ بنانے کے لئے تمہاری تو گواہی بھی آدھی ہے کون یقین کرے گا، دو حرفی بات یہی ہے بحث وتمحیص میں پڑنے ہمارے وقت ضائع کرنے کے بجائے تم رقم ادا کر دو تمہارے حالات کے پیش نظر ہم دو ماہ کی مہلت دیتے ہیں مگر....." کہنے والے نے توقف کیا تھا اور اس کی آنکھوں میں رکے آنسوؤں کو دیکھا۔

"ضمانت کے طور پر تمہیں یہ انگوٹھی دینی ہوگی جو تمہاری انگلی میں ہے۔"

شدید اضطرابی لہر اریبہ کے وجود میں ڈور گئی اس نے فوراً دوسرے ہاتھ کے نیچے اپنا انگوٹھی والا ہاتھ کیا تھا، یہ انگوٹھی تو منگنی پہ خود وہاج نے اپنے ہاتھوں سے پہنائی تھی اس کے خوابوں، خواہشوں اور تمناؤں کے ساتھ بندھی بہت خوبصورت وعدوں کی امین، اس کی زندگی کا اک دلفریب حادثہ وہ اسے کیسے دیتی۔

"نہیں میں انگوٹھی کسی کو نہیں دونگی۔" اس نے بڑبڑاہٹ میں کہا۔

"فکر مت کرو، جیسے ہی تم رقم ادا کرو گی، انگوٹھی تمہیں واپس مل جائے گی وگرنہ دوسری صورت میں تمہارے پاس صرف آج کی رات ہے کل ہر صورت تمہیں رقم لانا ہوگی، اب خواہ وہ اسی انگوٹھی کو بیچ کر لاؤ یا خود کو۔" کتنے تذلیل آمیز اہانت بھرے الفاظ تھے، اس کی آنکھوں میں یکدم نیم جاں سی کیفیت ابھر آئی بھلا کبھی سوچا تھا دل نے کہ ایسے مقام پہ بھی لائے گی زندگی، کتنے سمندر تھے جو پلکوں سے اچھلتے ایک پل میں چھلکے تھے، ضبط کے کتنے بندھن لمحوں میں ٹوٹے تھے۔

جویریہ جو اس کے برابر خاموش بیٹھی تھی بہت پراعتماد لہجے میں بولی تھی۔

"ہم یہ رقم کل ادا کریں گے مگر قرآن پہ رکھ کر اور صالحہ کو یہ رقم قرآن پر سے ہی اٹھانا ہوگی۔" جویریہ کی بات اور انداز نے یہاں سب کو حیران کیا تھا وہیں اریبہ کو بھی ٹھٹکا دیا۔

(شاید صدمے سے اس کا دماغ چل گیا ہے جو ایسی بات کر رہی ہے گھر میں آٹا ہے نہ کھانا اور یہ پندرہ ہزار کل دے گی کہاں سے)۔

جویریہ کی بات پر صالحہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی مگر اس کا بیٹا جو ابھی ابھی آ کر بیٹھا تھا اور معاملہ سمجھ چکا تھا فوراً کہہ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک کہتی ہو تم نیتوں کے کھوٹ اور اعمال بد سے صرف اللہ واقف ہے میری ماں سچی ہے تو یہ رقم میں خود اٹھالوں گا۔''

''چلو آپی اٹھو گھر چلیں۔'' جویریہ نے معاملہ نپٹنے پر ساکت بیٹھی اریبہ کا کندھا ہلایا۔

وہ جو یک ٹک اس کی صورت دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں نمی دھیرے دھیرے بڑھنے لگی گزرے لمحوں کا جانگسل احساس ازسرنو تازہ ہوا تھا، ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں گھرا تھا وجود، اس وقت کانٹوں پہ چلنے کا احساس کچوکے لگا رہا تھا، وہ جن تکلیف دہ احساسات سے دوچار تھی بیان سے باہر تھے جویریہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے، بہت آہستگی سے سہلایا تھا اور اسے اٹھاتی گھر کی طرف لانے لگی، دونوں نے گھر کا راستہ خاموشی اور آنسوؤں سے کاٹا تھا گھر آئیں تو ربیعہ جاگ رہی تھی ان دونوں کی حد درجہ اداس کیفیت اسے بے چین کر گئی تھی نم آنکھیں بتا رہی تھیں وہ سچ پہ ہونے کے باوجود یہ مقدمہ بری طرح ہار چکی ہیں، ربیعہ نے انہیں پانی پلایا پھر کچھ دیر بعد پوچھا تو جویریہ دھیرے دھیرے سب بتاتی گئی اور ربیعہ جیسے جیسے سن رہی تھی رگوں میں خون لاوا بن کر دوڑ رہا تھا دل و دماغ میں جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔

''اتنی ذلیل اور کمینی عورت کیسے جھوٹ اور بے ایمانی پہ اڑی ہوئی ہے ذرا جو خوف ہو عذاب کا، پتا نہیں اللہ ایسے لوگوں کو غارت کیوں نہیں کرتا۔'' ربیعہ غم و غصے سے لبریز آواز میں بولی۔

''اللہ ہے ناں یتیموں کا مال اتنی آسانی سے ہضم ہونے نہیں دے گا۔'' جویریہ بولی۔

جبکہ اریبہ ابھی تک رو رہی تھی اور جویریہ نے اسے ہمدردی سے دیکھا تھا جس طرح کی صورتحال سے گزر کر اور جیسی باتوں کو سن کر وہ آئی تھی انہوں نے اس کے اندر ڈر، خوف، غم و غصہ پیدا کر دیا تھا ایسے میں رونا اس کے لئے بہتر تھا اچھا تھا اس کا ہر احساس پریشانی آنسوؤں میں بہہ جاتا تو پرسکون ہو جاتی۔

''مگر اس طرح روتے رہنے سے اگر اس کے سر میں درد ہو گیا تو، صبح سے کچھ کھا بھی نہیں سکی بیمار پڑ گئی تو کہاں دکھائیں گے بغیر پیسے کے۔'' جویریہ کو تشویش نے آگھیرا، وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی اور اپنے ساتھ لگا کر سہلانے لگی، ساتھ ربیعہ کو اشارہ کیا تھا کہ وہ رضائی اوپر ڈال دے۔

''آپی بس کریں، اب کیوں خود کو ہلکان کیے دے رہی ہیں اللہ سب ٹھیک کرے گا۔''

''جن کے مقدر سو جائیں ناں ان کے رونے کبھی ختم نہیں ہوتے اور اللہ کیا ٹھیک کرے گا، کیا وہ آسمان سے دس ہزار پھینکے گا کہ تم وعدہ کر کے آئی ہو۔'' اریبہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

''آپ ٹینشن نہ لیں، میں نے وعدہ کیا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر کیا ہے اور رقم لانا بھی میرا مسئلہ ہے۔'' جویریہ نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

''کوئی غلط کام کرو گی، چوری ڈاکہ ڈالو گی آخر کیسے لاؤ گی۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''یہ صبح بتاؤں گی اور پلیز اب خود کو پرسکون کریں ہر پریشان خیالی کو ذہن سے جھٹک دیں اور یقین رکھیں نئی صبح طلوع ہونے والا سورج، آپ کا ساتھ دے گا، وہ اللہ جو آسمانوں پہ موجود ہے اسے سب معلوم ہے سچا کون ہے جھوٹا کون ہے اور وہ سب سے بڑھ کر بے کسوں کا ساتھ دینے والا ہے ہمارا ساتھ بھی دے گا بس اپنے رب پہ بھروسہ رکھیں۔'' جویریہ اس کا سر سہلاتی بولی تو وہ بھیگی

نگاہیں لئے استعجابیہ انداز میں اسے دیکھتی رہی۔

درد گر آدمی ہوتا
تو گریبان پکڑ کر کہتے
اس طرح رہتے ہیں بے چین
دلوں کے اندر، اس طرح
کرتے ہیں بیماروں کے ساتھ
دل میں رہنا ہے تو ٹھیک سے رہنا سیکھو
ہم تمہیں سہتے ہیں کچھ تم بھی سہنا سیکھو
اک تھوڑی سی خوشی آئے
تو جل جاتے ہو

☆☆☆

وہ آرٹس سنٹر سے نکل رہی تھی اس کے ہاتھ میں ایک مضبوط لیدر کا شاپنگ بیگ تھا کیتھرین کے ساتھ محض ٹریولنگ کے شوق میں پھرتے ہوئے اس نے اپنے روزمرہ استعمال و ضرورت کی اشیاء بھی لے لیں پھر ایک بک شاپ سے مشہور میگزین ''وائٹ ٹکنکس'' خریدا اور اس میگزین کو خریدنے کی وجہ مشہور زمانہ پاپ سٹار بیٹلو کے انٹرویو و حالات زندگی کے متعلق اشاعتی مواد تھا، وہ بیٹلو کو بہت پسند کرتی تھی اور سکول لائف میں اس کے متعلق ہر چھوٹی سے چھوٹی خبر کا تراشہ بھی اخبار سے کاٹ کر اپنی ڈائری میں محفوظ رکھا کرتی تھی، آج اتنے عرصہ بعد وہ شوق جیسے دوبارہ امڈ آیا تھا تو اس نے یہاں کے محنتی ڈائریکٹرز جین کیمپیان اور وسٹن وارڈ کی چند بین الاقوامی شہرت کی حامل موویز کی سی ڈیز بھی لیں، کیتھرین کے لئے اس کی یہ تبدیلی ایک اچھا آغاز تھی، بہتری کی جانب، گزرتے ہوئے مختلف جگہوں پہ انسانی مجسمے، مورتیاں اور یادگاریں نظر آ رہی تھیں جو سیاحوں اور غیر ملکیوں کی توجہ کا خصوصی مرکز تھیں۔

کیمبٹن سکوائر اور بوون سٹریٹ کا سینوٹیف پہ گہما گہمی اور ہنگامہ خیزی کا سماں تھا کیونکہ آج پچیس اپریل تھی اور یہاں پر ہر پچیس اپریل کو میموریل سروس ہوتی، یہ دن یہاں ''اینزک ڈے'' کہلاتا ہے، وہ دونوں وہاں گھومتے ہوئے آئسکریم سے مزا دوبالا کر رہی تھیں۔

''آئسکریم کھانے کا اصل مزا بہت زیادہ ٹھنڈ میں ہی آتا ہے۔'' اپنے مزے کے گرم کوٹ کو اچھی طرح بند کرتے ہوئے کیتھی نے کہا تو ماریا مسکرا دی اور ملگجے سیاہی مائل آسمان کو دیکھا۔

''آؤ ادھر بیٹھتے ہیں کچھ دیر۔''

بروکلین، ونڈمل (پارک کا نام) کی پتھریلی روش سے گزر کر کیتھی ایک بینچ پر بیٹھی، یہ بہت خوبصورت مقام تھا، جس طرح لاہور کے قلعے سے پورا لاہور دکھائی دیتا ہے یا مینار پاکستان سے دیکھیں تو ہر قابل ذکر اور تاریخی عمارت نظر آتی ہے، اسی طرح یہاں سے شہر کا خوبصورت ویو، کک سٹریٹ اور ہاربر دکھائی دیتا ہے۔

میسی میموریل جیسی دلچسپ جگہ اور فرینک کٹس پارک بھی یہاں سے قریب اور پھرنے کے لئے اچھی جگہیں ہیں یہاں پر وہ دونوں نہ صرف اسکیٹنگ کے شوق میں چلی آئیں بلکہ دیواروں پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چڑھنا بھی ان کے لئے انوکھا تجربہ تھا، وہیں گھومتے ہوئے ماریا کو بے شمار کال گرلز بھی دکھائی دیں اپنے آپ کو دس، بیس، تیس سے لے کر سو اور ہزار ڈالر تک فروخت کرتیں گھنٹہ، آدھ گھنٹہ سے لے کر پوری رات کے لئے گاہکوں کے انتظار میں جگہ جگہ اسٹیچو کی مانند کھڑی ان سے اسے ہمیشہ کی طرح شدید نفرت محسوس ہوئی، چند ڈالرز کے عوض اپنے آپ کو ارزاں کرتیں غلاظت و ذلت میں گرتیں پست ذہنیت عورتیں جانے یہ معاشرہ کا ایک حصہ ہونے کے باوجود اسے شروع سے کیوں اتنا ناپسند تھا، بارہ تیرہ سال کی نوعمر نئی نئی بلوغت کو چھوتی لڑکیوں سے لے کر پچاس سال کی میم تک سبھی اس کام میں مجھی نظر آتی تھیں، ان سے چند قدم کے فاصلے پر ایک چالیس سالہ عورت جو ایشیائی لڑکوں کو بکنگ کے لئے راضی کرنے میں مصروف تھی اور وہ دونوں شاید کسی اندرونی یا مذہبی خوف کے پیش نظر جان چھڑا رہے تھے، جب معاملہ سیٹ ہوتا نہ دکھا تو وہ عورت ایکدم سے کمی کرتی بولی تھی۔

"پندرہ ڈالر تم دونوں کے ایک ایک گھنٹہ ٹائم، جگہ اور وقت تم طے کر لو۔" ان دونوں لڑکوں نے آپس میں سوالیہ نظروں کا تبادلہ کیا تھا پھر ایک نے بنا کچھ کہے دوسرے کا ہاتھ پکڑا اور چلنا چاہا تو وہ عورت پھر سے راستے میں آ گئی۔

"دیکھو تم دس ڈالر دے دینا مگر بکنگ کر لو، میں بہت غریب عورت ہوں میرے بچے بھوکے ہیں مجھے ان کے لئے کھانا خریدنا ہے۔" وہ التجائیں کرتے ہوئے لرز رہی تھی اس کے آنسو بتا رہے تھے وہ اسی گاہکی سے گزر بسر کرتی تھی۔

دونوں لڑکوں نے بہت بیزار ہو کر "بڑھیا باؤلی ہے" کہا اور پانچ ڈالر نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھے پھر تیزی سے آگے بڑھ گئے، وہ عورت اپنے ہاتھ پہ رکھے ڈالرز اور ان لڑکوں کی پشت کو ساکت سی دیکھ رہی تھی۔

کیتھی پارک کی جانب پھر آئی تھی اور دو سینڈوچز کے ساتھ گرم کافی کے ڈسپوزایبل کپ جو اس نے بینچ پہ بیٹھی ماریا کے سامنے رکھے پھر دونوں اس لنچ سے لطف اندوز ہونے لگیں۔

"اچھے بنے ہیں سینڈوچ، کافی ذرا تلخ ہے، مگر دو ڈالر میں یہ بھی ایک نعمت ہے۔" کیتھی نے کہا تو وہ کافی کا تلخ گھونٹ بھرتی، سر ہلا کر رہ گئی۔

"مجھے تو یہاں کے کیفے کی فرائیڈ چپس پسند ہے لیکن اس کے لئے ذرا لائن میں کھڑا ہونا پڑتا ہے اچھی اور سستی ہونے کی وجہ سے گاہک ٹوٹ کر پڑتے ہیں، پھر میں نے سینڈوچز اور کافی لئے یہی سوچ کر کہ تم یقیناً شوق سے کھاتی ہو گی کیونکہ تمہاری عمر کے نوجوان سٹوڈنٹ لائف میں زیادہ تر یہی شوق سے کھاتے ہیں۔"

"مجھے انڈین کھانے اور لبنانی کباب زیادہ پسند ہیں اور اکثر ہالیڈے کو میں محض یہی کھانے کے شوق میں "ابرا کبارا" آتی تھی جبکہ "سانے کنگڈم" اپنے مزیدار کھانوں اور تیز سروس کے لئے بہت مشہور ہے اور وہاں سٹوڈنٹس کا اتنا رش ہوتا ہے کہ عام ورکرز کو پیر رکھنے کی جگہ نہیں ملتی ہم فرینڈز یہاں بہت آتے تھے اور اتنا کھاتے تھے کہ وہاں کے ویٹر باقاعدہ ہاتھ باندھ کر اٹھایا کرتے۔" بے ساختہ ہنستے ہوئے اس نے ایک خوشگوار یاد تازہ کی تھی۔

"اب تمہارے وہ فرینڈز کہاں ہیں۔" کیتھی نے ایکدم سے پوچھا۔

"کچھ کو میں نے چھوڑ دیا اور کچھ مجھے چھوڑ گئے۔" وہ پھیکی ہنسی میں بولی۔

"اب کہاں گئے سب، مطلب کوئی رابطہ۔" کیتھی کا لہجہ استفہامیہ تھا۔

"وہ سب مختلف جگہوں سے یہاں اکٹھے ہوئے تھے کوئی آرٹ کا سٹوڈنٹ تھا، کوئی ہسٹری کا کسی کو اکنامی سے لگاؤ تھا تو کوئی شوسلسٹ بننا چاہتا تھا اور ان مختلف طرح کے فیورز اور آئیڈیاز میں ایک چیز تھی جو ہم سب کو ایک مضبوط فرینڈ شپ گروپ میں باندھ گئی وہ تھی بلا تخصیص رنگ و نسل، زبان و مذہب، اجتماعی سوچ اور خلوص جب ہمیں اپنے تعلقات میں خلوص اور بے غرضی کی کمی محسوس ہونے لگی تو اکثر گروپ سے نالاں ہو گئے، فرسٹ آف آل میں تھی جو جداگانہ نظریہ و اصول اور بے مذہب ہونے کے باعث گروپ سے علیحدہ ہوئی پھر سب اپنا تعلیمی کیریئر پورا کر گئے یا نہیں مجھے پتا نہ چلا کیونکہ گزشتہ تین سال کے عرصہ میں بھی بہت مختلف جگہوں پہ مختلف مذاہب کے پیچھے بھاگی اور وہ سب بھی ویلنگٹن چھوڑ گئے۔" وہ مدھم آواز میں بتاتی سامنے پھولوں کی کیاریوں پہ اڑتے بھونروں کو دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھ میں ہلکی نمی کا تاثر تھا جو یقیناً ایک اچھی فرینڈ شپ کے لئے تھی، کیتھی نے اسے ترس آمیز نگاہ سے دیکھا پھر بولی۔

"یہ زندگی کا ایک کاروبار ہے، اچھے لوگ ملنا، کھو جانا اور پریشانی فطرت کا ایک عام رویہ ہے طویل المعیاد پریشانی سے صرف طاقت اور قوت برداشت کا ضیاع ہوتا ہے اور کچھ نہیں ملتا، عملیت پسندی اور صحت مندانہ زاویہ نظر سے مسائل کا جائزہ لینا چاہیے اور کوئی صورت حال آپ کی دسترس سے باہر ہو تو پریشان ہونا بے کار ہے، اگر تم مسئلہ کے حل کے لئے کچھ نہیں کر سکتیں تو سوائے پریشانی پچھتاؤ اور تناؤ لینے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا، دوستی، دشمنی، مقاصد میں ناکامی، حصول تلاش میں مصائب و شکست، پھر خود کو جارحانہ یا کمتر سمجھنا دونوں عمل تمہاری ذہنی صحت کے لئے تباہ کن ہیں، تمہیں اس سے جان چھڑانا ہو گی۔"

"مگر کیسے؟ جب بہت کچھ کھو دینے بہت کچھ غلط اور منفی ہونے کا خیال ہر دم ذہن پر حاوی رہے اور زندگی اپنے قدموں پر بوجھل کھڑی ہو تو کیسے ہو یہ۔" اس نے بھیگی پلکیں جھپکتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ایسے کہ خود کو آرام سے خالی ذہن پر سکون کر کے مجھے اپنی واحد ہمدرد دوست سمجھتے ہوئے وہ سب جانے انجانے راز اور دکھ کہہ دو جو تمہاری آنکھوں کو بھرتے رہے، جنہوں نے ذہن کو اسٹریس کا شکار کیا جو تمہیں توڑ گئے جنونی بنا گئے۔" کیتھی نے اسے آمادہ کیا بولنے پر اپنا کتھارسس نکالنے پر۔

ماریا نے ایک گہرا سانس لیا تھا اضطراری انداز میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائیں اور اس کے چند لمحوں بعد اس کے لب کھلے تھے۔

☆☆☆

کسی کو سوچتے رہنا محبت ہے
کسی کو ڈھونڈتے رہنا محبت ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خلا میں دیر تک دیکھتے رہنا محبت ہے
کسی سے گفتگو میں یونہی خاموشی سے چھا جائے
بہت دور تک جاتی نظر
خالی سی ہو کر پلٹ آئے
اداسی ہو، ویرانی ہو، تنہائی ہو
نہ دل اپنا نہ ذہن اپنا
ہر سانس بھاری ہر سوچ پرائی ہو
ایک خالی سا کاغذ ہو
نام ایک ہی بار بار اس پہ لکھنا
لکھتے چلے جانا، محبت ہے
پڑھتے پڑھتے چونک سا جانا
چلتے چلتے رک جانا
آہٹوں پہ مڑ کر دیکھنا
ہر آواز پہ گماں کسی کا ہونا
خود سے بھی دامن چھڑا کر دور نکل جانا
ہر چہرے ہر لہجے میں ایک شخص کو کھوجتے رہنا
بھیگی آنکھوں میں عکس کسی کا چھپانا
اور چھپاتے چلے جانا محبت ہے

محبت میں اگر درد کے لمحے آ جائیں تو درد لامتناہی ہو جاتا ہے، عمر کی باقی ماندہ تمام مسافتوں پہ محیط، جو نہ تو آنسو بہانے سے ختم ہو سکتا ہے نہ دنیا کو تہس نہس کر دینے کی خواہش پانے سے، انسان محبت کی وارد ہونے والی کیفیات کے معاملے میں بڑا بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے، بہت سے خواب اپنی آنکھوں میں سمیٹ لیتا ہے، بہت سی خواہشیں سانسوں میں پال لیتا ہے پھر ڈرتا ہے کہ کیا خبر سب ان کہی کہانیاں کی طرح، ہی نہ رہ جائیں خواب، خوابوں سے آنکھ کھلے تو پلے کچھ نہ ہو۔

اس احساس نے یہاں بہت کچھ کھو دینے کا خوف بیدار کیا وہیں اک درد بھی دیا حقیقی درد جو اس معصوم صورت، خوبصورت نقوش والی، بھوری آنکھوں کی مالک مغرور حسینہ نے دیا اپنے گریز، بے اعتنائی اور انکار کا درد، جیسے جھیلتے ہوئے اسے لگا تھا وہ زندگی سے بہت دور اور رنگوں سے یکدم خالی ہو گیا ہے مگر محبت کا یہ چار حرفی لفظ بڑی ظالم شے ہے اگر جینے نہیں دیتی تو اتنی آسانی سے مرنے بھی نہیں دیتی، محبت ہی کے کسی ٹوٹتے لمحے میں اس نے سوچا تھا۔

''کیا حیثیت ہے میری اس خود پسند لڑکی کی زندگی میں جو کج رو کج ادا تھی وہ اس کے صنم خانے میں معبد بنا بیٹھا تھا، جسے اس کی وفا کے سجدوں سے غرض نہ تھی وہ اسے دیکھ کر جیتا تھا اور وہ اسے نظر نہ آنے کے بہانے ڈھونڈتی تھی۔''

وہ تعلق ورشتے کی کشش میں قید تھا اسے اپنے دل کے موسموں میں ٹھہرانے کا خواہشمند اور وہ

کسی مصلحت کے تحت بھی لچک کا مظاہرہ نہ کر رہی تھی۔

دو چیزیں ذات کی تکمیل کرتی ہیں ایک یہ آپ کا اپنا آپ، آپ کے مکمل اختیار میں ہو دوسرا یہ کہ آپ کو ہر چیز پر حق ادا کرنا آتا ہو، مگر وہ حق و وصول دونوں مقامات سے پرے کچھ اور اونچے درجے کی شے بن بیٹھی تھی۔

اور اس سے آگے کی دنیا شہریار کے اصولوں کی دنیا تھی جو سنعیہ خان کا یہ رویہ کسی طور قبول نہ کر سکتی تھی، اس کی مردانہ انا خود کو اتنا ڈی گریڈ کیے جانا برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

باوجود اس کے کہ وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا اور اس کے تصور کے بغیر سانس لینا بھی محال سمجھتا تھا کیونکہ تمام تر بے توجہی برتنے کے باوجود وہ اس کے ساتھ رہتی تھی مگر جس لمحوں تک سنعیہ اسے کھینچ لائی تھی وہ اب محبت برائے محبت کا راگ الاپتے انا کو راہ دینے لگے تھے، اب طے تھا تو یہ کہ نفع ہو یا خسارہ اس تعلق کی شکست وریخت ہو یا خوشی و کامیابی وہ جو بھی سہے اکیلا کیوں سہے، جھیلنے کے اس عمل میں مخالف فریق کو بھی حصہ ملنا چاہیے کہ آخر وجہ قصہ ذات تو اسی کی تھی جو بنا سوچے سمجھے تیوروں اور لفظوں کا بے دردی سے استعمال کر کے جب چاہتی اس کی ذات کے بخیے ادھیڑ ڈالتی اور وہ جانتا تھا مزید خود کو نرم رکھے جانا اب صرف اپنے کردار اور پرسنالٹی کے گریڈ گرانا ہے اور کچھ نہیں۔

وہ شروع سے سنعیہ کے لئے احساس تھا اور سنعیہ اس احساس کو تفخر سے سمیٹنے کی کوئی توپ شے سمجھا جاتا ہے، اگلے بندے کو بے رخی کی مار ماری جاتی ہے اس کے خواب رد کیے جاتے ہیں اس کی محبت دھتکاری جاتی ہے اور وہ دکھ درد بینائی میں سمیٹے خود کو محبت بھولتے، راستہ کھوتے، بے سمت چلتے دیکھتا ہے کچھ کر نہیں پاتا۔

مگر سنعیہ کے مدمقابل شہریار خان تھا جسے اس بے رخی کو اس کے در پہ بیٹھے سادھو بن کر نہیں جھیلنا تھا، وہ محبت کو بے سمت کرنا چاہتا تھا نہ رائیگاں۔

سو خود کو بھربھری ریت کی طرح مزید نرم ہونے سے روکتا اپنی اندرونی حساسیت پر مصلحت کی ٹیپ چپکاتا، اپنے آپ کو رد کیے جانے کی Reciving کو Rediall کرنے لگ چکا تھا، اب یہ Reciving سنعیہ علی خان کو وصول کرنی تھی، کیسے؟ اور کتنی دیر تک یہ اس کی برداشت پر منحصر تھا کہ وہ سب سہتی خاموش بنجارن بنتی محبت نام کی مالا جپتی ہے یا اس کے دل سے سفر اوڑھ کر باہر نکلتی ہے خود کو کمزور بناتی ہے یا مضبوط۔

اور اس کے بہت ٹوٹ کر بکھرنے بہت تھک کر سہارا ڈھونڈنے کی خواہش کے سر اٹھانے تک شہریار کو خود کو ہارڈ سٹون رکھنا تھا کیونکہ نرم نظر آنے والی چیز انسان ہو یا دل ہر کوئی اسے ٹھوکر لگا کے یا کچل کے آگے بڑھنا چاہتا ہے اور سخت چٹان پرسنالٹی توجہ کا ارتکاز نہ دے تو تجسس میں ہی سہی بہت خود پسند لوگ بھی اس کے اندر کا راز پانے کا ارمان لئے اس کی سمت بڑھتے ہیں اسے اندر تک سے جاننے کی خواہش رکھتے ہیں۔

وہ جانتا تھا ہر چیز، ہر کام اور ہر مقصد اگر درست نیت، اچھے ارادے اور اللہ پر یقین رکھ کر کیا جائے تو ہاری بازیاں بھی جیتی جا سکتی ہیں اسی لئے اس نے خود کو بڑے اعتماد سے سمجھایا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہ Trust in God اللہ پر بھروسہ محبت کا یقین مضبوطی سے تھام رکھو ہو سکتا ہے وہ تمہارے بھروسے اور یقین کی کاملیت سے خوش ہو کر ہی محبت کے دامن سے تمہاری تمنا کھوج نکالے اور تمہارے خالی ہاتھوں میں بہت سی خوشیاں اور ڈھیروں خوابوں کی تعبیروں کی روشنی بھر دے۔''

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تمنا کے راستوں پر صرف دو چیزیں بسیرا کرتی ہیں ایک تو محبت، دوسری اجنبیت اور اسے آپسی یکجائی میں مقید کرنے والا معجزہ اگر ہو سکتا ہے تو وہ صرف اللہ پر ایمان اور اپنے جذبوں کی صداقت کا یقین ہے، جو محبت اور اجنبیت کو دلوں کی قربتیں عطا کرتا ہے یہاں پہچان کے مراحل تکمیل پاتے ہیں تو کبھی گزری باتوں کے حصار میں قید پچھتاتا انسان دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اسی دھتکاری ہوئی محبت کو اپنے لئے لازم و ملزوم گردانتا ہے۔

''تمہیں بتانا ہے سعدیہ کہ اجنبیت، گریز، بے رخی اور انکار محبت تعلق نہ ماننے کو قائم کرنے والے اہم فیکٹر تو بنائے جا سکتے ہیں مگر پائیدار نہیں کیونکہ ہمیشہ اور پائیدار رہنے والا جذبہ تو صرف محبت ہے اور محبت کو حق کی طرح وصولنا، فرض کی طرح ادا کرنا تمہیں سکھانا ہے تھوڑا مشکل کام ہے اور تم شاید ایسا کرنا بھی نہ چاہو مگر یہی بے مول لگنے والا تعلق تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے گا، کیونکہ رات کی تاریکی کے بعد روشنی میسر آتی ہے تو نظریں خود بخود آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔''

شہریار ٹیرس کی گرل پہ دونوں ہاتھ ٹکاتے ڈوبتے سورج کی نارنجی روشنی پر نگاہیں جمائے کھڑا تھا، اس کے وجیہہ چہرے پر اک انوکھا اعتماد تھا اک محظوظ ہونے والی مسکراہٹ کی جھلک تھی جو بتا رہی تھی وہ مقدر سے ناراض اس موڈی لڑکی کا قبلہ درست کرنے کے موڈ میں آ چکا ہے۔

☆☆☆

اپنی بڑی سی چمکتی بلیک گاڑی اس نے گلی تنگ ہونے کی وجہ سے ذرا پرے کھڑی کی اور باہر نکلتے ہوئے آؤٹ ڈور لاکڈ کر کے چابی انگلی میں گھماتی قیمتی بیگ کندھے پہ لٹکائے اونچی ہیل کی ٹک ٹک کرتی خوبصورت اور جدید طرز کے مہنگے ڈریس میں ملبوس اس نے وہاج حسن کے گھر کا بیرونی دروازہ ناک کیا تھا اور اپنے گلاسز آنکھوں سے اٹھا کر سر پہ ٹکا لئے۔

عصر کا ٹائم تھا گلی سے کئی لوگ آ جا رہے تھے اور وہ ماڈرن سے حلیے میں سب کی نگاہوں میں آئی تھی کئی عورتوں نے بھی بے ساختہ حیرت سے دیکھا تھا اس نے دھیرے سے دروازے کو ذرا زور سے ناک کیا تھا تو وہ بے ساختہ ہی کھلا تھا کیونکہ اندر سے بند ہونے کے بجائے وہ ایسے ہی تھا۔

سامنے بنے کمرے میں رشیدہ اور تینوں بیٹیاں نماز عصر ادا کر رہی تھی، سعدیہ کو تھوڑی شرمندگی محسوس ہوئی خود وہ پہلے نماز بڑی باقاعدگی سے پڑھا کرتی تھی مگر اب کچھ عرصہ سے وہ بہت لاپروا ہو گئی تھی، اس معاملے میں اور صرف نماز نہیں اور بھی بہت سے روٹین ورک اس کی کوتاہی کا شکار ہو رہے تھے، وہ کچن میں بچھی چار پائی پہ بیٹھ چکی تھی اور ایک تفصیلی نگاہ وہاج حسن کے گھر پہ ڈالی یہاں پہلے کے نتیجے میں کئی تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں، کچن میں بھی سرخ اینٹوں کا فرش لگ چکا تھا البتہ ایک چیز جوں کی توں تھی وہ تھے پکی روش پہ لگے پودے ایک چھوٹی کیاری میں لگا پودینہ اور دھنیا پھر امرود اور انار کے درخت کونے میں لگا نلکا البتہ ساتھ موٹر پمپ کا اضافہ ہو چکا تھا بلکہ نئے واش

بیسن نئے پلستر شدہ باتھ روم، کمروں اور کچن کے ساز و سامان اور ڈیکوریشن میں فرق آ چکا تھا۔

''اس کا مطلب ہے وہاج حسن تمہاری نوکری گھر میں ایک مثبت خوشحالی اور طرز رہائش میں واضح تبدیلی لا چکی ہے مگر اتنی نہیں جتنی کہ ہونی چاہیے جس پوسٹ پر تم ہو چھ ماہ سے، اس سے تو بہت اچھا اسٹینڈرڈ بن سکتا ہے مگر.....''

''ارے سعدیہ تم، اتنی خاموشی سے اور کب آئیں، پتا بھی نہیں چلا۔'' ثمن اندر سے نکلتی اسے دیکھ کر بے ساختہ بولتی آئی اور خوشی سے لپٹ گئی۔

''جب تم نے دیکھا اسی وقت آئی۔'' وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ کر ہما، آمنہ اور رشیدہ سے ملنے لگی اس کے انداز میں اپنائیت تھی۔

''اچھا کیا چلی آئیں، آج میں تمہیں بہت یاد کر رہی تھی۔'' ہما نے خلوص سے کہا۔

''میں تو آفس سے گھر جا رہی تھی سوچا آپ لوگوں سے ملتی چلوں۔''

''اب یہ بتاؤ ٹھنڈا چلے گا کہ گرم۔'' ثمن نے پوچھا۔

''نہ ٹھنڈا نہ گرم، ان فیکٹ یہ ٹائم میرا کھانے کا ہے اور وہ میں گھر جا کر کھاؤں گی۔''

''تو کیا بیٹی آپ اس گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھتیں۔'' رشیدہ ساس پین میں دودھ پتی ڈال کر برنر جلاتے ہوئے بولیں تو وہ لپک کر آئی اور ان کے ہاتھ چومتے ہوئے بولی۔

''ارے آنٹی یہ آپ نے کیسی بات کر دی اگر آپ کو اپنا نہ سمجھتی اس گھر سے محبت نہ ہوتی تو بھلا بے وقت بھی یوں چلی آتی۔''

رشیدہ خاتون نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پہ بڑی دلکش مسکراہٹ تھی، وہ اس کی پرخلوص طبیعت پہ جیسے نہال سی تو ہو اٹھیں۔

''تو پھر بیٹھو کھانا اپنے گھر میں اپنوں کے ساتھ کھانا۔''

''مگر ساتھ میں پودینے کی چٹنی بھی ہونی چاہیے۔''

''ضرور اور تم ادھر گرمی میں کیوں آ گئیں باہر ہوا میں بیٹھو۔''

''ارے آنٹی اب کیسی گرمی نومبر کا مہینہ ہے اچھی خاصی خنکی ہو گئی ہے اور میں تو ویسے بھی آپ سے بات کرنے، آپ سے ملنے آئی ہوں تو باہر کیوں، یہیں بیٹھوں گی آپ کے پاس۔'' وہ جتنی نرمی سے بولی تھی ہما، ثمن، آمنہ سب نے اسی قدر اچنبھے سے اس کا انداز نوٹ کیا تھا جبکہ رشیدہ خاتون بہت محبت سے اس کو دیکھتی بولیں۔

''کیوں نہیں، یہاں تمہارا دل چاہے تم بیٹھو، تمہارا اپنا گھر ہے۔''

''تھینکس آنٹی اب یہ چائے ذرا آنچ ہلکی کر کے رکھیں اور میں پہلے کھانا کھاؤں گی پھر چائے پیوں گی۔'' وہ کھانا آتے دیکھ کر بولی۔

ثمن نے بہت سلیقے سے بڑی سی ٹرے میں کھانا لا کر اس کے آگے میز پر رکھا پودینے ہری مرچ کی چٹنی، مولی گاجر، کھیرے کا سلاد اور دال ماش میتھی ڈال کر پکی ہوئی تھی، پہلا لقمہ لیتے ہی اس کے منہ سے بے ساختہ ''ماشاءاللہ'' نکلا تھا۔

''بہت ذائقہ دار کھانا بنا ہے اور یہ چٹنی تو بہت مزا دے رہی ہے، میں نے خود کو کنگ کلاسز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹینڈ کی ہوئی ہیں مگر اتنا ذائقہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔"

"کوکنگ کلاسز کھانا پکانا تو گھر میں سیکھا جا سکتا ہے۔" رشیدہ کچھ حیرت سے بولیں۔

"میری مما ورکنگ لیڈی ہیں بزنس دیکھتی ہیں، سوشل ورک کرتی ہیں، کچن میں کبھی کبھار آتی ہیں جب پپا بہت فرمائش کریں تو اور کک ہے مگر مجھے اس سے سیکھنے نہیں دیا مما نے اس لئے مجبوراً کوکنگ کلاسز لینی پڑیں شوق تھا ناں تو بس اسی لئے۔" وہ لقمے لینے کے ساتھ بولتی بھی جا رہی تھی۔

"میں نے اٹالین، رشین، چائینیز اور فرنچ، لبنانی بہت سی قسم کے کھانے پکانے سیکھے مگر یہ جو دیسی کھانے ہیں یہ نہیں پکا سکتی کیونکہ نہ تو کبھی کھائے اور نہ سیکھنے کا شوق ہوا؟"

"ہائیں کھانے والی چیزیں تو یہی ہوتی ہیں اور یہی کبھی نہ کھائیں نہ سیکھیں پھر یہ الم غلم کیسے کھاؤ گی بھلا یہ موئے انگریزی کھانے بھی کوئی چیز ہیں۔" رشیدہ بولیں۔

"امی یہ جس سرکل سے ہیں وہاں الم غلم بڑے اسٹائل سے کھایا جاتا ہے اور یہ ہمارے غریبوں والی دال چٹنی تو لاکھ مجبوری میں بھی نہیں چلتی بلکہ ان کے تو ملازمین بھی ہم سے بہتر کھاتے ہیں۔" ثمن نے کہا تو سعیہ بولی۔

"بہت ریسرچ کی ہوئی ہے ہماری سوسائٹی کے کلچر پہ خاص کر فوڈ کلچر پہ بائے داوے کبھی تجربہ بھی ہوا ہے یا محض مشاہدہ ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے ہمارا مشاہدہ ہی تجربہ کاروں سے بڑھ کر ہے اور تم بتاؤ غلط ہے یا نہیں۔"

"یار میں اپنے خیالات محفوظ رکھتی ہوں کیونکہ ہر انسان کا لیونگ سٹائل ایک دوسرے سے مختلف ہے تو اسی طرح کھانے پینے کا طریقہ واسٹائل بھی الگ ہے، اب بہت سے لوگ صرف گھر کے کھانے کو ترجیح دیتے ہیں اور بہت سے باہر کے بیچ میں ہم جیسے بھی آ جاتے ہیں جس کی صبح پی سی میں دوپہر آواری میں تو شام میریٹ میں گزرتی ہے۔"

"پھر بھی تمہاری فطرت اور عادت مخصوص امیروں والی نہیں نہ وہ شو ہے تم تو بہت سادہ سی ہو تمہیں تو ہمارے جیسے گھر میں ہونا چاہیے تھا۔" ہما بولی۔

"ہمارے گھر کے سب لوگ بہت اچھے ہیں تم آنا کسی دن بہت خوش ہوگی میرے گھر والوں سے مل کر اور مجھے یاد آیا کہ تم لوگوں کے لئے کچھ گفٹس ہیں۔"

"تم نے یہ گفٹس والا تکلف کیوں کیا خوامخواہ فضول خرچی۔"

"ارے آنٹی محبتیں تکلف نہیں ہوتیں نہ خلوص فضول ہے، آپ یہ شاپر لیں اور جو چیز جس کو پسند آئے وہ رکھ لے گی کیونکہ مجھے ان کی چوائس کا اندازہ تو تھا نہیں میں نے اپنے حساب سے سب کے لئے کچھ نہ کچھ لے لیا۔" وہ بڑے خلوص بھرے انداز میں بولی تھی۔

"بیٹی یہ تو بڑا بوجھ ہے ہم غریبوں پر، ہم اتنے بار کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

"آنٹی آپ میرے خلوص کی توہین نہ کریں پلیز یہ محبتیں ہیں دوستی ہے محبت اور دوستی کا تو کوئی مول نہیں ہوتا۔" وہ آزردہ سی ہوئی تو رشیدہ نے شاپر پکڑ لیا پھر کچھ متاسف سی بولیں۔

"میں نے تمہارے لئے چوڑیاں لی تھیں مگر اب تمہارے اتنے قیمتی تحائف کے سامنے کانچ کی وہ معمولی چوڑیاں بالکل بے کار لگ رہی ہیں۔" ثمن نے شاپر کے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

"تم وہ چوڑیاں لاؤ بلکہ مجھے اپنے ہاتھوں سے پہناؤ۔" وہ شوق سے بولی تو ثمن اندر سے چوڑیوں کا سیٹ لا کر اس کے ہاتھوں پہ چڑھانے لگی، سرخ وسبز رنگ کی خوبصورت چوڑیاں اس کی گوری کلائیوں میں بہت سج اٹھی تھیں وہ کلائی ہلا کر چوڑیوں کی جھنکار سننے لگی۔

"کتنی اچھی لگی ہیں تمہارے ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے رکھا کرو۔" ہما نے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"میں خود بہت اچھی ہوں میرے ہاتھ آ کر ہر چیز اچھی لگتی ہے۔" وہ اترا کے بولی۔

"اللہ رے خوش فہمی، اتنی میاں میٹھو ہو تم۔" ثمن نے چھیڑا۔

"خوش فہمی نہیں اسے صحیح فہمی کہتے ہیں اور اب یہ باتیں ختم کرو بہت اندھیرا ہو رہا ہے، میں چلتی ہوں۔" سعیہ ایکدم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم اکیلی کیسے جاؤ گی، ابھی وہاج آنے والا ہوگا، تمہیں چھوڑ آئے گا۔" رشیدہ تشویش سے بولیں۔

"آنٹی گاڑی ہے میرے پاس میں آرام سے چلی جاؤں گی، ویسے بھی یہاں سے نکل کر روڈ پہ آئیں تو گلبرگ تک کا راستہ آدھ گھنٹے کا ہے سو نو پرابلم۔" وہ بڑے آرام سے بولی۔

"چلو اللہ تمہیں خیریت سے گھر پہنچائے، دھیان سے جانا شام کا ٹائم ہے۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"آنٹی آپ فکر نہ کریں میں بہت بہادر لڑکی ہوں او کے فرینڈز اینڈ سسٹرز بائے See you next time۔" وہ سب سے ہاتھ ملاتی باہر نکل گی۔

☆☆☆

عذاب کا لمحہ وہ لمحہ ہے جب کرنیں سورج کو چاٹنے لگیں، جب شاخیں درخت کو کھا جائیں جب اعضاء اپنے وجود سے کٹ جائیں اور کیا زندگی ایسے لمحوں میں نہ آ چکی تھی جب اس نے شدت سے خواہش کی تھی کہ سماعتوں سے آواز کا بصارت سے بینائی کا، ذہن سے احساس کا اور پاؤں سے راستوں کا ہر تعلق ٹوٹ جائے جس شام سے رات میں لمحوں کا عذاب بندھ چکا ہے وہ رات ختم ہی نہ ہو، اس عذاب کو لے کر اترنے والی صبح طلوع ہی نہ ہو۔

سانس کی موت سے پہلے بھی بہت سی موتیں ہو چکی ہوتی ہیں، ہم سانس کو موت سمجھتے ہیں حالانکہ سانس تو اعلان ہے ان تمام موتوں کا جو آپ مر رہے ہوتے ہیں اور کون جانتا تھا وہ کیسے کیسے اور کہاں کہاں مر رہی ہے کسی کو کیا معلوم تھا وہ کتنے محاذوں پہ اکیلی لڑ رہی تھی کتنے طوفانوں سے نبرد آزما تھی کیسی گھٹن اور حبس میں گرفتار تھی کوئی دور پرے کا رشتے دار قریب تھا نہ دوست ہمدرد سب رشتے جھوٹے نکلے تھے سب ہمدرد دشمن بن چکے تھے اور زندگی انہیں تنہا پا کر پریشانی کے اس مقام تک لے آئی تھی یہاں حسیات مردہ ہونے کی خواہش میں تھیں اور ذہن غصہ، جھلاہٹ، تنفر، ہر تاثر سے لاتعلق ہونا چاہتا تھا، مگر تقدیر کے لکھے سے مفر ناممکن تھا جو جیسے طے تھا اسے ویسے ہونا تھا پھر وہ قسمت سے کیسے بھاگ سکتی تھی وہ رات جس نے ایک پل کو بھی پلکیں نہ جھپکنے دیں، وہ رات جس کے بعد آنے والی صبح سے خوفزدگی نے اسے زرد رو کر دیا تھا وہ رات جس کے ختم نہ ہونے کی اس نے شدت سے دعا کی تھی، بالآخر ختم ہوگئی اذان فجر کی صدائیں مساجد سے بلند ہو رہی تھیں اور اس کے لئے بے حد ٹوٹے بکھرے وجود میں اک احساس جاگا تھا اللہ کی وحدانیت قدرت اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دستگیری کا احساس۔

"دنیا چاہے جتنی مرضی بے ایمانی برت لے جتنی مکاری دکھائے کتنا دل دکھائے اور کتنا ہی رلا لے اگر اللہ میرا ہے میرے ساتھ ہے تو مجھے بال بھی بیکا نہ ہونے دے گا۔"

"بے شک اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔"

اور اسے اللہ سے ملنا تھا اس کی رحمت کو پکارنا تھا وہ اٹھی اور وضو کرنے لگی پھر دوپٹہ خوب سلیقے سے اوڑھ کر جائے نماز بچھا کے نماز کی نیت باندھنے لگی، نہایت خشوع وخضوع سے نماز ادا کر کے تسبیح فاطمہ کی پھر درود پڑھا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو لب جیسے ہلنا بھول گئے، بس آنکھوں سے آنسو جاری تھے، جو پلکوں سے ٹوٹ کر پھسلتے رخساروں کو تر کر رہے تھے وہ دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھائے سجدے میں چلی گئی۔

"اے ذات پاک، اے رب العالمین تو نگاہوں کا ادراک رکھنے والا اور دلوں کے بھید جاننے والا ہے، تو ہماری حالتوں، ہماری نیتوں سے واقف ہے یا اللہ تیرے سوا ہمارا کون ہے تو ہی سب کا آسرا اور ٹھکانہ ہے ہمارے سب حال بگڑے ہوئے ہیں نہ دین کے ہیں نہ دنیا کے، اے ذات کریمی جس کے کرم کے آگے پہاڑوں کے برابر گناہ بھی زرہ برابر ہیں تیرے کرم کی کوئی حد نہیں یا اللہ اگر آپ عزت دیں تو اسے کون ذلیل کر سکتا ہے اگر آپ اہانت کریں تو اسے کون عزت بخش سکتا ہے، اے عزتوں کے مالک مجھے عزت عطا فرما اور اہانت وذلت سے بچا، اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوا جس کی ہم میں طاقت نہ ہو یا اللہ ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول چوک جائیں درگزر اور بخش دے، اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے میں تیری ہی ذات سے رحمت کی امیدوار ہوں، یا الٰہی میری چھپی ہوئی چیزوں پر پردہ رکھ لے اور مجھے خوف کی چیزوں سے امن میں رکھ، یا اللہ جو احسان تو نے مجھ پر کیا اسے کامل فرما اور جو پردہ ڈھانپا ہے اسے ظاہر نہ فرما اور جو انعام تو نے مجھ پر کیا اسے سلب نہ فرما۔" اس کا وجود دعا گو تھا۔

"میری فریاد سن! اے سب فریادیوں کی فریاد سننے والے تو لوہے کو پانی اور آگ کو برف کرنے والا ہے ہمیں تمام ڈر، خوف اور آفتوں سے نجات دیدے یا الٰہی جس جھوٹے بہتان اور مصیبت میں ہم آج گرفتار ہیں اس میں ہمارا گواہ صرف تو ہے صرف تو یا اللہ تو ہی ہماری سچائی اور مکر کرنے والے کے فریب سے واقف ہے، اے اللہ میں آفت کی اس گھڑی میں تیری طرف رجوع کرتی ہوں تجھے ہی اپنے دشمنوں کے مقابلے میں پیش کرتی ہوں الٰہی مجھ پر رجوع فرما، رجوع فرما، یا اللہ بے شک تو ہی حاجتوں کو برلانے والا اور کفایت کرنے والا ہے، ہماری بلاؤں کو رفع کر، ہماری مشکلات کو حل کر، میری فریاد کو پہنچ اور اسے اپنے حضور تک رسائی دے میری عرضی قبول فرما بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، رب العالمین خیر میرا مقدر کر دے اور تجھ سے بڑھ کر کوئی خیر کرنے والا نہیں بس تو مجھ پہ مہربانی کر، کرم فرما مولا کرم کر، رحم کر الٰہی رحم کر۔" اس نے سر اٹھا کے آنسو صاف کیے اور پھر سے درود ابراہیمی پڑھنے لگی اب پہلے کی نسبت اک سکون تھا اک تحفظ کا احساس تھا اس کے اندر، اسے اچانک ہی محسوس ہوا تھا وہ بے سہارا نہیں ہے ایک مضبوط اور معتبر سہارا ہے، اس کے پاس، ایک بے حد بزرگ و برتر ذات جو اس پہ ستر ماؤں سے زیادہ مہربان

ہے، وہ اسے کسی حال میں اکیلی نہیں چھوڑے گی اور یہ ہی سوچ اسے بہت بہادر بنا رہی تھی۔

"جویریہ بس کرو اب، ساری دعائیں آج ہی مانگ لو گی کیا، مجھے نماز ادا کرنی ہے ٹائم نکلا جا رہا ہے۔" ربیعہ کی آواز پہ وہ چہرے پہ ہاتھ پھیرتی اٹھی اور امی کے کمرے میں آ گئی تو وہ دواؤں کے زیر اثر ابھی تک غنودگی میں تھیں اور اریبہ صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، اس کے انداز میں بلا کی افسردگی و خاموشی تھی جویریہ نے اس کا چہرہ دیکھا جو ستا ہوا تھا آنکھیں بے خوابی و بے آرامی کے سبب سوج کر گلابی ہو گئی تھیں شاید وہ ساری رات روتی رہی تھی، جویریہ کو دکھ سا ہوا وہ اس کے قریب بیٹھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے آپ کی، کہا سر میں درد زیادہ ہو رہی ہے۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ کوشش کے باوجود اپنے لہجے کو نم ہونے سے نہ بچا سکی، بہت سا نمکین پانی اس کی آنکھوں میں جمع تھا جس کو وہ بڑے ضبط سے روکے ہوئے تھی، جویریہ نے پھر بغور اسے دیکھا تھا وہ جس کرائسس سے گزر رہی تھی جس ذہنی ڈسٹربنس کا شکار تھی، وہ اندرونی خلفشار اسے بے چین کیے ہوئے تھا۔

"آپی صبر اور حوصلہ رکھیں، سب اپنے اللہ پر چھوڑ دیں وہ یقیناً ہمارے حق میں بہتر کرنے والا ہے۔" جویریہ نے کہا تھا اور وہ دوسرے ہی پل اس کے سینے سے لگی زار و قطار رو رہی تھی، اس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ حساسیت کی انتہا پہ کھڑی تھی۔

"کہا بھی تھا میں نے تم سے وہاج کو آنے دو اسلام آباد سے پھر معاملہ سنبھل جائے گا مگر تم نے بنا سوچے سمجھے منہ سے دس ہزار دینے کا شوشہ چھوڑ دیا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"آپی وہاج بھائی کا Stay ابھی ہفتہ بھر اور ہے ادھر اور آپ کو پتا ہے اس ہفتے کے ختم ہونے تک گلی محلہ خاندان میں کتنی کہانیاں بنتیں، وہاں پنچایت میں آپ کی بے عزتی خاندان کی بدنامی ہوئی اور ہوتی جاتی اور یہ سب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا۔"

"اور یہ رقم اب کہاں سے دیں گے آج کا دن ہے، آج ہی تو دینی ہے رقم۔" اس کی آواز کانپی تھی بولتے ہوئے، جویریہ نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے تھامے اور بولی۔

"بتاتی ہوں، مجھے ذرا بلقیس خالہ (جویریہ کی دوست کی امی) کے ہاں سے آنے دیں انہوں نے بلوایا ہے ابھی، میں آ کر آپ سے بات کرتی ہوں۔" اس نے بتا کر لٹکتی چادر اتاری اور ربیعہ کو ساتھ لے کر چلی گئی جبکہ اریبہ خاموش، اداس بھیگی نگاہیں لئے ان دونوں کو جاتا دیکھ کر پلکیں موند گئی نمکین آنسوؤں کی لکیریں چہرے پر پھیلنے لگی تھیں۔

سحر سسکتے ہوئے آسمان سے اتری
تو دل نے جان لیا یہ بھی سال درد کا ہے
اسیر ہے میری شاخ نصیب پت جھڑ میں
میرے پرندہ دل پر بھی جال درد کا ہے

☆☆☆

"کھیل بہت سے لوگ کھیلتے ہیں میدان میں بہت سے اترتے ہیں، سکندر وہی ہے جس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مقدر اس کے ساتھ ہے، بہت سوں میں سے صرف تین لوگ جیتتے اور انعام پاتے ہیں، محنت کرنے والے ثابت قدم اور خوش قسمت اور شاید میں ثابت قدم نہ تھی، محنت میں بھی کمی تھی، رہی خوش قسمتی تو وہ جانے کب سے مجھ سے روٹھی ہوئی ہے مجھے معلوم نہ تھا، راہ حق کی تلاش اتنا مشکل کام ہے اور مجھے ایسی کٹھنائیاں پیش آئیں گی میرا خود سے انسانیت سے اور رشتوں ناتوں سے اعتماد اٹھ جائے گا میں نے سوچا بھی نہ تھا زندگی کبھی مجھے ایسے موڑ پہ لا کھڑا کر دے گی جب میں ہر کسی کو دیکھ کر جنونی اشتعال اور حسد میں گھر جاؤں گی جبکہ میں جانتی ہوں کہ حسد ایک ایسا زہر ہے جسے پیتے ہم ہیں اور توقع دوسروں کے مرنے کی کرتے ہیں، اس کے باوجود نہ صرف میں قطرہ قطرہ اسے پی رہی ہوں بلکہ اپنے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے مرنے کا سامان بھی کر رہی ہوں اور ایسا کیوں ہے؟ مجھ سے پوچھا جا رہا ہے ایسا کیوں ہے؟ کیا کسی کو یہ پتا نہیں چل رہا کہ ایسا کیوں ہے؟''

اس کی آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر گئی تھیں اور لہجہ بھیگا ہوا تھا کیتھرین نے اس کو روکا نہیں تھا نہ اس کے آنسو صاف کرنے کی کوشش کی تھی، وہ اس کا غبار نکلنے دینا چاہتی تھی وہ چاہتی تھی کہ ماریا بولے اور اتنا بولے کہ اس کا اسٹریس اس کا سارا کتھارسس لفظوں میں بہہ جائے اور وہ زندگی کے ہم قدم ہونے کو پھر سے تیار ہو، اسی لئے وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

''مجھے زندگی نے، رشتوں نے، دوستوں نے، عقیدوں نے بہت دکھ دیے اس خدا نے جو مالک بنا آسمانوں پہ بیٹھا ہے اس نے مجھے آزمایا، تکلیف دہ لمحات سے گزارا، مجھے زندگی سے موت اور موت سے زندگی کی طرف لایا، میرا اعتماد ہر چیز سے اٹھایا ہر چیز سے یہاں تک کہ خود سے بھی، یقین کا سفر میرے قدموں سے لپیٹ کر مجھے بار بار بے یقین کرتا رہا، درد کے صحرا میں چھوڑ کر اذیت دیتا رہا، سب لوگ خوش تھے برے بھی بھلے اس نے اور کسی کو.....'' آنسوؤں کا پھندا سا لگا تھا اور وہ کچھ دیر کو خود پہ قابو پانے کی کوشش کرتی رہی پھر انہی بہتے نمکین آنسوؤں کے درمیان سسکتی وہ بولی تھی۔

''کسی کو بھی میری طرح سے نہیں آزمایا، سب کے سب رشتوں، محبتوں، یقین و اعتماد کی دولت سے مالا مال ہیں حالانکہ سب نے اسے اس طرح سے پانے کی کوشش نہیں کی ہوگی جیسے میں نے کی ہے سب کے پاؤں، دل خیالات یوں نہ زخمی ہوئے ہوں گے سب نے میری طرح خواب نہ کھوئے ہوں گے خواہشوں کو نہ رولا ہوگا اور پھر بھی خوش ہے کیوں؟ کیتھرین تم بتاؤ نہ کیوں؟ ہر کوئی اتنا مطمئن ہے میں کیوں ایسی خوشی اور مطمئن نہیں جبکہ میں کتنی پرہیز گار تھی، میں نے کتنی پارسائی سے زندگی گزاری کبھی پینے پلانے والا شغل نہیں رکھا کبھی ڈیٹ نہیں ماری، کسی کو پریشان دیکھا تو فوراً اس کی مدد کو پہنچی پھر یہ سکون یہ طمانیت مجھے نصیب نہیں ہوئی کیوں؟ کیا میں اتنی بری تھی کہ مجھے اس نے ہر رشتے، ہر جذبے پر خواب سے خالی کر دیا، میں یہ پوچھنے میں حق بجانب ہوں کہ اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ باقی سب میں سے کسی کے ساتھ بھی ایسا کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ اتنی برائیوں میں لدے ہونے کے باوجود اسے مجھ سے پیارے ہیں؟'' اس کی آواز آنسوؤں کی روانی اور غم کی شدت کے باعث کپکپانے لگی تھی، کیتھرین نے دو قدم آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا جو ہمدردی و حوصلہ بخش لمس سے بھرا تھا۔

''اور جب میں یہ سب سوچتی ہوں تو میرا دماغ اشتعال، درد اور بے بسی کے شدید ترین احساس کے باعث پھٹنے لگتا ہے پھر مجھے ہر ہنستا، بولتا، چلتا، پھرتا دکھنے والا انسان زہر لگتا ہے اور میرا خود کو یا اسے ختم کرنے کو جی چاہتا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے زار و قطار رونے لگی تھی کیتھرین نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا ماریا کا پورا وجود ہچکولے کھا رہا تھا۔

کیتھرین نے اس کی پشت سہلاتے ہوئے گویا تسلی و تشفی دی اور اک لمبا سا سانس خارج کیا تھا، وہ ماریا جو زف کی موجودہ ذہنی کیفیت کے گزشتہ اسباب و واقعات کی تہہ تک پہنچ چکی تھی اور اب اس کے لئے ماریا کو زندگی کی طرف واپس لانا کوئی مسئلہ نہ تھا۔

اس نے اسی لئے ماریا کو بنا روکے کھل کر بولنے دیا تھا تاکہ وہ اس کے ڈپریشن کے جو اسباب ہیں وہ جان سکے پھر اس کے مائنڈ باڈی سسٹم اور میموری کو دیکھتے ہوئے مائنڈ باڈی تیکنیک کے ذریعے اسٹریس ریسپانس کو جڑ تک پہنچے۔

لیکن اس وقت اسے فی الحال ماریا کو حوصلہ دینا تھا یہ احساس فراہم کرنا تھا کہ وہ تنہا نہیں ہے کوئی ہے جو اس کے ہر اچھے برے وقت میں ساتھ ہے جسے اس کی فکر ہے اور اسی فکر کا احساس ماریا کو مثبت سوچ مثبت راہ فراہم کر سکتا تھا۔

کیتھرین چند منٹ بہت خاموشی سے سوچتی رہی پھر پانی پلایا تھا، ماریا نے اپنے حلق سے گھونٹ گھونٹ کر کے پانی اتارا تھا ہاتھوں کو چہرے پر پھیرتے ہوئے آنسو صاف کیے تھے اور بمشکل خود کو متوازن کرتی مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''آئم سوری میں بہت ایموشنل ہوگئی۔''

''کوئی بات نہیں مجھے اچھا لگا تم نے مجھے اپنی سمجھا اعتبار کیا اپنے احساسات مجھ سے شیئر کیے اس سے نہ صرف تمہارا ذہنی بوجھ ہلکا ہوا ہے بلکہ مجھے مدد ملے گی میں بہتر طور پر تمہاری سائیکی سمجھتے ہوئے تمہیں زندگی کی طرف واپس لاؤں گی۔''

''نہیں کیتھی یہ ایک مشکل کام ہے تم جلد اکتا جاؤ گی تمہیں مجھ پہ غصہ آنے لگا تھا۔''

''میرے مزاج میں گرمی نہیں ہے کیونکہ میں سمجھتی ہوں حد سے زیادہ سردی اور گرمی کا اثر، ضروری اور صحت بخش غذا کی کافی مقدار سے محرومی، غیر موزوں رہائش، غفلت اور بد اعتدالی یہ سب انسانی زندگی کے مہلک دشمن ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی چیز اتنی تباہ کن نہیں جتنی کہ تندی جذبات اور تند مزاجی، تند مزاجی نہ صرف آپ کو کامیاب نہیں ہونے دیتی بلکہ آپ کی درازی عمر کی بھی دشمن ہے اور رہی مشکلات کی بات تو مشکلات دراصل ہماری محسن ہیں وہ ہمیں ہماری کمزوریوں، ہمارے مقاصد، ہماری کوتاہیوں سے آگاہ کرتی ہیں، وہ ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم اپنے مقصد پر ہر تعلق اور ہر رشتے کی روشنی میں غور کریں، مشکلات ہمیں حوصلہ، جرأت اور استقلال دیتی ہیں اور اگر ہمیں اپنے ارادے کی کامیابی اور زندگی چاہیے تو مشکلات پر غالب رہنا ہوگا، زندگی میں مشکلات کو مائنس کرنے کے لئے اتنے ہی دباؤ اور ہمت کی اینٹی فورس اپلائی کرنا ہوگی تاکہ زندہ رہا جا سکے۔''

''یہ سب کچھ تو میں نے کیا تھا مگر پھر بھی کتنا کچھ کھو دیا حالانکہ ہر مشکل سے گزرتے میں اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انرجی کا نفیڈنس برقرار رکھتی تھی اپنی Thinking کو Positive رکھتی تھی کہیں خود کو شکست خوردہ سمجھا نہ محسوس کیا پھر، پھر بھی یہ سب ہوتا گیا۔"

"دیکھو ماریا خدا اپنے پیارے بندوں کو ہمیشہ آزماتا ہے اور اگر کچھ چھین لیتا ہے تو بدلے میں اس سے بہتر چیز ہم کو عطا کرتا ہے بشرطیکہ ہم آزمائش میں اپنا حوصلہ اور اس پہ یقین برقرار رکھیں، ہوسکتا ہے تمہارے دکھوں میں بھی کوئی بھلائی ہو، وہ دکھ کے ذریعے ہی تمہیں سکھ کے جہاں تک پہنچانا چاہتا ہو کیونکہ خدا سے زیادہ ہم سے محبت کرنے والا کوئی نہیں، وہ ہمیں دیکھتا ہے ہماری ریاضتوں کو جانتا ہے ہماری دعاؤں کو سنتا ہے اور وہ سب عطا کرتا ہے جو ہم مانگتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں بس گلہ، شکوہ اور ناشکری سے بچنا چاہیے انسان کو خدا نے فکر و عمل کی بہترین صلاحیتیں و دیعت کی ہیں علم و حکمت کی تعلیم کے ذریعے اس کے شعور و آگاہی کو وسعت دی ہے، اس کی زندگی کے کچھ فرائض و مقاصد ہیں، انسانی زندگی مقاصد کے تعین، اہداف کے لئے جہد مسلسل اور ان کے حصول سے تعبیر کی جاتی ہے اگر انسانی زندگی سے مقصد کو خارج کر دیا جائے تو زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، ہمیں گزرے ہر سود و زیاں سے اور آنے والے ہر اندیشہ سے بے نیاز ہو کر اپنے لئے زندگی کی خوشی اور طمانیت پانی ہے خود کو ہارا محسوس نہیں کرنا کیونکہ جو ہار جائے وہ ہمیشہ کے لئے شکست خوردہ رہ جاتا ہے، پھر اسے جیت کا موقع خوش قسمتی سے ملتا ہے۔" کیتھرین اسے بہت رسان سے سمجھا رہی تھی اور وہ پوری آنکھیں کھولے مکمل دھیان سے اس کی باتیں سن رہی تھی، سوچ رہی تھی، سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی خود کو جانچ رہی تھی دوسروں کو پرکھ رہی تھی۔

☆☆☆

"یہ ساری صفائی اچھی طرح کرو اور یہ کیبنٹ بھی ذرا دیکھ کر صاف کرنا اتنا گند پڑا ہے ہر جگہ پتی، چینی، مرچ اور نمک بکھرا ہوا ہے جانے یہ لڑکی کیسے صفائی کرتی ہے بس اوپر اوپر سے دو ہاتھ مارے اور فارغ سو بار کہا ہے بی بی گھر یوں نہیں سنبھالے جاتے یہاں تو ماں باپ کا گھر ہے بچت ہوگئی آگے جا کر بچت نہیں ہوتی سب کچھ کرنا بھی اپنے ہاتھوں سے پڑتا ہے اور باتیں بھی سننا پڑتی ہیں۔" رشیدہ چیزوں کی اٹھا پٹخ کرتے ہوئے بولتی جا رہی تھیں اور آمنہ منہ بنائے ان کی ہدایات کے مطابق کچن کو چمکا رہی تھی، چمکا بھی کیا رہی تھی بقول رشیدہ کے اوپر اوپر سے ہاتھ مار رہی تھی، جو سستی اس کے انداز میں وہ رشیدہ کو بے طرح غصہ دلا گئی۔

"بھلا یوں کام کرتے ہیں ارے جاؤ تم برتن دھولو ہم آؤ بیٹی ذرا یہ صفائی تو دیکھو۔"

"تو امی برتن یہ کون سے دھولے گی آدھی چکنائی ویسے لگی ہوتی ہے اور سنک بھی بنا دھوئے چھوڑ جاتی ہے۔" ہما آگے ہو کر بولی۔

"ہاں تو نہیں ہوتے مجھ سے یہ نوکروں والے کام بھلا یہ بھی زندگی ہے کہ صبح تڑکے اٹھو اور لگ جاؤ برتن دھونے جھاڑو دینے۔"

"واہ تم تو جیسے شہزادی ہو، جس کی توہین ہوتی ہے گھریلو کام کرنے سے۔" ہما نے گھورا۔

"توہین چھوڑیں یہ تو قسمت میں لکھی ہے برتن دھونے سے ہاتھ کتنے خراب کھردرے اور رف ہو جاتے ہیں، ناخن گھستے ہیں اور جھاڑو پوچھا لگانے میں بھی ٹانگیں درد کرنے لگتی ہیں۔"

"کھایا کم کرو نہ موٹی اتنی ہو رہی ہو ٹانگیں بیچاری تمہارا بوجھ سہارتے تھک جاتی ہونگی۔"

"جی نہیں کھاتی تو میں کم ہوں وہی دال روٹی ہوتی ہے جو سب کھاتے ہیں مجھے بھی ملتی ہے میں کون سا دیسی گھی میں لقمے ڈبوتی ہوں یہ اور بات ہے کہ کھایا پیا مجھے لگ جاتا ہے۔" وہ کچھ نروٹھے پن سے بولی تو رشیدہ اور ہما کو ہنسی آگئی۔

"تو اس کھائے پیئے کو حق بھی ادا کیا کرو ناں۔" ثمن بولی۔

"بس آپی یہ چھوٹے چھوٹے اور گند صاف کرنے والے کام مجھ سے نہیں ہوتے۔"

"اور ہم تو جیسے انسان ہی نہیں جو یہ سب کر لیتی ہیں۔"

"آپ کو عادت ہے، آپ کر سکتی ہیں۔" وہ آرام سے بولی۔

"تو یہ عادت تم بھی ڈالو کیونکہ آگے چل کر یہی عادت زندگی بناتی ہے پتا ہے گھر کا کام تو سنت نبویؐ ہے تم تو خود طالبہ ہو تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر جھاڑو خود لگاتے تھے کپڑے کو خود رفو کر لیتے تھے جوتی خود گانٹھ لیتے تھے اور گھڑے میں پانی خود بھر کر لاتے تھے حالانکہ وہ رسول اللہ تھے بادشاہ وقت تھے دو جہاں کے والی تھے خود ان کی اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا چکی پیستی تھیں کھانا پکاتی تھیں اور صفائی دھلائی کرتی تھیں چکی پیستے رہنے سے ان کے ہاتھ سوج کر سخت ہو چکے تھے اور انگلیوں میں گانٹھیں پڑ چکی تھیں ان سے کام کرنا دشوار ہونے لگا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک لونڈی کی درخواست کی۔" اور جانتی ہو امت کی شہزادی کو انہوں نے کیا جواب دیا تھا۔

"وہ عورت جو دنیا کی ہر عورت سے بہترین اور معتبر تھی دین و دنیا کے معاملہ میں اور جنت میں عورتوں کی سردار ہے، اسے انہوں نے ملازمہ دینے کے لئے انکار کیا اور کہا تھا کہ "محمدؐ کی بیٹی کے لئے یہ مشقت کوئی مشقت نہیں ہے یہ تو گھر کا معمولی کام ہے اگر اس کے لئے تم لونڈی مانگ سکتی ہو تو باقی مسلمان عورتیں کیسے محنت کر سکیں گی، اللہ اور اللہ کی رضا کی خاطر بڑے صبر آزما اور کٹھن کام جھیلنا پڑتے ہیں، اگر لونڈی چاہیے تو ہر عورت کو ملے صرف تمہیں نہیں، تمہیں مثال بننا ہے دوسری عورتوں کے لئے، اس کے بعد حضرت فاطمۃ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سخت سے سخت کام کیئے مگر کبھی کسی لونڈی کو رکھنے کا خیال نہ کیا، حالانکہ مرتبے و رتبے میں حسب و نسب اور نجابت و شرافت میں کوئی ان کا ثانی نہیں تو ہم تم کس پرتے پر خود کو برتر سمجھ کر غرور کا بول، بول جاتے ہیں۔" رشیدہ خاتون نے بہت سنجیدہ لب و لہجہ میں تفصیلی بات کی تو آمنہ واقعی شرمندہ ہوگئی۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں امی، میری سوچ غلط تھی۔"

"غلطی تسلیم کرنا غلطی کو مٹانا ہے اور کسی بھی اچھی بات کا برا نہیں منانا چاہیے کیونکہ ماں کبھی بھی اولاد کا برا نہیں چاہ سکتی اور بیٹی گھر گرہستی تو سیکھنا اور کرنا عورت کی عظمت ہے کیونکہ خدا نے عورت کو گھر کی حکومت دی ہے گھریلو نظام، خاندان کی صحت اور بچوں کی تربیت عورت کے ذمہ ہوتی ہے، اسے ادا کرتے ہوئے کوفت یا خفت کیسی بھلا اپنے گھر بھی کوئی شرمندہ ہوتا ہے کام کرتے ہوئے۔" رشیدہ رسان، نرمی اور سبھاؤ سے سمجھا رہی تھیں۔

"سوری امی ایگین سوری۔" آمنہ نے ان کے ہاتھ چومے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی بات نہیں چلو شاباش اٹھو اب اور صحن صاف کر دو ثمن برتن دھو دے گی، کام جلد نپٹ جائے گا۔''

''امی صحن کون سا اتنا گندا ہو گیا ہے یہاں کون سے چھوٹے بچے ہیں جو بکھیڑا ڈالتے ہیں۔''

''پھر وہی کام سے انکار والا رویہ، ابھی کیا سمجھاتا تھا۔'' انہوں نے گھورا۔

''دیکھو کتنے پتے ٹوٹ کر ہوا کے زور سے بکھرے ہیں اور حدیث نبویؐ کے مطابق جو لوگ اپنے گھروں اور صحنوں کو گندا رکھتے ہیں وہ یہودیوں سے مشابہہ ہیں اور کیا تم پسند کرو گی کہ تم بیداغی مسلمان ہوتے ہوئے یہودیت پہ ہو کر مرو۔''

''مائی گاڈ امی اتنا ڈرا خوف پیدا کر دیتی ہیں آپ تو یہ، پلیز ہما آپی جھاڑو دیں میں صفائی کر لوں۔'' آمنہ اٹھی اور ہما کے ہاتھ سے جھاڑو لیا تو سب ہنسنے لگیں۔

''شاباش کرو کام، صفائی تو ویسے بھی نصف ایمان ہے ایسا نہ ہو تمہارا ایمان نامکمل رہ جائے۔'' ثمن نے بے ساختہ ہنستے ہوئے کہا۔

''ویسے آپی وہ سنعیہ ہیں ناں کتنی خوبصورت نرم و نازک ہیں اور ہاتھ پاؤں کتنے صاف ستھرے چمکتے ہوئے اور ہمارے دیکھیں۔''

''بیوقوف وہ صرف کھاتی پیتی یا پہنتی اوڑھتی گھومتی رہتی ہے، وہ کون سا یہ گھریلو کام کرتی ہے کہ ہاتھ پاؤں خراب ہوں۔''

''ان کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے ہمارے ہاتھ کباب اور ان کے نان لگ رہے تھے۔''

''استغفراللہ، کیسی فضول سوچیں پالے رکھتی ہو معافی مانگو اللہ سے اس نے بہت گورا نہ سہی مگر صاف رنگ تو دیا ہے اور پورے ہاتھ پاؤں دیے اندھی، لولی لنگڑی یا بولی بہری نہیں بنایا، اپنے سے اوپر والوں کو نہیں بلکہ اپنے سے نیچے والوں کو دیکھنا چاہیے بہت سے لوگ کسی نہ کسی بدنی معذوری یا جسمانی کمزوری و بیماری کی وجہ سے کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے کے لئے محتاج ہیں، تم جسمانی و اعصابی طور پر صحت مند ہو اسی پہ شکر ادا کرو کہ اللہ کریم نے تمہیں کسی اعضاء سے محرومی نہیں دی۔'' ثمن کچھ غصے اور کچھ خفگی کے تاثرات لئے بولی۔

''اور بہت مشکل کے دنوں میں بھی تم کبھی بھوکی نہیں سوئیں بیمار ہو کر دوا کو نہیں ترسیں ورنہ نجمہ خالہ کے حالات دیکھ رہی ہو اللہ سے معافی مانگو اس نے عزت سے رکھا اور اپنا کرم رکھا اور مسلسل کریم ہے ہم پہ باوجود ہماری ناشکری کے۔'' ہما نے بھی ڈانٹا۔

''ارے یہ تو پیدا ہی کوڑھ مغز ہوئی ہے اس کے ساتھ کیا بار بار دماغ کھپانا، بندہ عقل سمجھ رکھتا ہو تو ایک ہی مثال بلکہ نصیحت بہت ہے جتنا اس نے دماغ کھا لیا ہے اتنے میں تو تم پی ایچ ڈی کر لیتیں۔'' رشیدہ کے کہنے پر وہ پھر ہنس دیں۔

''بچی ہے امی سمجھتے سمجھے گی۔'' ثمن تاسف سے بولی۔

''اور تب تک ہماری سمجھ جواب دے جائے گی اللہ جانے نرالی عادتوں اور اتنا شاہی مزاج رکھنے والی یہ نادان بچی کہاں کھپے گی۔'' وہ تشویش سے بولیں۔

''وہیں یہاں اس کا نصیب ہو گا آپ فکر نہ کریں اور انزلہ آپی بلا رہی تھیں آپ کو انہوں نے

ہاسپٹل جانا تھا چیک اپ کو، آپ چائے پی لیں پھر میں راحیل بھائی کو کال دونگی وہ لے جائیں گے آپ کو۔'' ہما نے کہا۔

''ہاں تم چائے دے کر میری سفید چادر نکال کر دو، میں جاؤں انزلہ کی طرف۔'' ان کے کہنے پر ہما سر ہلاتی چائے لینے اٹھی۔

☆☆☆

یہ غلط فہمی یہ آپس کا کھنچاؤ ختم ہو
دم گھٹا جاتا ہے اعصابی تناؤ ختم ہو
ایک مدت سے مسلسل بارش آنکھوں میں
گر رکے پانی تو چہرے پہ کٹاؤ ختم ہو
میں زمین پر اور وہ ہے آسماں میں مقیم
کس طرح یہ فاصلہ تم ہی بتاؤ ختم ہو
میرے حصے میں اگر قسمت سے آئے ہیں نشیب
اس طرف پھر کیسے پانی کا بہاؤ ختم ہو
زندگی منسوب ہے اسی کے نام سے
کس طرح اس شخص سے میرا لگاؤ ختم ہو

''جو میں سمجھ رہا ہوں کاش وہ بھی سمجھتی جس کے صاف انکار نے دل میں کانٹا سا چبھویا ہے جس نے اپنے اندر کی ساری تلخی اپنے کڑوے لفظوں کے ذریعے میری سماعتوں میں اتار دی اور سارے نرم گرم جذبات بھاپ بن کر ہوا میں تحلیل ہو گئے۔''

ابھی وہ اتنا پڑھ پائی تھی کہ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آنا بند ہو گئی، سنعیہ نے ذرد دیدہ نظروں سے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا اور جلدی سے ڈائری بند کر کے مخصوص جگہ پہ واپس رکھی اور شہریار کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

وہ اتفاقاً ہی چارجر ڈھونڈتی آج شہریار کے روم تک آ گئی تھی اور ٹیبل سے چارجر اٹھاتے ہوئے سوئے اتفاق ادھ کھلی ڈائری کے کھلے ورق پہ لکھی شاعری نے اس کی توجہ کھینچ لی اور اپنے کمرے تک واپس آتے ہوئے اس کا دل بہت بوجھل کیفیت کا شکار ہوا تھا، موبائل چارجنگ پہ لگا کے وہ شہریار کے متعلق سوچنے لگی۔

''خود سے منسلک چیزوں کے ساتھ تو وہ ہمیشہ سے بہت سچی رہا تھا پھر یہ تو اس کی پوری زندگی کا معاملہ تھا، اس کے دل کا اس کی محبت کا مسئلہ تھا اس کے لئے وہ حساس کیسے نہ ہوتا۔''

محبت کے نام پہ اس کے اندر اک عجیب بے چین کر دینے والی لہر بیدار ہوئی تھی۔

''کیا وہ واقعی مجھ سے اتنی شدید محبت کرتا ہے اور میرے انکار سے اسے اتنی ٹھیس لگی ہے کہ وہ اندرونی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا ہے۔'' وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی تھی اس کا چہرہ متضاد کیفیات کا غماز تھا۔

''میں بھی کیسی پاگل ہوں محض شاعری ہی تو ہے وہ بھی شاعر کے اپنے جذبات کا اظہار،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضروری نہیں کہ یہ سب کچھ شہریار کے بھی محسوسات میں شامل ہو اور ہو بھی تو مجھے کیا پروا میں کیوں خود کو خوامخواہ پریشان کر رہی ہوں۔'' اس نے سر جھٹک کر خود کو موجودہ کیفیت سے آزاد کرنا چاہا۔

وہ نہیں جانتی تھی اس نے شہریار کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا یا برا مگر اپنے کسی بھی طرز عمل پر قطعاً پریشان یا شرمندہ نہ تھی، اس کا ذاتی نظریہ تھا زندگی کے متعلق اور وہ زندگی کو صرف اپنے زاویہ نظر سے دیکھنے کی عادی تھی، دوسروں کے لئے حساس اور مخلص تھی مگر صرف اس وقت تک، جب تک اس کی اپنی ذات آڑے نہ آتی یہاں پہ اسے لگتا وہ خود نقصان اٹھائے گی وہ بڑے آرام سے خود کو سخت بنا لیتی تھی اور اگر وہ اپنے اصولوں اپنی ترجیحات کے لئے سخت تھی تو مقابل کیسے نہ ہوتا، وہ جانتا تھا کہ جتنا لچک کا مظاہرہ کرے گا سعدیہ علی اتنا ہی اسے ڈی گریڈ کرنے کی کوشش کرے گی، اتنا بھی خود کو اپنے مردانہ مقام و خودی سے نیچے لانا اسے گوارہ نہ تھا۔

جب وہ اس کا دل توڑتے ہوئے اس کے خواب بکھیرتے ہوئے اس کے ساتھ کوئی رعایت نہ برت رہی تھی تو وہ خود کو کیوں گراتا جاتا، کیوں اپنی ذات کو سعدیہ علی کا ہدف بنائے رکھتا جبکہ کھیل تو ہمیشہ برابری کی سطح پر کھیلا گیا اچھا لگتا ہے، مخالف فریق کا پلڑا کون اپنی خوشی سے بھاری کرتا ہے۔

سو وہ بھی اپنے احساسات کو ذرا تھپکنے لگا تھا بے حسی کی نیند میں اور ایسا کرنا یقیناً اس کے لئے بھی مشکل تھا جسے وہ بچپن سے اہمیت دیتا چلا آ رہا تھا اسے ایکدم سے اگنور کرنا تو کسے اس کے لئے بھی اسے وقت چاہیے تھا خود کو سمجھاتے ہوئے اگلے پورے تین دن وہ اسے گھر میں دکھائی نہیں دیا، کہاں تھا کیوں گیا تھا اسے تشویش تو ہوئی مگر کسی سے پوچھنا یہ کام وہ کبھی نہیں کر سکتی تھی۔

وہ گھر میں کسی کو بھی اس خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتی تھی کہ اس کو شہریار کی کیئر ہے یہ چوتھا دن تھا جب وہ معمول کے مطابق ڈنر کے لئے نیچے آئی تھی سلام کرتے ہوئے وہ بیٹھی اور جب سامنے نظر اٹھی تو بے ساختہ تحیر سے بھر گئی، شہریار خان ڈائننگ ٹیبل پہ موجود تھا بڑے خوشگوار موڈ میں، مما پپا سے باتیں کرتا، اپنے لئے پلیٹ میں بریانی ڈالتا ہنستا مسرور اور مگن، وہ گزری ہوئی باتوں کے زیر اثر پریشان نہ لگ رہا تھا بلکہ اس کی اداسی آنکھوں میں اس وقت واضح چمک تھی اور یہ چمک سعدیہ کو ساکت سا کر گئی۔

ان تین دنوں میں کیا ہو گیا تھا ایسا، کون سا قارون کا خزانہ مل گیا تھا اسے، جو وہ یکسر بدلا، بدلا نظر آ رہا تھا، وہ حیرت و استعجاب سے بھرپور نگاہ لئے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اسی پل شہریار نے بھی اسے دیکھا تھا اک اجنبی نظر سے پھر اپنے کھانے میں مشغول ہو گیا تھا۔

''سعدیہ کھاؤ نا بیٹی ایسے گم صم کیوں بیٹھی ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔'' عفنان علی خان نے اسے پیار سے دیکھا تھا، وہ بس ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''اچھا، اب سمجھا ناراض ہو، آج تمہاری سالگرہ تھی ہم تمہیں وش کرنا بھول گئے۔''

''سوری بیٹا تمہاری مما اور میں بہت اہم بزنس کنٹریکٹ کی ڈیلنگ میں بزی تھے اور جلد گھر آ نہ سکے۔''

''پپا میں نے آپ سے شکوہ تو نہیں کیا۔'' وہ کچھ نم لہجے میں بولی۔

''آپ نے نہیں کہا ہمیں احساس ہے ناں، اپنی بہت لاڈلی اور اکلوتی بیٹی کے لئے نئی گاڑی کی چابی، اللہ تمہیں لمبی عمر خوشیاں اور سکون عطا کرے ہر پریشانی اور دکھ سے محفوظ رکھے۔'' شائستہ نے بی ایم ڈبلیو کی چابی اس کی ہتھیلی پہ رکھتے ہوئے پیشانی پہ ممتا کا شفیق لمس ثبت کیا تھا اور عفنان علی خان نے بھی ایک کی رنگ نکالتے ہوئے اس کے سامنے رکھی۔

''مما پاپا یہ سب میں کیا کروں گی مجھے تو آپ کی محبت اور شفقت چاہیے۔''

''یہ بھی ہماری محبت اور شفقت کا حصہ ہے ہم صرف تمہیں خوش اور مسکراتی دیکھنا چاہتے ہیں چیزیں تو اک بہانہ ہوتی ہیں محبتیں وصولنے کا اصل چیز تو جذبہ ہے۔'' شائستہ نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔

''او کے مما، پاپا میں بہت تھکا ہوا ہوں آرام کروں گا گڈ نائٹ۔'' شہریار نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا یکدم اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے قریب سے گزرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور وہ جو نادانستگی میں منتظر سی تھی کہ شاید وہ بھی وش کر دے، کوئی دعائیہ فقرہ کوئی اچھی بات نرم مسکراہٹ مگر وہ کچھ بھی کہے بغیر کتنی اجنبیت سے گزرا تھا، جیسے ان کے درمیان کوئی تعلق کوئی واسطہ، کوئی رشتہ ہے ہی نہیں۔

اتنا بیگانہ تو وہ کبھی نہیں ہوا تھا وہ بھی اس کے حوالے سے اور اس کی سالگرہ کا دن تو وہ بطور خاص یاد رکھتا تھا بلکہ 25 نومبر کو اسے وش کرنے والا پہلا شخص ہمیشہ وہی ہوتا تھا، بہت اسٹائلش ڈیزائننگ والے برتھ ڈے کارڈز مہنگے اور معیاری گفٹس پھر کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کیا کچھ کرتا تھا وہ اس کے لئے، اب..... اس کی آنکھوں میں مرچیں سی چبھنے لگیں اندر دھواں پھیلنے لگا تھا۔

''او کے سعدیہ تم بھی آرام کرو صبح ملاقات ہو گی اور تمہاری سالگرہ کی پارٹی ڈیوے جو کل آواری میں ہو گی اپنی فرینڈز کو بلا لینا۔'' عفنان علی خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکی۔

''او کے بیٹی گڈ نائٹ۔'' شائستہ نے اس کے رخسار پہ پیار کیا۔

''گڈ نائٹ مما، پاپا۔'' وہ اٹھی تھی اور اپنے کمرے کی جانب جانے لگی، چلتے ہوئے آنکھیں جانے کیوں دھندلانے لگی تھیں، وہ کاریڈور کے ستون سے لگ گئی، محبت پیار، عشق سب فضولیات تھیں اس کے نزدیک اسے ایسے کسی جذبے پر یقین تھا نہ اعتماد مگر دوستی شہریار کی دوستی تو شروع سے قیمتی تھی اس کے لئے۔

''اور اس کا وہ نرم روپ، دوستانہ مزاج، وہ اپنائیت اور توجہ کیا صرف دھوکا تھا، مطلب کے لئے تعلق و رشتے کی ضرورت کے تحت اور میں اتنی معصوم ڈفر سمجھ ہی نہ سکی وہ مطلب نہ نکلنے پر بدل بھی سکتا ہے ورنہ میری سالگرہ شہریار کو کیسے بھول سکتی ہے کتنی بھی ناراضگی سہی کم از کم وش تو کر دیتا وش کرنا تو ایک طرف اس نے تو ایک اتفاقی سی نظر بھی نہ ڈالی تھی جو کوئی پاس کھڑا اجنبی بھی ڈال دیتا ہے، تو کیا وہ واقعی اس کو کچھ نہیں سمجھتا یا بالکل بدل چکا ہے اور سارے دوست لمحے خواب خیال ہوئے، وہ پہلے اپنے اصل رنگ میں تھا یا اب آیا تھا یا یہ اس کے عمل کا کوئی ردعمل تھا۔'' اور یہ سوچ اسے جیسے اپنی نگاہ میں اپنا تجزیہ کرنے پر مجبور سا کر گئی،

(باقی اگلے ماہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنم زندہ

دوسری قسط

سدرہ سحر عمران

اس دس بائی بارہ کے مختصر کمرے میں مزید بارہ افراد موجود تھے، پسینے اور خون کی ملی جلی بساند کمرے کی فضاء کو ناگوار بنا رہی تھی، وہاں موجود ہر شخص زخموں سے چور تھا غالباً وہ سب ٹارچر سیل سے ہو کر آئے تھے، ان کی ہائے وائے دیکھ کر اس کا دل بیٹھنے لگا تھا، ایک کم عمر نوجوان کی حالت بہت تشویش ناک تھی ظالموں نے اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا، اس کے بدن پر نیل ہی نیل تھے، شاید اسے اندرونی چوٹ بھی آئی تھیں کیونکہ وقفے وقفے سے اس کے منہ سے خون کی پچکاری سی نکلتی، عبداللہ کی حالت اسے دیکھ کر غیر ہونے لگی تھی، وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر دعا کرنے لگا کہ اس کے پاپا جلد از جلد ان درندوں کے چنگل سے رہائی دلوا دیں۔

"تمہیں کہاں سے پکڑا ہے انہوں نے؟" کچھ دیر بعد اس کے پاس بیٹھے شخص نے سوال کیا۔

"سوپور سے۔" وہ گھٹے گھٹے انداز میں گویا ہوا۔

"میں بالکل بے قصور ہوں۔"

"یہاں سب بے قصور ہی آتے ہیں۔" اس کے کربناک لہجے میں زہر بجھی ہنسی تھی۔

"ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ ہم کشمیری ہیں اور یہ سب سے بڑا جرم ہے۔"

مکمل ناول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں بھی تو کشمیری ہوں، کیا مجھے اس بات کی سزا مل رہی ہے اور ان سب کو بھی۔" وہ درزدیدہ نظروں سے موت کی سرحد پہ بے یارو مددگار پڑے اپنے ہم وطنوں کو دیکھنے لگا۔

"جب یہ بے گناہ ہیں تو انہیں یہاں کیوں لایا گیا ہے، ان پر اتنا تشدد کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ کس کے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہے ہیں؟ زندگی ان کے لئے موت سے بھی بدتر ہے، کیا رابعہ ٹھیک کہتی ہے؟ کیا میرے والد اور بھائی بھی اس ظلم میں برابر کے شریک ہیں؟ ہاں..... شاید۔" اس نے چہرہ جھکا لیا۔

"کچھ دیر بعد یہ مجھے بھی سیل میں لے جا کر اسی طرح....." یہ سوچ کر ہی اس پر لرزہ طاری ہو گیا تھا، اس کے ہاتھ پاؤں سنسنانے لگے تھے، پہلی بار اس نے ظلم اور ظالم کو اتنے قریب سے دیکھا تھا، باہر شام گہری رات میں بدل رہی تھی، جوں جوں وقت گزر رہا تھا، اس کے حواس ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے، اس کے لبوں پر دعاؤں کا ورد جاری تھا، دفعتاً بے ہوش نوجوان کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی وہ ایک دم ہی تڑپنے لگا، چند لوگوں نے گھبرا کر اسے سنبھالنے کی کوشش کی مگر وہ ہاتھوں سے مچل مچل جا رہا تھا، پھر اس نے فرش پر خون کی قے کی اور تڑپتے ہوئے وجود میں یکلخت سکوت پھیل گیا۔

"ان للہ وانا الیہ راجعون۔" تمام افراد نے با آواز بلند کہا تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس نوجوان کے زرد چہرے اور کھلی آنکھوں کو دیکھنے لگا جو اس کے سامنے زندگی کی بساط ہار گیا تھا، اس کی تو ابھی پڑھنے لکھنے اور کھیلنے کی عمر تھی، اتنی سی عمر میں وہ اپنے گھر بار سے دور جیل خانے کے سرد فرش پر بے بسی سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تھا، کچھ دیر پہلے اس کے چہرے پر بے پناہ اذیت تھی اور اب وہاں سفاک موت نے سکون کی چادر اوڑھا دی تھی تقریباً پندرہ منٹ بعد سیل کا دروازہ کھلا اور ایک سیاہ رو شخص اندر آیا۔

"مہاشے اٹھئے آپ کی باری ہے۔" اس نے عبداللہ کی طرف دیکھ کر کہا جس پر پہلے ہی کپکپی طاری تھی پھر وہ مردہ نوجوان کو دیکھنے لگا۔

"چہ..... چہ..... ایک اور کشمیری کم ہو گیا، لیکن کیا فرق پڑتا ہے، سالے ختم ہی نہیں ہوتے، ایک کو مارو دس اور پیدا ہو جاتے ہیں۔"

عبداللہ اس کے کرخت لہجے سے خائف ہو کر اٹھا مگر اس کی ٹانگیں اس کا ساتھ دینے سے قاصر تھیں، وہ اسے لے کر ایک کمرے میں چلا آیا، وہاں چاروں طرف اسلحہ اور آلات تشدد سجے ہوئے تھے اور تینوں فوجی بڑی شان سے کرسیوں پر براجمان تھے جو اسے یہاں لے کر آئے تھے۔

"آؤ بالک آؤ۔" ایک نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"ہم نے کرنل صاحب سے بطور خاص تمہارے لئے چھٹی لی ہے۔"

"دیکھو، تم میرے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"میرے والد عبدالاحد ڈار کانگریس کے لیڈر ہیں وہ....."

"بک بک بند کراوئے۔" ایک نے ٹیبل پر زور سے ہاتھ مارا تو اس کے الفاظ اس کے منہ میں ہی گھٹ گئے۔

"تو جس..... کا بچہ ہے نا وہ اس وقت کیمپ میں بیٹھا کرنل صاحب کے جوتوں میں سر رگڑ رہا ہے، بڑا آیا لیڈر کی اولاد، ہم تجھے چھوڑ دیں گے مگر اس سے پہلے اپنے ارمان ضرور نکال گے۔" یہ کہہ کر ایک نے ٹیبل سے کوڑا اٹھایا۔

"نہیں۔" وہ دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ

پوری قوت سے چلایا تھا مگر یہاں اس کی سننے والا کون تھا، کچھ دیر بعد اس کی بلند و بانگ چیخوں سے سیل کے در و دیوار لرز رہے تھے اور اس کا بھارت نواز باپ، جس کی ساری زندگی بھارتی سرکار کے جوتے سیدھے کرتے گزری تھی اب بے بسی کی حالت میں ان کے قدموں میں بیٹھا گڑگڑا رہا تھا۔

☆☆☆

کمرے کے سکوت میں صرف ہوائیں سانس لے رہی تھیں، حمزہ نے ستون کے پاس کھڑی زرمینے کو دیکھا "سلمان لالہ" اس نے لبوں پر ہاتھ رکھا اور نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

"ہم کریک ڈاؤن میں پھنس گئے تھے ہم آٹھ کمانڈر سلمان نے ایک مجاہد کے ساتھ مل کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا، انہوں نے ہمیں ایک ایک کر کے نکلنے کا حکم دیا تھا مگر ہم انہیں اکیلے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔" ابوجبیر نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے بات شروع کی۔

"وہ آخری سانس تک جوانمردی کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کرتے رہے، انہوں نے درجنوں فوجی جہنم واصل کیے، آخری معرکے میں بھی تین فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتارا، مگر ہمیں افسوس ہے کہ ہم شہدا کی لاشیں....." ابوسعد نے مزید کہا۔

"کسی افسوس کی ضرورت نہیں ہے۔" عظام شاہ نے ہاتھ اٹھا کے انہیں مزید کچھ کہنے سے روکا۔

"میرے بیٹے کو اس کی منزل مل گئی، اللہ اس کی شہادت قبول کرے، باقی سب باتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔"

"آپ کی مہربانی کہ خطرے کے باوجود ہمیں یہ خوش خبری سنانے آئے۔" عظام شاہ کا لہجہ نرم تھا۔

"بس دعا ہے کہ اس کی قربانی اللہ سبحان و تعالیٰ قبول فرمائے۔"

"سلمان لالہ۔" باوجود ضبط کے حمزہ کو خود پر کنٹرول رکھنا مشکل ہو گیا، اس کے دل میں طوفان برپا ہوا تھا وہ بے ساختہ رونے لگا عظام شاہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"حمزہ! سلمان شہید ہوا ہے، شہید زندہ ہوتے ہیں انہیں رویا نہیں جاتا۔" انہوں نے تنبیہ کی۔

"اور سنو، فی الوقت سلمان کی شہادت کی خبر اپنی ماں سے مخفی رکھنا، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں خود مناسب موقع دیکھ کر....." انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ پردہ ہٹا کر زینت بی بی کمرے میں داخل ہوئیں، انہیں دیکھ کر عظام شاہ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

"مجھ سے مت چھپائیں شاہ جی۔" وہ ضبط سے مسکرائیں۔

"مجھے صبح ہی اطلاع مل گئی تھی۔" ان کی بات سن کر سب نے حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

"میں صبح فجر کی نماز پڑھ رہی تھی، وہ میرے پیچھے آ کھڑا ہوا، اس کی خوشبو آئی تو میں نے سلام پھیرا تو..... وہ جا چکا تھا، ذرا سا انتظار نہ کر سکا، میرا بچہ تو بہت صابر تھا شاہ جی۔" ان کی آواز بھرانے لگی، لیکن وہ کمال ضبط کا مظاہرہ کر رہی تھیں، ابوجبیر نے انہیں شانوں سے تھام کر کرسی پر بٹھایا۔

"بس کر نیک بخت۔" عظام شاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا وہ اٹھے اور کمرے سے باہر چلے گئے، حمزہ نے انہیں جاتا دیکھ کر آنکھیں آستین سے پونچھیں اور سلمان شاہ کے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سلمان لالہ کس وقت شہید ہوئے تھے؟''

''تقریباً اس وقت جس وقت ماں جی نماز فجر ادا کر رہی تھیں۔'' ابوجبیر نے کہا تھا اور وہ دم بخود رہ گیا۔

☆☆☆

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آہستہ آہستہ کسی تاریک سمندر میں ڈوبتا جا رہا ہے، اذیتوں کے بے پناہ نشتر اس کے بدن سے چبھ رہے تھے، پھر اسے یوں لگا جیسے وہ مر رہا ہے، اس کم عمر نوجوان کی طرح جسے چند گھنٹے پہلے موت نے اپنی آغوش میں لیا تھا۔

''آپ کتنے ظالم ہیں، اس کی عمر تو دیکھی ہوتی کم از کم۔'' وہ حواسوں سے بے گانہ ہو رہا تھا مگر عبدالاحد ڈار کی سرد آواز سے اس کے وجود سے حرارت درآئی۔

''میرے معصوم بچے کی کیا حالت کر دی ایک ہی دن میں، میں پرائم منسٹر تک جاؤں گا، آپ لوگوں کی شکایت کروں گا۔'' ان کی آواز سن کر وہ زندگی کی طرف واپس لوٹا تھا، کیمپ کمانڈر نے طنزیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

''آپ کی مرضی ہے، جہاں بھی جائیں جس سے بھی ہماری شکایت لگائیں لیکن ہونا ودنا کچھ نہیں ہے، اپنے خدا کا شکر ادا کریں آپ کہ یہ لونڈا آپ کو زندہ مل رہا ہے وگرنہ ہم نے اسے بہت خطرناک جنگجوؤں کے ساتھ گرفتار کیا تھا۔''

''بکواس کر رہا ہے یہ شخص۔'' اس کا دل چاہا کہ چیخ کر کہے لیکن حلق سے آواز ہی نہ نکل سکی۔

''میں اپنے بیٹے کو آپ سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں یہ تو ایک چڑیا بھی نہیں مار سکتا اور آپ لوگ کتنا سفاک الزام لگا رہے ہیں، آپ کی فوج وادی میں کیا کر رہی ہے میں اس سے غافل نہیں ہوں۔''

''ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ کس سے غافل ہیں کس سے نہیں، آپ بہتر یہی ہے کہ زیادہ تقریر جھاڑنے کی بجائے اپنے صاحبزادے کو لے جائیں یہاں سے۔'' کرنل درشتگی سے بولا تو عبدالاحد ڈار خاموش ہو گئے۔

''اور ہاں، ایک بات ذہن میں رکھئے گا اس بار تو آپ کے اثر و رسوخ کام آ گئے، مگر آئندہ یہ گرفتار ہوا تو آپ چھڑا نہ سکیں گے۔''

عبدالاحد ڈار نیم بے ہوشی کی حالت میں اسے گھر لے آئے تو اس کی حالت دیکھ کر اس کی ماں غش کھا گئیں، انہوں نے اپنے بیٹے کو کبھی پھول کی چھڑی سے نہ چھوا تھا اور بھارتی فوجیوں نے ایک ہی رات میں اس کی کیا حالت بنا دی تھی، وہ منہ بھر بھر انہیں بد دعائیں دینے کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کو بھی کوس رہی تھیں، جن کی کانگریس سے وفاداری بھی کسی کام نہ آئی تھی اس کے بھائی بھی پشیمان تھے، پورا ایک عبداللہ نے بستر پر گزارا تھا، اسے رہ رہ کر اذیتیں یاد آتیں تو وہ ٹارچر سیل کا تصور کر کے ہی لرز لگتا، اس کے چند گنے چنے دوست جو ان طرح بھارت نواز تھے، ان میں سے کوئی اس عیادت کو نہیں آیا تھا، انہیں علم ہو گیا تھا کہ بھارتی سرکار کے عتاب کا شکار ہوا ہے اس محتاط ہو گئے تھے، انہیں دوستی اور تعلقات زیادہ اپنے مفادات عزیز تھے، اس حادثے بعد اس کے والد صاحب بھی کافی حد تک گئے تھے اب وہ پہلے کی طرح بھارتی سرکار اپنی وفاداری کا اعلان اتنی شد و مد سے نہیں کر تھے، عبداللہ کے زخم مندمل ہو چکے تھے لیکن وہ بھی اس خوف سے باہر نہیں نکلا تھا کہ کہیں آ والے اسے پھر سے نہ اٹھا لے جائیں، اس

چچا عبدالصمد کو اس بات کا علم ہوا تو وہ بہت بے تاب ہوئے تھے، انہوں نے اس کے والد سے بھی بہت بحث کی تھی، زلیخاں چچی، شاہینہ باجی، نادیہ اور رابعہ بھی اس کی عیادت کو آئی تھیں، تب انہیں احساس ہوا کہ ناخن سے ماس کبھی جدا نہیں ہوتا، اس کی امی بھی ان کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا تھا، رابعہ اس کی حالت دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئی۔

''میں نے ان درندوں سے کبھی خیر کی امید نہیں رکھی عبداللہ، خدا نے ان کے سینوں میں دل کی جگہ پتھر رکھے ہیں شاید، تم تو ذرا سا پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو دن بھر چارپائی سے قدم زمین پر نہیں اتارتے اور ان ظالموں نے تمہیں کتنی بے دردی سے مارا۔'' اس کی آنکھیں بھیگ گئیں وہ اپنا دکھ بھول کر اس کی نم جھیلوں میں کھونے لگا تھا۔

''کیا تمہیں دکھ ہوا رابعہ۔'' کتنا سکون ملا تھا اسے اپنے لئے بے چین دیکھ کر۔

''کیسی باتیں کرتے ہو عبداللہ! تمہیں اتنی اذیت میں دیکھ کر مجھے دکھ نہیں ہو گا تو تو کیا خوشی ہو گی، اللہ کرے ان کے وہ ہاتھ ٹوٹ جائیں جن ہاتھوں سے انہوں نے تمہیں اذیت دی۔''

''ہاں بہت جابر قسم کے لوگ تھے وہ، خونی درندے۔'' اس نے فرش پر تھوک دیا۔

''بابا جان نے تمہیں بتایا کہ اگلے ماہ شاہینہ باجی کی شادی ہے۔''

''کیا واقعی، مجھے تو کسی نے نہیں بتایا۔'' وہ بہت خوش ہوا تھا۔

''تائی امی کو اچھا نہیں لگا ہو گا لیکن یہ تو نصیب کی بات ہے نا عبداللہ۔''

''ہاں..... جو جس کی قسمت میں لکھا ہے اسے وہی ملنا ہے۔''

(اور معلوم نہیں رابعہ! تم میری قسمت میں ہو بھی کہ نہیں۔)

اسے کسی کے آنے کی اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی رابعہ کے آنے سے ہوئی تھی، وہ پہلی بار ان کے گھر آئی تھی اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا خود اٹھ کر اس کی آؤ بھگت کرتا، ملازمین کے ناک میں دم کر کے رکھا تھا اس نے، رابعہ اس کی جذباتیت پر بجائے خوش ہونے کے پریشان ہوتی رہی تھی کیونکہ کسی حد تک وہ سمجھ رہی تھی وہ خوش آئندہ بات نہیں تھی اس کے لئے، مگر اسے تو کسی سے کوئی سروکار نہ تھا، وہ تو یہی سوچ سوچ کر خوش تھا کہ رابعہ بھی اس کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی ہے۔

وہ پھولوں اور تتلیوں کا شیدائی، نازک مزاج مصور، سارے زخم بھلائے محبت مل جانے کے نشے میں سرشار تھا۔

وہ بھلا بیٹھا کہ جس تاریک قید خانے میں اس نے ایک رات بتائی ہے، وہاں مزید کتنی راتیں گزارنی پڑیں گی، اسے ادراک نہ تھا کہ ذرا سے زخم پر ساری رات نہ سو سکنے والا عبداللہ ڈار آئندہ بدن پہ کتنے ناسور لے کر پھرا کرے گا، گولی کی آواز سے سہم جانے والا وہ کم عمر سا لڑکا، اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی آئندہ زندگی گولی اور بارود کے سائے میں بسر ہونی ہے، اس نے کبھی راہ جہاد میں نکلنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا تاہم قدرت نے اسے اپنے راستے میں معرکہ آرائیاں کرنے کے لئے چن لیا تھا۔

وہ تو اس خوف سے ایک ماہ تک گھر سے باہر نہ نکلا تھا کہ کہیں آرمی والے اسے پھر سے کسی جرم میں گرفتار نہ کر لیں، کہیں وہ پھر سے فوجیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے اور یہ تقدیر کا کتنا عجیب فیصلہ تھا کہ اسے ایسی راہ کا مسافر بنانے جا رہی تھی جس میں آگ اور خون کے قصے تھے، جنگ و

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جدل کے حالات تھے، ظلم و جبر کی داستانیں تھیں، حق و باطل کے معرکے تھے جو اول تا آخر آزمائشوں اور پرخطر حالات سے آراستہ تھا۔

☆☆☆

اس لمحے انہیں یقین ہو گیا کہ دنیا میں اگر کوئی سب سے قریبی اور مخلص رشتہ ہے تو وہ ماں بیٹے کا ہے، ماں کے سینے میں اپنی اولاد کا دل دھڑکتا ہے، واحد ماں ہے جسے اپنے بچے کے دل کی پل پل خبر رہتی ہے۔

''سلمان لالہ نے تو آنے کا وعدہ کیا تھا۔''

ان سے ملاقات کی خواہش اس کے دل میں ہمیشہ کے لئے حسرت بن کر رہ گئی تھی، وہ تو بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا ان سے، ایک ایک دن گن گن کر گزار رہے تھے وہ لوگ روز صبح اس یقین کے ساتھ آنکھ کھلتی کہ آج تو ضرور ہی سلمان لالہ آ جائیں گے اور رات کو تسلی دیتے خود کو کہ اجازت نہیں ملی ہو گی، صورتحال نازک ہو گئی اور آج بھی وہ خود نہیں آئے تھے، ان کی شہادت کا سندیسہ آ گیا تھا، وہ بے تحاشہ رونا چاہتا تھا لیکن وہ تو ابدیت پا گئے تھے پھر وہ کیوں اشک بہاتا۔

''ہاں، انہوں نے ذکر کیا تھا ہم سے لیکن اس سے قبل حالات کچھ اس طرح کے ہو گئے کہ وہ باوجود کوشش کے آ نہیں سکے، انڈین آرمی اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی ہے، اس لئے ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دے رہے ہیں۔''

''میں ان کی آخری آرام گاہ پر جانا چاہتا ہوں کیا آپ لوگ اس سلسلے میں مدد کر سکتے ہیں میری۔'' اس کی بات پر ان چاروں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ابو جبیر آہستگی سے گویا ہوئے۔

''فی الحال تو مشکل ہے، حالات بہت خراب ہیں۔''

''حالات ٹھیک کب ہوتے ہیں اس شہر کے۔'' اس کا ضبط چیخ رہا تھا، ابو جبیر نے اٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا، وہ ان کے کندھے تک آنے لگا تھا۔

''میں سلمان لالہ سے بس آخری بار ملنا چاہتا تھا، جبیر بھائی۔''

انہوں نے اس کا سر اپنے سینے میں بھینچ لیا پھر ابو سعد سے کہا۔

''سلمان شاہ کی امانت دے دو حمزہ کو۔''

''امانت۔'' اس نے رخ موڑ کر ابو سعد کو دیکھا وہ چادر کی بکل میں سے کچھ نکال رہے تھے، پھر انہوں نے کپڑے میں لپٹی امانت اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ بے تاب سا ہو کر آگے بڑھا، کپڑا ہٹا کر دیکھا تو ساکت رہ گیا، یہ سلمان شاہ کی رائفل تھی، روسی ساختہ AK-47 کی عزیز از جان گن جسے وہ تربیت سے واپسی پر اپنے لئے لائے تھے، اپنی تمام تر جمع پونجی سے انہوں نے اپنے لئے یہ ہتھیار خریدا تھا، اس نے بے جان ہوتے ہاتھوں سے اس رائفل کو اٹھا کر دیکھا، سیاہ چمکتی ہوئی موت اس کے ہاتھوں میں تھی، سلمان شاہ تو اسے بالکل ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے، ایک بار اس نے شوق میں آ کر اٹھائی تھی تو انہوں نے سخت ڈانٹ پلائی تھی کہ یہ ''کھلونا نہیں ہے'' اور ایک تھپڑ بھی رسید کیا تھا۔

موت کھلونا نہیں ہوتی لیکن انسان کی زندگی سے کھیلتی ضرور ہے، اسے لگا کہ سلمان لالہ ابھی لمبے لمبے ڈگ بھرتے آئیں گے اور اسے پھر سے ڈانٹ پلائیں گے، غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ اپنے رخسار تک گیا تھا۔

''انہوں نے آپ کے نام ایک پیغام بھی دیا تھا۔'' تیسرے ساتھی کی آواز اسے خیالات

سے واپس کھینچ لائی۔

''انہوں نے کہا تھا کہ میرے بھائی سے کہہ دینا اب اسے میری جگہ سنبھالنی ہے، میں نے اپنے حصے کا فرض ادا کر دیا اب اس کے لئے جگہ خالی کر کے جا رہا ہوں، اس نے ساری زندگی کشمیر کے نام کر دینے کا عزم کیا تھا ایک بار اسے وہ عزم یاد دلا دینا، وہ جہاد کی اہمیت اچھی طرح سمجھتا ہے اسے کہنا کہ اب عمل کا وقت آ گیا ہے، شمشیر زن ہو کر میدان میں نکل آئے، دنیا کے ہر فرض سے پہلے مٹی کا قرض چکانا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے، حذیفہ چائے لے کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''پھر کبھی سہی، ہمیں یہاں سے جلد نکلنا تھا۔'' ابو جبیر نے ساتھیوں کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''مگر چائے پیئے بغیر تو آپ نہیں جا سکتے۔'' عظام شاہ دوبارہ اندر آ گئے، انہوں نے حمزہ کو دیکھا اس کے ہاتھوں میں سلمان شاہ کی رائفل تھی۔

''یہ.....'' وہ حیرانگی سے اتنا ہی کہہ سکے۔

''سلمان لالہ نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کر دیا ہے ابو جی، میں ان کی عظمت تک نہیں پہنچ سکتا مگر ان کے نقش قدم پر تو چل سکتا ہوں، چار سال پہلے آپ نے سلمان شاہ کے سر پر کفن باندھ کے انہیں باطل سے معرکہ آرائی کے لئے بھیجا تھا، آج میرے سر پر کفن باندھ دیجئے ابو جی۔'' وہ ان کے شانے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

☆☆☆

یہ نئی صدی کی کرامات ہیں کہ ہر جگہ ٹیرارزم اور ٹیررسٹ کے قصے ہیں، دنیا کو زبردستی ایک ایسی جہنم میں جھونکا جا رہا ہے جس کا آغاز کرنے والے بھی وہی لوگ ہیں جو اس کے خاتمے کے لئے علاج اور تجاویز دینے میں پیش پیش ہیں، خود ہمارا ملک پاکستان بھی اس سرد جنگ کی لپیٹ میں ہے، امن پسند شائقین کے ماتھے پر بھی زبردستی دہشت گرد کے ٹیگ لگا دیے گئے ہیں جس کی بناء پر پورا ملک ہی آگ اور خون کی ہولی کھیل رہا ہے، ایسے میں ابلاغ عامہ کے ذمہ داران کے فرائض میں دہرا اضافہ ہو جاتا ہے۔

میں اس وقت نامور محقق ڈاکٹر ایم اے سلومی کی شہرہ آفاق کتاب In the global war on terror innocent victims کی ورق گردانی کرتے ہوئے مسلسل ان بے گناہوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جن کے متعلق ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ۔

''ان جنگوں کا نشانہ بننے والے بھی نئے لوگ ہیں جن کی دلدوز چیخیں ہر لمحے ہمیں بے چین و مضطرب کر رہی ہیں، انہیں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بے گناہ متاثرین کہا جاتا ہے، پھر بھی ہم انہیں اپنا دشمن قرار دیتے ہیں، ایک جرنلسٹ ڈپریشن کا عادی اس لئے بھی ہو جاتا ہے کہ اس کا واسطہ زیادہ تر ایسے حالات و واقعات سے پڑتا ہے جو انسانی فطرت کے منافی ہے، میں پاکستان کی موجود صورتحال پر ایک کتاب لکھنا چاہ رہا تھا اور آج کل اسی سلسلے میں ریسرچ ورک میں مصروف تھا، کتنا ٹھیک لکھا تھا انہوں نے کہ۔''

''انسانی جذبات میں درد ناک ترین جذبات وہ ہوتے ہیں جو اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب کوئی آدمی دنیا میں کسی جگہ کے لوگوں کو بحرانوں اور تباہ کاریوں میں مبتلا پاتا ہے ان کے نتیجے میں لوگ غربت، فاقہ کشی، خوف، بیماری، جہالت اور موت کا شکار ہو جاتے ہیں، سب سے بڑھ کر مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ لاکھوں پناہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزین ایسے کیمپوں میں زندگی گزارنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں جو انسانوں کے تو کیا مویشیوں کے رہنے کے قابل بھی نہیں ہوتے۔"

اور میں نے اس سفاک سچائی پر اذیت سے آنکھیں موند لی تھیں، ہمارے پچیس لاکھ کے قریب ہم وطن بھی تو اپنے ہی ملک میں مہاجرین بنا دیئے گئے تھے، وہ بھی تو بے گناہ متاثرین ہیں جانے انہیں کس بات کی سزا مل رہی ہے، کتاب ٹیبل پر رکھ کر میں کمپیوٹر پر آ بیٹھا تاکہ نیٹ سے استفادہ حاصل کر سکوں، اداسی، تنہائی اور کشیدہ حالات...... میں ان دنوں خاصا ڈپریس رہنے لگا تھا، مجھے یازش کے لئے میٹر بھی چاہیے تھا، اس کے اندر کے لکھاری کو میں مکمل طور پر باہر لانا چاہتا تھا، کیونکہ وہ خود اپنی صلاحیتوں سے بے خبر تھی، یازش کا خیال آتے ہی میرے لبوں پہ جاندار مسکراہٹ بکھر گئی تھی، سیل فون چارجنگ کے لئے لگایا ہوا تھا، نکال کر چیک کیا تو اس کے میسج آئے ہوئے تھے، دو مسڈ کالز بھی تھیں، یعنی محترمہ میرا انتظار کر رہی تھیں۔

"کیا کر رہے ہیں؟" معمول کا سوال تھا۔

"نیٹ سرچنگ کرنے لگا ہوں۔"

"اچھا...... تبو کی فلم دیکھنی ہو گی۔" وہ شاید فارغ تھی اس لئے فوراً جواب آ گیا۔

"ہاہاہا...... یو نو ڈیئر میں اس قسم کے فضول کام نہیں کرتا۔"

"جی پتہ ہے ہمیں...... کتنے "نیک" ہیں۔"

"تمہیں نہیں پتہ ہو گا تو کیا تمہاری پڑوسن کو ہو گا تم کیا کر رہی ہو؟"

"ہم فیچر لکھ رہے ہیں، آپ کہاں غائب تھے، کب سے میسج کر رہے ہیں۔"

"سوری یار! بیٹری ڈاؤن ہو گئی تھی۔"

"دھیان رہے...... کہیں آپ کی بیٹری نہ ڈاؤن ہو جائے۔"

"بے فکر رہو میں فل چارجڈ ہوں، کیا خیال ہے تھوڑا سا یار رومینس نہ جھاڑوں۔" میری کلفت تمام ہو گئی تھی واقعی یازش اصرار میری زندگی، انتہائی اہم جزو بن چکی تھی۔

"حد میں رہیں محترم کہیں ہم آپ ہی کو نہ جھاڑ دیں۔"

"کیا ہے یار! ہر وقت امریکہ بنی رہتی ہو۔"

"اگر ہم پابند نہ رکھیں تو آپ اسرائیل بن جائیں اور یہ ہمیں منظور نہیں۔"

"اچھا، کس ٹاپک پہ لکھ رہی ہو؟"

"ڈھاکہ فال پہ لکھ رہے ہیں۔"

"میٹر تمہیں مل گیا تھا۔"

"جی...... اس لئے تو لکھنے کا آغاز کیا ہے، آپ شام سے کہاں غائب ہیں، آج اردو بازار نہیں گئے؟"

"جانے کا ارادہ تو ہے، یوسف سے پروف لینا ہے اور بھی ایک دو کام ہیں اور سنو! آج افتخار صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"یہ کون ذات شریف ہیں؟"

"تمہاری اسی سہیلی صاحبہ کے مجازی خدا جس کا ذکر خیر ہوا تھا۔"

"وہ ہماری دوست تو نہیں ابھی۔"

"اچھا جو بھی ہے...... نمبر کی بات کی تھی میں نے مل جائے گا۔"

"جی شکریہ، بڑی زحمت ہو گی آپ کو۔" وہ اتنی فارمل پتہ نہیں کیوں ہو رہی تھی، میں جھنجھلا گیا۔

"یازش! کیا ہے یار؟"

"اب کیا ہو گیا؟"

"اس طرح کیوں بات کر رہی ہو۔"

"کس طرح؟ ہم تو ٹھیک بات کر رہے ہیں۔"

"پھر بھی کچھ کمی سی ہے۔"

"آپ کا وہم ہے اور کمی آپ کو آئیوڈین کی ہو گئی ہے شاید۔"

"یازش!" میں پھر سے ہنسنے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ بالکونی میں کرسی بچھائے سرما کی دھوپ انجوائے کر رہا تھا، جب اس کے ملازم شبیر نے عظیم اور اس کے دوست حمزہ کے آنے کی اطلاع دی۔

"انہیں میرے کمرے میں ہی لے آؤ۔" وہ ان کی آمد کا سن کر خوش ہوا تھا، عظیم سے اس کی چند ماہ پہلے دوستی ہوئی تھی جب وہ اپنی امی کے ساتھ ان کے ہاں نانی کی عیادت کو گیا تھا، وہیں حمزہ سے بھی ملاقات ہوئی تھی اور وہ پرعزم لڑکا ابھی تک اسے اچھی طرح یاد تھا۔

"السلام علیکم!" وہ دونوں اندر داخل ہوتے ہی اس سے بغل گیر ہوئے تھے جیسے بہت پرانا یارانہ ہو، عبد اللہ نے بھی ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" صوفے پہ بیٹھتے ہوئے عظیم نے اس سے پوچھا۔

"الحمد للہ اب تو بہتر ہوں۔" وہ جانے کیوں شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

"پرسوں پھپھو کے فون پہ بتایا تو ہمیں تب خبر ہوئی، ماں جی بھی آنا چاہ رہی تھیں لیکن پھر دادی کا مسئلہ تھا انہیں کون سنبھالتا، حمزہ تمہیں یاد ہے یا بھول گئے۔" عظیم، حمزہ کو دیکھ کر مسکرایا۔

"اچھے لوگ ہمیشہ یاد رہتے ہیں عظیم۔" وہ واقعی حمزہ کو بہت پسند کرنے لگا تھا۔

"بہت خوب...... میں تو سمجھا تھا کہ حمزہ کا تعارف کروانا پڑے گا، آخرم بڑے لوگ ہیں آپ؟"

"اب آپ شرمندہ تو نہ کریں۔"

"بخدا میں شرمندہ نہیں کر رہا، خیر ایگزام کیسے ہوئے؟" اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر اس نے بات بدل دی۔

"ہمیشہ کی طرح بہت اچھے۔"

"آگے کیا ارادے ہیں؟"

"فی الحال سوچا نہیں، میں فائن آرٹس پڑھنا چاہتا ہوں، مگر پاپا...... بہرکیف، یہ حمزہ بھائی اتنے خاموش کیوں ہیں، جہاں تک میرا خیال ہے یہ اچھے خاصے باتونی ہیں۔"

"میں باتونی تو نہیں ہوں۔" حمزہ آہستگی سے مسکرایا۔

"ہو سکتا ہے مجھے غلط فہمی ہوئی مگر اتنے خاموش بھی تو نہیں ہیں شاید۔"

"حمزہ میں حالات حاضرہ پر بے تکان بول سکتا ہے یا انڈین آرمی پہ...... کیوں دوست؟" عظیم کے لبوں پر شرارتی مسکان تھی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس کی مسکراہٹ میں گہرا ملال گھلا ہوا تھا اور آنکھوں میں بے پناہ حزن تھا پھر وہ عبد اللہ سے باتیں کرنے لگا۔

"اور عبد اللہ آپ دوبارہ ہمارے گاؤں آئے ہی نہیں، کیا پسند نہیں آیا؟"

"ہمارا کشمیر تو پورا ہی بہت خوب صورت ہے۔" اس نے فخر سے کہا۔

"یہ تو ہے...... اور کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

"کچھ خاص نہیں، بیڈ ریسٹ پہ ہوں، آپ تو آرمی والوں کی سیوا سے واقف ہوں گے آپ کے سلمان لالہ کی وجہ سے آپ کا واسطہ پڑتا رہتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگا۔"

"ہوں۔" حمزہ نے مبہم سے انداز میں کہا تھا۔

"ویسے حیرت ہے پھپھا جان کی تو اتنی سورس ہوگی اور پھر انہوں نے ان کی سیٹ کا بھی خیال نہیں کیا۔" عظیم کو بھی دوسروں کی طرح اسی بات پر حیرانی تھی۔

"ہندو کی نظر میں مسلمان صرف قابل نفرت ہے چاہے وہ اس کا کتنا ہی نمک حلال کیوں نہ ہو۔" حمزہ زہریلے انداز میں گویا ہوا۔

"مجھے بھی اب اندازہ ہوا ہے، شاید پاپا کو بھی احساس ہوگیا ہے۔"

"واقعی..... پھر یہ تو خوش آئندہ بات ہے ہمارے لئے۔"

"تمہارے چچا عبدالصمد ڈاران کا کیا حال ہے، وہ تو تحریک جہاد میں شامل ہیں نا۔"

"جی..... اور الحمدللہ وہ بھی خیریت سے ہیں، آئے تھے وہ لوگ بھی۔" اس نے خوش ہوکر بتایا۔

"ان کی بیٹیاں ہی ہیں نا..... بیٹا کوئی نہیں۔"

"جی بیٹیاں ہیں تین۔" رابعہ کا خیال آنے پر اس کی سیاہ آنکھیں جگمگانے لگی تھیں، جبھی ملازم ٹرالی کھینچتا ہوا اندر داخل ہوا، بیگم عبدالاحد نے اپنے بھتیجے کی ضیافت کا خوب سامان کیا تھا، پھر اِدھر اُدھر کی باتوں کے دوران انہوں نے چائے پی، تقریباً گھنٹہ بھر بیٹھنے کے بعد وہ اجازت لے کر اٹھ گئے۔

"آپ بیٹھتے نہ کچھ دیر اور....." عبداللہ نے اصرار کیا۔

"ضرور، مگر کیا ہے کہ حمزہ صاحب کو جا کر پیکنگ کرنی ہے، دیر ہو جائے گی ہمیں۔"

"پیکنگ....." اسے اچنبھا ہوا۔

"کیا آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

"جی..... آج رات میں محاذ پر چلا جاؤں گا۔"

"محاذ پر۔" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"مگر وہاں تو آپ کے سلمان لالہ پہلے سے۔"

"سلمان لالہ شہید ہوگئے ہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا اور "السلام علیکم" کہہ کر باہر نکل گیا، اس کے پیچھے عظیم بھی تھا، عبداللہ ششدر سا انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆

یہ 12 جون 2003ء کے روزنامہ نوائے وقت کے اندرونی صفحات کی سرخی تھی کہ کشمیری عورت ایک بار پھر ظلم کی آندھی کا شکار ہو رہی ہے، وہ خبر پڑھنے لگا۔

"بھارتی فوج نے مقبوضہ کشمیر میں دوشیزہ سمیت چودہ افراد شہید کر دیئے، جبکہ مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان جھڑپ کے نتیجے میں تین بھارتی فوجی ہلاک اور دو مجاہدین شہید ہو گئے۔" اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا پھر تفصیلات بتانے لگے۔

"بھارتی فوج نے پلوامہ کے گاؤں آرا محاصرہ کیا گھر گھر جا کر تلاشی اور شناختی پریڈ کے دوران حبیب اللہ کے گھر کا دروازہ زبردستی توڑ کر اندر گھس آئے اور ان کی بیٹی عائشہ کو....."

"بس کرو....." میں نے اخبار اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

"یہ صرف تصویر کا ایک رخ ہے کاش حقیقی تصویر دیکھو گے تو تمہارا دل پھٹ جائے میں دیکھنا چاہتا تھا کہ پاکستانی ذرائع ابلاغ "اٹوٹ انگ" کشمیر پہ برپا ہونے والے ظلم

اور ہندو بنیے کی بربریت سے کتنا آگاہ ہے، یہاں بات دو چار سطروں میں ختم ہو جاتی ہے اور وہاں ایک گولی کا تاوان کئی نسلوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔" وہ اخبار ٹیبل پہ رکھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

"نصف صدی سے زائد عرصہ ہوگیا کشمیری قوم کو آزادی کے لئے جانوں کے نذرانے دیتے، 1989ء کے وسط میں اہل کشمیر نے آزادی کا مطالبہ شروع کیا، انڈیا کے چنگل سے آزاد ہونے کے لئے جلسے جلوس نکلنے لگے، یہ انتہائی پرامن تھے مگر ہندو بنیے نے ان پرامن جلسوں اور جلوسوں پر گولی اور بارود برسانا شروع کیا تو تشدد کے واقعات نے نفرت اور عناد کی لہر کو مزید بھڑکا دیا، یہ مجاہدین جو ظلم کے خلاف برسر پیکار ہیں جنہیں دنیا دہشت گردی کا لقب دیتی ہے، بھارتی مظالم اور اس کی جارحیت کی پیداوار ہیں ظالم کا ہاتھ روکنے والا کوئی تو ہوتا ہے۔"

"مگر زمینی خدا چاہتے ہیں کہ ان کے ظلم کے سامنے کوئی سینہ سپر نہ ہو، یہ جو چاہیں کرتے پھریں مگر نہ ان پہ انگلی اٹھانے والا ہو کوئی نہ ان کے آگے جہاد اکبر کی صدا لگانے والا۔" میں اس کی ان رپورٹس کا جائزہ لے رہا تھا جو کشمیر سے لے کر آیا تھا، یہ رپورٹس محض ظلم و ستم کی انمٹ داستانیں نہیں تھیں بلکہ کشمیری قوم پہ بھارتی مظالم اور غاصبانہ تسلط کی قانونی دستاویز تھیں جن کا حساب دنیا کی کسی عدالت نے نہیں بلکہ میدان کارزار کے فدائیوں نے برابر کرنا تھا۔

زاہدان سعید میرے ہی قبیلے کا فرد ہے اور حریت سے وابستہ ہے، بہت سچا، کھرا اور جوشیلا صحافی ہے کشمیر سے گہری انسیت رکھتا ہے، کئی مرتبہ معرکہ آرائی میں بھی حصہ لے چکا ہے اور ہر بار غازی بن کر لوٹا ہے، اس کے تیکھے اور طنز پر مبنی کالم بہت پسند کئے جاتے ہیں، میرے مشورے پہ وہ آج کل کشمیر کے موضوع پر کتاب لکھ رہا تھا اور اس سلسلے میں غازیان دین حق سے مل کر ان کے جذبات و احساسات قلم بند کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخی شواہد بھی اکٹھے کر رہا تھا، دو ماہ پہلے وہ اپنے چچا زاد بھائی سے ملنے انڈیا گیا تھا، وہیں سے کشمیر بھی چلا گیا اور اب وہ رپورٹس میرے سامنے رکھ رہا تھا جو اس نے پندرہ دنوں میں مرتب کی تھیں۔

"لیکن باطل دبنے کے لئے ہوتا ہے اور حق پرست ہمیشہ کامیاب و کامران ہوتے ہیں، انشاء اللہ ظلم کی یہ طویل اور سیاہ رات بھی چھٹ جائے گی اور اہل کشمیر جلد ہی صبح آزادی دیکھیں گے۔" وہ باہر آسمان پہ پھوٹتی شفق کو دیکھ رہا تھا۔

"انشاءاللہ!" میں اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا، آسمان سے بادل چھٹ رہے تھے اور روشنی ہر طرف نور پھیلا رہی تھی۔

☆☆☆

"یہ وان باطل چاہتے ہیں کہ حق و صداقت کا جو نور الٰہی روشن کیا گیا ہے اسے اپنی مخالفت کی پھونک مار کر بجھا دیں مگر وہ یاد رکھیں کہ اللہ اپنے نور صداقت کی روشنی کو کمال درجہ تک پہنچا کر چھوڑے گا، اگرچہ باطل پرستوں کو برا لگے۔" (الصف 8:61)

حمزہ، عظام شاہ نے جب سلمان شاہ کی رائفل تھامی تو زندگی کی ہر خواہش، طلب، امید اور آس سے بے نیاز ہو گیا، اس کے سامنے زندگی نے جو مقصد رکھا تھا وہ ہر فرض سے افضل اور جداگانہ تھا، وہ جس راہ کا مسافر بننے جا رہا تھا، وہاں واپسی کی کوئی راہ تھی نہ کوئی در کھلا تھا، سلمان شاہ جس تنظیم میں شامل تھے اسے سب سے بڑی اور موثر ترین جماعت تصور کیا جاتا تھا حمزہ شاہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بھی اسی تنظیم میں شمولیت اختیار کی تھی، اسے اپر گراؤنڈ یونٹ میں شامل کرلیا گیا تھا، اپر گراؤنڈ یونٹ کے ذمے پیغام رسانی، اسلحے کی ترسیل، مجاہدین کو اطلاع فراہم کرکے ہائیڈ آؤٹ تک پہنچانا، مخبروں اور بھارتی فوج کی نقل وحرکت پر نظر رکھنا شامل تھا، اس یونٹ کے افراد عموماً اپنے ہی علاقوں تک محدود رہتے تھے، لیکن بوقت ضرورت انہیں دیگر علاقوں میں بھی بھیجا جا سکتا تھا، بنیادی طور پر ان کے ذمے ہر وہ کام تھا جو انڈر گراؤنڈ یونٹ یعنی مجاہدین کو تحفظ فراہم کر سکے اور کامیابی سے بھارتی فوج کو ضربیں لگا سکیں، اپر گراؤنڈ یونٹ کے لئے کسی بھی فرد کو منتخب کیا جا سکتا تھا، ہر وہ شخص جو تحریک آزادی کے لئے کسی قسم کی خدمات انجام دیتا تھا اپر گراؤنڈ یونٹ میں تصور کیا جاتا، اس طرح دیکھا جائے تو تقریباً سارا کشمیر ہی اس یونٹ میں شامل تھا، اس کے برعکس تنظیم کے آرمڈ ونگ کے لئے کسی بھی شخص کا انتخاب بڑی احتیاط اور چھان بین کے بعد کیا جاتا تھا۔

جس وقت اس نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی اس وقت تک مجاہدین کا ایک با قاعدہ نیٹ ورک قائم ہو چکا تھا، شروع کی سینکڑوں جماعتیں اور تنظیمیں سمٹ کر اور آپس میں اختلافات اور محاذ آرائیاں ختم کرکے ایک دوسرے میں مدغم ہو گئی تھیں، اس لئے اب جہادی تنظیموں کی تعداد درجنوں میں تھی، تحریک آزادی کے ابتدائی دور میں بھارت نے کامیابی سے اپنے ایجنٹ مجاہدین کی صفوں میں شامل کر دیئے تھے، جنہوں نے تحریک آزادی کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا تھا، کئی تنظیموں کے متعدد سربراہ اور متعدد اعلیٰ کمانڈرز ان ایجنٹوں کی وجہ سے جام شہادت نوش کر گئے تھے، یہی وجہ تھی کہ اب بہت زیادہ احتیاط کی جاتی تھی، حمزہ شاہ نے بھی آرمڈ ونگ میں شامل ہونے کی درخواست کی تھی لیکن فی الحال اسے اپر گراؤنڈ یونٹ میں رکھا گیا تھا کیونکہ وہ قطعی غیر تربیت یافتہ تھا۔

ان کا گروپ چھ افراد پر مشتمل تھا، ان کے ذمے مشرقی سوپور کا علاقہ تھا، ان کے گروپ لیڈر منہاج ہاشم تھے، جن کا جہادی نام ابوعمر تھا، بظاہر تو ان کی ذمے داری آرمڈ ونگ کے مقابلے میں زیادہ اہم نہیں تھی لیکن اپر گراؤنڈ کا کام بھی خطرے سے خالی نہیں ہوتا، یہ منظر عام پر ہوتے ہیں اور ذرا سا شبہ ظاہر ہونے پر ان کی گرفتاری عمل میں آجاتی ہے کیونکہ حکومتی ایجنسیں بھی اپنی ذمہ داری نبھاتے ہیں اور ان پر کڑی نظر رکھتے ہیں، وہ فدائی سرگرمیاں دکھانے کے لئے پرجوش ہو رہا تھا اور اس کے لئے اسے انتظار نہیں کرنا پڑا۔

یہ سوموار کی ایک چمکتی ہوئی صبح تھی جب گروپ لیڈر ابوعمر نے اسے طلب کیا۔

''جمعیت کے بڑے کمانڈر کے دو ساتھی اور بیس سے زائد دوسرے مجاہدین سوپور کے مشرق میں ایک کریک ڈاؤن میں پھنس گئے ہیں۔'' وہ وہاں پہنچا تو سبھی افراد آچکے تھے اسے دیکھتے ہی ابوعمر نے اطلاع فراہم کی۔

''ابومرصد کی طرف سے پیغام آیا ہے کہ سب مجاہدین وہاں پہنچ جائیں اور مشکل میں پھنسے ساتھیوں کو وہاں سے نکالنے میں مدد کریں۔''

وہ ابومرصد جیسے جری کمانڈر سے متعارف تھا، وہ تحریک آزادی کا اہم ترین ستون تھے، یہی وجہ تھی کہ ایک دوسری تنظیم کے سربراہ ہونے کے باوجود انہیں ان کی طرف سے مدد کا پیغام ملا تھا، ابوعمر نے انہیں سوپور یونٹس کی طرف روانہ کیا تھا گو کہ وہ قطعی لاعلم تھے کہ مذکورہ یونٹس کہاں واقع

ہیں، تاہم انہیں عام کشمیریوں کی خدمات حاصل کرنی تھیں، جو پیغامات کی ترسیل کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں یہ بازاروں میں روزی کماتے بہت عام سے افراد ہو سکتے تھے، اگرچہ مدد کا پیغام ریڈیو کی مدد سے بھی دیا جا سکتا تھا، تاہم جب سے بھارتی فوج کے پاس تیزی سے سگنل ٹریس آؤٹ کرنے والے آلات آئے تھے، تب سے شہروں میں ریڈیو کے ذریعے پیغام رسانی کا استعمال ترک کر دیا گیا تھا اور سوپور کوئی وسیع شہر نہیں تھا، انہوں نے یہ فاصلہ آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں طے کرلیا تھا، واپسی پر ابوعمر نے انہیں اسلحہ دے کر سوپور سے باہر نکلنے والی سڑک پر مورچہ زن ہونے کا حکم دیا، اس سے مقصود یہ تھا کہ جب مجاہدین حملہ کرکے کریک ڈاؤن توڑنے کی کوشش کریں تو انہیں شمال میں واقع بی ایس ایف کے کیمپ سے فوج کو مزید کمک نہ مل سکے، ان کے ساتھ ابواسامہ اور ابوحماد بھی تھے جو تجربہ کار مجاہد تھے۔

حمزہ شاہ اپنی زندگی کا پہلا معرکہ سر کرنے جا رہا تھا، فطری طور پر وہ بہت پرجوش اور خوش لگ رہا تھا، اسے قدم قدم پہ سلمان شاہ یاد آرہے تھے اور دشمن کو نیست ونابود کر دینے کا عزم اس کے لہو میں حرارت دوڑا رہا تھا۔

وہ آٹھوں افراد آبادیوں اور باغات سے گزرتے ہوئے مشرق کی طرف جانے والی سڑک پر پہنچ گئے تھے۔

☆☆☆

اس کی طبیعت مکمل طور پر بہتر ہو گئی تھی۔

ایک ماہ سے زائد عرصہ ہو گیا تھا اسے گھر سے باہر نکلے ہوئے، وہ گھر پہ بے کار رہ رہ کر وحشت محسوس کرنے لگا تھا، اسے بس ایک ہی شوق تھا، کائنات کی خوب صورتی کو کینوس پہ بکھیرنے اور بے جان لکیروں میں رنگ بھرنے کا، اسے قتل و غارت گری، فسادات اور لڑائی جھگڑوں سے بہت خوف آتا تھا وہ عافیت پسند تھا، جرم کو جرم سمجھتے ہوئے بھی مجرم کے خلاف آواز بلند کرنے سے خائف رہتا، وہ تو اپنے والد اور بھائیوں کو بھی نہیں ٹوک سکتا، جو اس کے سامنے دن رات مجاہدین کے خلاف منصوبے بنایا کرتے تھے، حالانکہ وہ اب جاننے لگا تھا کہ ان کے نظریات غلط ہیں، وہ ان کے فک و افکار سے تضاد رکھتا تھا مگر کہنے کا حوصلہ نہیں تھا، وہ رابعہ کا ہم نوا تھا، اسے یقین ہو گیا تھا کہ رابعہ ٹھیک کہتی ہے، اہل کشمیر کا موقف درست ہے اور اس گھر والوں کا غلط.....

لیکن وہ بس سوچتا تھا، کہنے کی ہمت نہیں تھی اس میں کہ کہیں اس کے ماں باپ اس کا چچا کے گھر جانا بند نہ کر دیں، اس کی والدہ تو پہلے ہی ان کے خلاف تھیں، اس کے والدین آج کسی کے گھر دعوت میں مدعو تھے، انہوں نے اسے بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا، اس کا ارادہ چچا کے گھر جانے کا تھا، ان کے جانے کے بعد اس نے شاور لیا اور نیا سوٹ پہن کر تیار ہونے لگا، جانے دل کیوں چاہتا تھا کہ رابعہ اسے ویسی ہی اہمیت دے جیسی وہ اسے دیتا ہے۔

وہ ان کے گھر آیا تو رابعہ چادر اوڑھے کسی کے ہاں جانے کے لئے تیار ہی بیٹھی تھی۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' اسے ناگواری سی ہوئی وہ تو اسی کے لئے آیا تھا اور وہ کہیں اور جا رہی تھی۔

''سید صاحب کے گھر جا رہی ہوں، ان کے ہاں درس ہے نا۔''

''سید صاحب سے کون واقف نہیں تھا، یہ بزرگ سوپور میں سید صاحب کے نام سے مشہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے، بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے اور بڑوں کے لئے ہفتہ وار درس و تدریس کا اہتمام ہوتا تھا، اس نے بھی بچپن میں ابتدائی سپارے ان سے پڑھے تھے لیکن بعد ازاں عبدالاحد نے اسے وہاں سے ہٹا لیا تھا اور گھر پر ایک مولوی صاحب کو قرآن کی تعلیم دلانے پر لگا دیا تھا۔

''درس تو مغرب کے بعد ہوتا ہے۔'' وہ اکثر ہی جاتی رہتی تھی اس لئے اسے خبر تھی۔

''ہاں..... میں نے میمونہ باجی سے بھی ملنا ہے، ان کے ہاں پہلا مجاہد پیدا ہوا ہے نا، مبارک باد بھی دینی ہے، تم شاہینہ باجی سے باتیں کرو، آج شاید ابو جندل بھائی بھی آ جائیں۔'' وہ مصروف سے انداز میں بتا رہی تھی۔

''رابعہ! میں اتنے عرصے بعد تمہارے گھر آیا ہوں اور تم.....'' وہ شکوہ کئے بنا رہ نہ سکا۔

''عبداللہ!'' اس نے اس کی جھنجھلاہٹ پر متعجب ہو کر اس کی طرف دیکھا مگر پھر فوراً ہی رخ موڑ گئی۔

''میرا جانا ضروری ہے، صبح وہ واپس چلی جائیں گی۔''

''تم کچھ دیر بعد بھی جا سکتی ہو۔''

''ہاں..... یہ ٹھیک ہے، بلکہ ایسا کرنا تم بھی میرے ساتھ چلنا اور درس سن لینا۔''

''اوکے۔'' گو کہ اسے درس و تدریس سے خاص شغف نہ تھا لیکن اس کی بات مان گیا۔

''شاہینہ باجی کی تاریخ طے ہو گئی ہے، چاند کی تیرہ تاریخ۔'' وہ چارپائی پہ بیٹھ گی، شاہینہ باجی ڈیوڑھی میں دودھ بلو رہی تھیں، نادیہ ان کی مدد کروا رہی تھی اور چچی لکڑیاں چننے گئی ہوئی تھی۔

''اچھی بات ہے، تمہاری تاریخ کب طے ہو گی۔'' اس کا من شرارت پر آمادہ تھا۔

''عبداللہ!'' وہ بے طرح شرما گئی، گلابی رخساروں پہ پھوٹتی شفق..... وہ مبہوت سا اسے دیکھے گیا۔

''ارے..... تم تو شرما گئی ہو۔''

''فضول بات کیوں کر رہے ہو؟''

''یہ فضول بات ہے کیا؟''

''اور نہیں تو کیا۔''

''اچھا تو شاہینہ باجی فضول کام کرنے جا رہی ہیں۔'' وہ مسکراہٹ چھپانے میں ناکام ہو رہا تھا۔

''اُفوہ..... میرا مطلب ہے۔'' وہ اس کی شرارت سمجھ گئی، جبھی خاموش ہو کر بکریوں کی طرف دیکھنے لگیں جو رسی تڑانے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھیں۔

''رابعہ!'' اس نے ایک جذب سے کہا تھا۔

''ہوں.....''

''شاہینہ باجی چلی گئیں تو گھر کی ساری ذمہ داری تمہارے کندھوں پر آ جائے گی ہے نا۔''

''ساری تو نہیں، اب تو نادیہ بھی کافی ہاتھ بٹا دیتی ہے۔''

''پھر بھی..... تم تو بہت سارا پڑھنا چاہتی ہو نا، ڈاکٹر بننا چاہتی ہو تا کہ انڈین آرمی کے ظلم کا شکار غریب لوگوں کا مفت علاج کر سکو۔'' وہ اس کی خواب اپنی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''ہاں عبداللہ! مگر ڈاکٹر بننے کے لئے بہت سارا پیسہ چاہیے ہوتا ہے نا، میں اتنے سارے پیسے کہاں سے لاؤں گی، بابا جان کی آمدن اتنی نہیں ہے۔'' وہ مایوس سے لہجے میں کراکلیاں چٹخانے لگی۔

''یہ کیا بات ہوئی رابعہ! تم اپنے خواب سے دستبردار ہو جاؤ گی۔''

''اپنی آنکھوں سے بڑے خواب دیکھ جائیں تو ان سے دستبردار ہی ہونا پڑتا ہے۔''

مسکرائی۔

''مگر یہ تو تمہارا بچپن سے سپنا ہے نا رابعہ؟ شاہینہ باجی نے بتایا تھا تم جب چھوٹی تھیں تو کھیل کے دوران بھی ڈاکٹر ہی بنتی تھیں۔''

''ہوں۔'' وہ جان بوجھ کر ان سنی کر گئی۔

''چائے بناؤں، پیو گے؟''

''تم بناؤ گی تو ضرور پیوں گا ڈاکٹر رابعہ!''

''عبداللہ! مذاق اڑا رہے ہو۔''

''میں سچ میں تمہیں ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں اور تم بنو گی بھی۔''

''کوئی اور بات کرو۔''

''رابعہ! تمہیں ڈاکٹر بننا ہے اپنے لئے نہیں ان مفلس اور نادار لوگوں کے لئے جن کے لئے تمہیں یہ آرزو رہتی ہے، پیسوں کی تم فکر مت کرو، میں بابا سے بات کروں گا، وہ تمہارے میڈیکل کا خرچہ اٹھائیں گے۔'' وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔

''نہیں عبداللہ! میں اس طرح ڈاکٹر نہیں بنوں گی۔''

''اس میں حرج کیا ہے رابعہ!''

''وہ میں نہیں جانتی مگر میں اس طرح..... کبھی نہیں۔''

''میں تمہیں قرض دوں گا، تم یہ قرض ڈاکٹر بن کے چکا دینا، اس طرح تو ہو سکتا ہے نا۔'' اس نے تجویز پیش کی تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''کس طرح ہو سکتا ہے بھئی۔'' شاہینہ باجی کام ختم کر کے نکلنے پر ہاتھ دھونے لگیں۔

''میں شاہینہ باجی سے ذکر کروں گی اگر انہوں نے تائید کی تو پھر ٹھیک ہے۔''

''ٹھیک ہے، کر لینا، اب چائے بناؤ پھر چلتے ہیں تمہارا درس سننے، میں جب تک شاہینہ باجی کے ساتھ گپ شپ کر لوں۔'' اس کے مان جانے پر وہ ایک دم شانت ہو گیا تھا، رابعہ اثبات میں سر ہلا کر اٹھ گئی، اس کی آنکھ کا رو پہلا سپنا پھر سے مسکرانے لگا تھا۔

☆☆☆

کمانڈر ابو جہاد نے حملے اور مورچے کی مناسبت سے ایک مقام کا انتخاب کیا تھا، یہ نوے درجے کے زاویے کا موڑ تھا، یہاں تک پہنچ کر گاڑیوں کی رفتار لازماً کم ہو جاتی تھی، سڑک کی چوڑائی زیادہ نہیں تھی، انہوں نے دو گروپ بنائے، ابو اسامہ کو تین افراد کا گروپ لیڈر بنا کر دائیں طرف تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک بلند ٹیلے پر موجود جھاڑیوں کے عقب میں مورچہ بند ہونے کے لئے روانہ کیا اور دوسرے گروپ کی کمانڈ خود سنبھال لی، حمزہ اسی گروپ میں شامل تھا، وہ ڈھلوان کی طرف چل پڑے جہاں پائن اور سدا بہار کے گھنے درختوں کے درمیان انہیں پڑاؤ ڈالنا تھا، یہاں سے سڑک کا فاصلہ قریباً چالیس گز تھا، بھارتی گاڑیوں پہ نصب ایل ایم جی گنیں ان کی ذرا سی حرکت نگاہ میں آنے پر ان کے لئے جان لیوا ثابت ہو سکتی تھیں۔

حمزہ شاہ کے پاس ایک سیون ایم ایم رائفل تھی، اس کا نوجوان خون پہلے معرکے کے تصور سے ہی تیز ہوا جا رہا تھا، کمانڈر ابو جہاد اپنے ساتھ راکٹ لانچر بھی لائے تھے، وہ انہوں نے ابو اسامہ کے سپرد کر دیئے تھے کیونکہ وہ راکٹ چلانے کا ماہر تھا، پروگرام کے مطابق پہلا حملہ ہی بھرپور ہونا چاہیے تھا تاکہ بھارتی فوجی اپنی گاڑیوں کے دوسری طرف پناہ لینے پر مجبور ہو جائیں تب جوابی کارروائی سے پہلے پہلے دائیں طرف موجود مورچہ بند گروپ ایل ایم جی اور راکٹ داغ دیں گے تاکہ زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچے، وہ ابھی اپنی مطلوبہ جگہ پہنچے ہی تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ مشرق کی طرف سے زبردست فائرنگ اور دھماکوں کی آوازیں آنے لگیں، مجاہدین حملے کا آغاز کر چکے تھے، وہ لوگ مستعد ہو گئے، جیسے ہی بھارتی فوج کی بکتر بند گاڑیاں اور ٹرک سڑک پر نمودار ہوئے ان کے گروپ کو تیز سیٹی کی آواز سنائی دی، ابو اسامہ نے انہیں خبردار کیا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک فوجی ٹرک سڑک پہ نمودار ہوا، اس کی اسپیڈ کافی تیز تھی اور پیچھے جیپوں اور ٹرکوں کی لمبی قطار تھی، پہلے ٹرک کے رینج میں آنے کی دیر تھی، ابو جہاد نے اس کے ڈرائیونگ کمپارٹ پر اپنی گن کا میگزین خالی کر دیا، فضاء میں بارود کی بو پھیلنے لگی تھی اور دھماکوں کے ساتھ شیشہ ٹوٹنے کی آوازیں گونجنے لگیں، ٹرک کسی دیوہیکل عفریت کی طرح لہرایا اور چنگھاڑ کی تیز آواز کے ساتھ ایک درخت کے ساتھ ٹکرا کر ساکت ہو گیا اب پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کا راستہ بلاک ہو گیا تھا، دونوں گروپ پوری طرح میدان میں اتر آئے اور جیپوں پہ موجود فوجیوں کو نشانہ بنانے لگے، حمزہ شاہ کی رائفل سے ایک فوجی تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا تھا، مگر اس کے وجود میں اضطراب برپا تھا، وہ رکے بغیر گولیاں برسا رہا تھا اس کے سامنے ہزاروں سلمان شاہ تھے جنہیں ظالم فوجیوں نے بھون ڈالا تھا، اس کے انتقام کی آگ نے تو بھڑکنے کا آغاز کیا تھا، فضاء میں مرنے والوں کے جسم کے ٹکڑے بھی اڑ رہے تھے، ان پر حملے کا زور ٹوٹ گیا تھا، پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق وہ تیزی سے پیچھے سرکنے لگے، گوریلا جنگ کا بنیادی اصول ہے کہ حملے کے بعد لمحے بھر کو بھی اس مقام پر نہیں رکتے، ان کے عقب میں برساتی نالہ تھا، بھارتی فوج کے پسپائی اختیار کرتے ہی وہ نالے میں اتر گئے اب دوسرے گروپ اور فوج کے مابین گھمسان کی جنگ شروع ہو چکی تھی، نالے میں اترنے سے پہلے حمزہ شاہ نے ایک بکتر بند کو راکٹ کے حملے سے تیزی سے گھومتے اور پھر الٹتے دیکھا تھا، اس میں آگ لگ چکی تھی اور فوجیوں کی چیخ و پکار ماحول کو ہیبت ناک بنا رہی تھی۔

☆☆☆

''انسان کی زندگی میں حوادث و تجربات کے تذکرے نہ ہوں تو شاید وہ مذہب کے اتنا قریب کبھی نہ ہوتا یہ مصائب و آلام ہی ہیں جو انسان کو جھکنے کا ہنر سکھاتے ہیں اور اس مانگنے کا سلیقہ آتا ہے، خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ:۔

''میں نے اپنے ارادوں کو ٹوٹنے سے خدا کو پہچانا۔''

''اگر سب کچھ انسان کی منشاء کے تابع ہونے لگے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ فرعونیت کا دعویٰ کرنے لگے، انسان کو ابلیس بننے کے لئے مسجد سے انکار ہی تو کرنا ہوتا ہے اور یہ انکار خدا کی خدائی میں کسی کو شریک کرنا بھی ہے، لوگ مذہب کو اپناتے ہیں مگر اس کو خود میں جذب نہیں کرتے، اسی لئے تو عقیدے کی کمزوری نے اسے درگاہوں کا مجاور بنا دیا، لوگ مزاروں سے سوالی ہیں پیدا کرنے والے کو بھول گئے، اے لوگو! تم کیوں فراموش کر دیتے ہو کہ جس سے تم مرادیں مانگتے ہو جسے وسیلہ بناتے ہو وہ بھی تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے محتاج ہیں وہ بھی تو اس کی منشاء کے بغیر سانس تک نہیں لے سکتے، ایک قدم نہیں اٹھا سکتے اپنی مرضی سے، پھر تم جب ان سے فریادیں کرتے ہو تو کیوں بھلا دیتے ہو کہ وہ بھی تم جیسے لوگ تھے جنہوں نے دین مبین کو خود میں جذب کر کے خود کو اولیاء اکرام کی صف میں شامل کیا جو پختہ ایمان رکھتے ہیں اس لئے مومن

کہلاتے ہیں اور تمہارا ایمان کیا ہے؟ تم کائنات کا نظام چلانے والے سے زیادہ اس شخص پر یقین رکھتے ہو جو مٹی کی قبروں میں لیٹا ہے، اس کی قبر کو مزار تم کرتے ہو اور پھر اسی کے سامنے ماتھا ٹیکتے ہیں تم اپنے ہاتھوں سے مرنے والے کو قبر میں اتارتے ہو پھر اسی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہو۔''

سید صاحب کا بلند اور دبنگ لہجہ وہاں بیٹھے سینکڑوں لوگوں کو عرق ندامت سے دوچار کر رہا تھا، خواتین کا انتظام حویلی کے اندر تھا، رابعہ اسے ایک لڑکے کے ساتھ بٹھا کر خود اندر چلی گئی تھی۔

''تمہارا رب کہتا ہے ''شرک ظلم عظیم ہے'' اور تم کتنے تکبر کے ساتھ یہ ظلم کرتے ہو۔'' یہ اس کی زندگی کا پہلا لمحہ تھا جب اس نے پوری یکسوئی اور توجہ کے ساتھ سید صاحب کے درس کو سنا تھا وہ کہہ رہے تھے۔

''لوگو! تم تو ابلیس سے بھی زیادہ نافرمان اور ظالم ہو، وہ خدا کی ذات کا منکر نہیں اور تم اس کو مان کر بھی اس کی خدائی کا مذاق اڑاتے ہو، وہ کہتا ہے ''کہو کہ اللہ ایک ہے'' تم صدق دل سے مانتے ہو اور پھر جب قبروں پہ چڑھاوے چڑھاتے ہو تو اس کا قرآن کیا کہتا ہے تمہارے ذہن سے یہ بات نکل جاتی ہے، تم کیوں وسیلے تلاشتے ہو، کیوں سیڑھیاں بناتے ہو، رب تو تمہاری شہہ رگ سے بھی قریب ہے، کیا وہ تمہاری نہ سنے گا، تم اسے ایک بار صدق دل سے پکارو تو سہی، اس سے مانگ کر تو دیکھو، کیا وہ تمہاری خواہش سے انجان ہے، وہ تو دلوں کے بھید خوب جانتا ہے، پھر تم کسے دھوکہ دیتے ہو، تم نے اپنے نفس کو خود پر حاوی کر لیا، وہ کرتے ہو جو تمہارا نفس چاہتا ہے پھر کہتے ہو تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، پھر تم در بدر ہوتے ہو، منتیں، مرادیں مانگنے کے لئے پتھر کے مزاروں پہ جاتے ہوں، کوئی تم جیسا ظالم بھی ہو گا، جو نعمتیں بن مانگے دے رہا ہے اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے تم اس کے برگزیدہ بندوں کے گن گاؤ، پیر جی کی کرامات کے تذکرے کرو، لوگ میرے پاس آتے ہیں تو تعظیم و اکرام میں حد سے گزر جاتے ہیں، میرے سامنے جھک کر مجھے گنگار بناتے ہیں، میں تو خود معبود برحق کا ادنیٰ سا بندہ ہوں، میری اوقات کیا ہے؟ میری باتوں پر عمل کرنا میری سعادت کا باعث ہے، لیکن یہ میں اپنے پاس سے نہیں کہتا، یہ سب حدیث و قرآن میں ہے، تم لوگ اپنے گھروں میں رکھے قرآن اٹھا کر کھولو، اسے سمجھو، اس پر عمل کرو، پھر دیکھنا کہ تمہیں ہدایت کا راستہ کون دکھائے گا، اپنے لئے راہ تو تم نے خود چننی ہے، اللہ نے تو دو راستے بنا دیئے ایک کا انجام جنت ہے اور ایک کا جہنم، یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ تم کون سا راہ اپناتے ہو، تم اپنے نفس پہ قابو رکھو، تمہارا ایمان تمہاری حفاظت خود کرے گا، لوگو! بس ''شرک'' نہ کرنا، خدا کی خدائی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، کسی کے اعمال نامے میں رائی برابر بھی شرک ہو گا تو اس کی بخشش نہیں، ڈرو اس روز محشر سے جو انصاف کا دن ہو گا اور کوئی کسی کو الزام نہ دے سکے گا، کوئی کسی کی سفارش نہ کر سکے گا، تمہیں اپنے ایمان کا احتساب خود کرنا ہے، مذہب معمولی شے نہیں، یہ پارٹ ٹائم جاب نہیں ہے، بلکہ یہ تو طریق حیات ہے، اسے معمولی نہ سمجھو، اپنی مرضی پہ نہ چھوڑو، عاقبت سے غافل نہ رہو، تم نہیں جانتے کہ موت کب آ پہنچے گی، تمہاری غفلت کے باعث تمہیں گمان تک نہ ہو گا اور وہ آ کر تمہیں دبوچ لے گی، پھر کون چھڑا سکے گا تمہیں اس کے چنگل سے، کیا وہ جن سے تم فریادیں کرتے تھے، جن سے تم مرادیں مانگتے تھے، جن کے نام پر نذر و نیاز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے تھے، اگر نہیں تو پھر تمہاری عقل پر ماتم ہے کہ جانتے بوجھتے خود جہنم کی طرف جا رہے ہو۔"
ان کے لہجے میں بے پناہ کرب تھا، عبداللہ کا سر جھکا ہوا تھا، اس کے ماں باپ بھی تو پیروں فقیروں کے قائل تھے، اس کی ماں ہر جمعرات کو کسی پیر کے نام پر نذر و نیاز کرتی تھی، اس نے کبھی ان باتوں پہ توجہ نہیں دی تھی، ہاں وہ اکثر اپنی ماں کے ساتھ مزاروں پہ جاتا ضرور تھا گو کہ مانگنے کی حاجت نہیں آئی تھی کبھی، ہاں اب اس کا دل چپکے چپکے رابعہ کی طلب کرنے لگا تھا، اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ اپنی والدہ کے ساتھ بابا جی کے مزار پر گیا تو رابعہ کا نام لے کر منت مانے گا، لیکن اس کی سوچ غلط تھی، اسے کسی کو وسیلہ نہیں بنانا تھا بلکہ اپنے اللہ سے رابعہ کو مانگنا تھا کہ کسی قسم کا فساد ہوئے بغیر وہ اس کا نصیب بن جائے۔
"اپنی نیکیوں کو اپنا وسیلہ بناؤ، نیک کاموں کو سیڑھی بناؤ، تمہیں کیا ضرورت ہے غیر اللہ کو پکارنے کی، اس کی تمہاری نیتوں کے خلوص سے سروکار ہے، وہ تمہاری عاجزی دیکھتا ہے، اسے اکڑ نہ دکھاؤ بلکہ عجز و انکساری کے ساتھ سوال کرو۔"
درس کے بعد انہوں نے دعا کروائی تھی، جانے کیوں عبداللہ کی پلکیں بار بار بھیگ رہی تھیں، درس کا اختتام ہوا تو لوگ مسئلے مسائل پوچھنے لگے اور وہ جانے کے لئے اٹھ گیا، اسے یہاں دیکھ کر کئی لوگوں کو تعجب ہوا تھا، بہت سے چہروں سے وہ شناسا تھا، اس لئے لوگوں کو حیرت تھی کہ کانگریس نواز عبدالاحد ڈار کا بیٹا خالص دینی محفل میں کیا کام کر..... وہ نادم اور شرمسار تھا، اپنے ساتھ کھڑے نوجوان کو اس نے کہا کہ وہ رابعہ کو بتا دے کہ عبداللہ گھر جا رہا ہے، وہ اثبات میں سر ہلا کر اندر چلا گیا اور وہ اس ایقان کے ساتھ قدم اٹھانے لگا کہ آئندہ بھی اس محفل میں دوبارہ آئے گا۔

☆☆☆

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

یہ حمزہ شاہ کی زندگی کا پہلا معرکہ تھا جس نے اس کے دل میں سلگتی جہاد کی چنگاری کو بھڑک کر شعلہ بنا دیا تھا، وہ جان گیا تھا کہ دنیا میں اس عمل سے بڑھ کر کوئی سرور بخش کام نہیں کہ انسان اپنی زندگی فی سبیل اللہ کے لئے وقف کر دے، ایمانی قوت اور جذبات سے لبریز مجاہدین، جنہیں دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا تھا، ملت اسلامیہ کے اصل ہیروز جو چٹانی پہاڑوں اور برف زاروں پہ جیتے تھے، جنہیں طلب دنیا کی رغبت نہ تھی، غرض نور سے جگمگاتی روشن پیشانیاں نہاں، باریش چہرے سنت نبویؐ سے مزین، ٹخنوں سے اونچی شلواریں سادگی کا مظہر لبادے، معمولی غذا کھا کر بھی باہمت اور جوان، اسے ہر چہرہ سلمان شاہ کا چہرہ لگتا تھا، خصوصاً ابو جہاد سے وہ بہت متاثر ہوا تھا، اسے تو افسوس ہونے لگتا کہ کتنے ہی برس اس نے فرائض سے غفلت میں گنوا دیئے۔
"کاش میرے پاس سلمان لالہ کی اے کے 47 گن ہوتی۔" اپنی رائفل کے بٹ پہ انگلی پھیرتے ہوئے اسے ان کی وہ گن یاد آئی جس سے انہوں نے کتنے معرکوں میں شجاعت کے جوہر دکھائے تھے، وہ چاروں اس وقت، "ہائیڈ آؤٹ" میں تھے اور اپنے باقی ساتھیوں کا انتظار کر رہے تھے، یہ ہائیڈ آؤٹ ایک غار پر مشتمل تھی، یہاں انہیں حالات بہتر ہونے تک پوشیدہ رہنا تھا، اس میں عام ضرورت کا سامان اور پانی وغیرہ موجود تھا، کمانڈر ابو جہاد اور ابو مغیرہ غار کے

اندر چلے گئے اور وہ دونوں دوربین آنکھوں سے لگا کر دوسرے گروپ کو دیکھنے لگے انہوں نے بھی ہائیڈ آؤٹ میں آنا تھا، تاہم وہ راستے سے واقف نہیں تھے، حمزہ درخت کی جھکی بڑی سی شاخ پر بیٹھ گیا تھا۔
"تمہیں کچھ نظر آ رہا ہے؟" اس نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد عثمان سے پوچھا تھا۔
"ہاں..... کشمیری چرواہے ہیں، اپنے مویشیوں کو چرا رہے ہیں۔" اس نے کہا تو وہ ہنسنے لگا۔
"ہمارے ساتھی ابھی تک نہیں آئے، دو گھنٹے تو ہونے والے ہیں، کافی ٹائم نہیں ہو گیا۔"
"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" اس نے آنکھوں سے دوربین ہٹا کر گلے میں لٹکا لی اور ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گیا۔
"عثمان! تمہیں پاکستان زیادہ خوبصورت لگتا ہے یا ہمارا کشمیر۔" عثمان کا تعلق پاکستان کے صوبے پنجاب سے تھا وہ تین ماہ پہلے ہی اپنے مشن پر آیا تھا، ان چند ہفتوں میں اس کی سب سے زیادہ دوستی عثمان سے ہوئی تھی، گندمی رنگت اور بڑے ڈیل ڈول کا مالک وہ پنجابی لڑکا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔
"کشمیر تو کشمیر ہے مگر تم پاکستان دیکھو گے تو وہ بھی کم نہیں خصوصاً سرحدی علاقے، تم چلنا میرے ساتھ پاکستان تمہیں دکھاؤں گا اپنا پنجاب بلکہ پورا پاکستان ہی دکھاؤں گا۔"
"میں ٹریننگ کے لئے آزاد کشمیر جانا چاہتا ہوں مگر ابھی اجازت نہیں مل رہی۔"
"میں انشا اللہ غازی بن کر لوٹا تو تمہیں ضرور ساتھ لے کر جاؤں گا۔"
"تم غازی بن کر لوٹنا کیوں چاہتے ہو؟ کیا شہادت تمہاری خواہش نہیں۔"
"ہے..... مگر میں ایک بار اپنے وطن ضرور واپس لوٹنا چاہتا ہوں۔"
"اس کی کوئی خاص وجہ۔" وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"وجہ....." اس کے گندمی چہرے پر معصوم مسکراہٹ بکھر گئی۔
"وجہ تو بہت خوب صورت ہے یار۔"
"پھر بھی پتہ تو چلے۔"
"تاشفہ ہے میری خالہ کی بیٹی اور....."
"اور....." اسے عثمان کے چہرے پر پھیلے دھنک رنگ بہت بھلے لگ رہے تھے، ڈوبتے سورج کی ضیاء اس کی آنکھوں میں جھلملا رہی تھی۔
"اور میری بیوی بھی۔"
"بیوی....." اسے اچنبھا ہوا، خود اس نے اپنی عمر اٹھارہ سال بتائی تھی، اتنی سی عمر میں شادی؟
"ہاں بیوی..... ہم دونوں کا نکاح بچپن میں ہو گیا تھا۔"
"اوہ اچھا۔" اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا پھر پوچھنے لگا۔
"کیا تمہیں اچھی لگتی ہے وہ۔"
"ہاں بہت، بچپن سے اچھی لگتی ہے، ہمارا گاؤں شہیدوں کا گاؤں ہے حمزہ! میرے دو ماموں اور چچا زاد بھی شہادت پا چکے ہیں، تاشفہ کشمیر سے بے پناہ محبت کرتی ہے، کہتی ہے عثمان! کاش میں لڑکا ہوتی اور جہاد پہ جاتی، چن چن کر ان فوجی درندوں کو مارتی جو بے گناہوں پہ ظلم کرتے ہیں، وہ مجاہدین سے بھی بہت عقیدت رکھتی ہے، جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے ان کی مدد بھی کرتی ہے، چھ ماہ پہلے ہماری رخصتی ہوئی تھی تین ماہ بعد میں یہاں آ گیا وہ خود بھی چاہتی ہے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بھارتی فوج سے لڑوں اور غازی بن کر لوٹوں۔'' وہ اس کے خیالات میں مگن بتاتا چلا گیا۔

''اس کا مطلب ہے تمہاری زندگی میں محبت وحبت نام کی شے بھی موجود ہے۔'' حمزہ نے پھر سے دوربین آنکھوں سے لگالی۔

''بالکل ہے، کیا تمہاری زندگی میں نہیں ہے۔''

''میری محبت اور میرا عشق میرا کشمیر ہے۔'' اس کے لہجے میں بے پناہ محبت تھی۔

''کیا تم شادی نہیں کرو گے؟''

''شادی۔'' اسے عثمان کی سادہ باتوں پہ بہت ہنسی آرہی تھی۔

''کروں گا بالکل کروں گا مگر اپنے سلمان لالہ کی طرح جنت کی حوروں سے۔''

''تم بہت بہادر ہو حمزہ! مجھے تم پر بہت رشک آتا ہے۔'' کچھ دیر بعد وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''کیوں بھئی..... کیا تم نہیں ہو؟''

''تمہارے جتنا نہیں ہوں، تم مجھ سے چند سال ہی بڑے ہو مگر تمہاری سوچ اور خیالات بہت بلند ہیں، میں تمہارے جتنا مذہبی بھی نہیں ہوں۔''

''اس میں میرے بابو جی کا کھال ہے میرا نہیں۔''

''تمہارے جتنا عجز و انکسار بھی نہیں۔'' عثمان فوراً بولا تھا وہ یکدم ہنس دیا۔

''یار! تم بہت سادہ ہو، میری توقع سے بھی سادہ..... اور مجھے لگ رہا ہے ہمارے ساتھی تشریف لا رہے ہیں۔''

''ہاں وہی ہیں۔'' عثمان نے جلدی سے دوربین آنکھوں سے لگا کر دیکھا۔

''مگر یہ تو تین لگ رہے ہیں۔'' حمزہ نے انہیں قریب آتے دیکھ کر متوجہ کرنے کے لئے سیٹی بجائی جو پہاڑی تیتر کی آواز سے مشابہہ تھی۔

''ہاں..... تین ہیں۔''

''جرار نہیں ہے نا ان میں۔'' اس کا دل ایک پل کو ڈوب کر ابھرا۔

''ہوں جرار نہیں ہے۔'' عثمان نے تائید کی، وہ گرفتار ہو گیا تھا یا شہید؟

''ہمارا ایک اور ساتھی کم ہو گیا ہے عثمان۔'' اس کی آواز بوجھل ہو گئی، عثمان بھی خاموش ہو گیا تھا، سرمئی پہاڑوں میں زرد سورج ڈوب گیا تھا۔

☆☆☆

وہ اکثر سید صاحب کے دروس میں شرکت کرنے لگا تھا، اس کی زندگی میں واضح تبدیلی آ رہی تھی، وہ خود بھی اس حیرت انگیز تبدیلی پہ اطمینان محسوس کر رہا تھا اور رابعہ اس کی حوصلہ افزائی کرنے میں پیش پیش رہتی، سب سے پہلے اس نے مزاروں پہ جانا ترک کیا تھا، اس جمعرات کو اس کی والدہ مزار پہ نذر و نیاز کرنے اور چادر چڑھانے گئیں تو اس نے ساتھ جانے سے معذرت کر لی، انہوں نے زیادہ اصرار نہ کیا مگر اتنا ضرور کیا۔

''جو بابا جی وہاں مزار پہ بیٹھتے ہیں، میں نے ان سے بھی دعا کروائی تھی تمہارے لئے، ان کے دعا کا اثر ہے جو تم تندرست ہو گئے، ان کا شکر ادا کرنے ضرور جانا اور مزار پہ نیاز بھی بانٹ کر آنا اس بار نہیں تو اگلی بار سہی۔''

''میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روبہ صحت ہوں امی، کسی بابا جی کا کمال نہیں ہے اس میں۔''

''اچھا..... اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ بحث سے

موڈ میں نہیں تھیں اس لئے چلی گئیں، اس کے والد اور بھائی تو بالکل نماز ادا نہیں کرتے تھے والدہ البتہ کبھی کبھی پڑھ لیتی تھیں، اب جو وہ باقاعدگی سے نماز پنجگانہ ادا کرنے لگا تو سبھی چونکے تھے، اس کے والد کو تو فکر لگ گئی کہ کہیں وہ کسی مذہبی جماعت کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو اس لئے انہوں نے اس کے معمولات پر کڑی نظر رکھنی شروع کر دی تھی، اس کے بھائیوں کا خیال تھا کہ یہ صمد چچا سے زیادہ میل جول رکھنے کا نتیجہ ہے جو عبداللہ ''صوفی'' بنتا جا رہا ہے۔

عبداللہ خود بھی احتیاط کرنے لگا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے والد سید صاحب کے گھر جانے پر پابندی لگائیں وہ ان کے درس کی برکات سے محروم نہیں رہنا چاہتا تھا، ان کی ایمان افروز باتیں تو زندگی بھر کا نچوڑ تھیں۔

''امی! کیا باقاعدگی سے نماز ادا کرنا گناہ ہے؟ کیا دن میں پانچ بار اللہ کے سامنے جھک کر اس کی نعمتوں کا شکر بجا لانا جرم کے زمرے میں آتا ہے، اگر نہیں تو پھر آپ لوگ مجھے مجرم کیوں سمجھنے لگے ہیں، آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کا بیٹا صراط مستقیم اختیار کر رہا ہے لیکن آپ لوگ تو اس طرح حیران و پریشان ہیں جیسے میں کسی غلط راستے پر چل نکلا ہوں۔'' ان کے رویوں سے تنگ آ کر اس نے اپنی ماں سے کہا تھا پھر وہ سب خاموش ہو گئے لیکن یہ خاموشی عارضی تھی، ان کے گھر میں بھونچال اس وقت آیا جب اس نے بڑے بھائی ریحان مجاہدین کے ایک حملے میں مارے گئے، جوان بیٹے کی موت نے اس کے باپ کو جیسے پاگل سا کر دیا تھا، انہوں نے چیخ چیخ کر مجاہدین کو برا بھلا کہا، ان سے نفرت کا اظہار کیا، انہیں دہشت گرد اور ظالم کہا، پریس میں ان کے مجاہدین کے خلاف بیانات بڑھ چڑھ کر لگائے جا رہے تھے، ایک مسلمان کشمیری جو بھارت کا دم بھرتا تھا اس نے فدائیان سنت کے خلاف خوب زیر اگلا جیسے انڈین پریس نے نمایاں کوریج دی، جو تھوڑی بہت ہمدردی ان کے دل میں جاگی تھی پھر سے نفرت اور عناد کے شراروں میں ڈھل گئی، عبداللہ بھی اسی لپیٹ میں آ گیا تھا اور جب عبدالصمد ڈار ان کے گھر تعزیت کے لئے آئے تو عبدالاحد ڈار نے انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا، وہ انہیں بھی اپنے بیٹے کے قاتلوں میں شمار کر رہے تھے۔

''تم سب کی ملی بھگت ہے یہ، تم قاتلوں کے سرپرست ہو۔''

''بھائی جان! حقیقت تو یہ ہے کہ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔'' ان کی چیخ و پکار کے جواب میں وہ رسانیت سے بولے۔

''ریحان نے بھی تو متعدد مجاہدین کو شہید کیا، اس کے ہاتھ بھی تو ان کے لہو میں رنگے ہوئے ہیں۔''

''بکواس بند کرو اور نکل جاؤ میرے گھر سے، تم میرے بھائی نہیں دشمن ہو دشمن، تم اپنے بھتیجے کی موت پر خوشیاں منانے آئے ہو، آئندہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا، میرا تم سے آج کے بعد کوئی تعلق نہیں۔'' وہ دھاڑ رہے تھے اور عبداللہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا، کتنی آسانی سے انہوں نے ہر تعلق ختم کر دیا تھا، عبدالصمد مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے چلے گئے، انہیں جاتا دیکھ کر عبداللہ کو ایک دم ہوش آیا تھا وہ تیزی سے ان کے پیچھے لپکا اور اپنے پاپا کے طرز عمل کی معافی مانگی۔

''پاپا ابھی بہت غصے میں ہیں چچا! وہ ریحان بھائی سے بہت محبت کرتے تھے، انہیں اپنا دایاں بازو کہتے تھے اس لئے آپ کو بھی برا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھلا کہہ دیا غصے میں۔"

"بیٹا! تم کیوں شرمندہ ہوتے ہو، میں بھائی جان کی کیفیت سمجھتا ہوں، انہوں نے ساری عمر جو کیا میں اس سے بھی انجان نہیں بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ تمہیں تمہارے باپ بھائیوں کے نقش قدم پر چلنے سے بچائے۔" اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے انہوں نے اداس نظر سے ان کے گھر کو آخری بار دیکھا تو وہ تیزی سے بولا۔

"چچا پلیز تعلق مت توڑیئے گا، یہ سب وقتی باتیں ہیں۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر چلے گئے، عبداللہ تو اس رشتے کو اور بھی مضبوط کرنا چاہتا تھا مگر تعلقات میں کشیدگی آ گئی تھی، وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔

☆☆☆

آج صبح مجھے یازش کے دو آرٹیکل موصول ہوئے تھے، جنہیں اسی وقت میں کمپوز کروا رہا تھا، وہ جتنا جامع اور مفصل لکھتی تھی اتنی ہی لکھنے کی چور تھی، میں اسے بتانے کا سوچ رہا تھا کہ تمہارے آرٹیکل مل گئے ہیں کہ آپی کا فون آ گیا، اس بار کافی دن ہو گئے تھے اور میں نے گھر کا چکر نہیں لگایا تھا ان کا فون بھی اسی سلسلے میں تھا، انہیں ویک اینڈ نبٹانے کا سوچتے ہوئے اردو بازار جانے کا ارادہ بنا لیا۔

اردو بازار جسے یازش میرا "سسرال" کہتی تھی، میرا اصل کام ہی یہیں تھا، میں جب کبھی اسے بتاتا کہ اردو بازار میں ہوں تو جانے وہ چڑ کیوں جاتی تھی۔

"بس یہیں کی خاک چھانتے رہنا۔" مجھے اس کی جھنجلاہٹ بہت لطف دیتی تھی، اب بھی میں اپنے سسرال جانے کے لئے اپنی سیٹ سے اٹھ گیا، پروف کا تھوڑا سا کام رہتا تھا، جسے میں نے رینہ کے سپرد کیا اور خود نیچے چلا آیا، کاروپڈور میں عنایت صاحب مل گئے، عنایت صاحب نام کے ہی کام کے بھی عنایت تھے خوامخواہ دوسروں پر عنایتیں، جی نہیں کرتے نہیں تھے، کرواتے تھے وہ بھی زبردستی، خصوصاً میرے ساتھ تو لازمی انہوں نے کہیں نہ کہیں جانا ہوتا تھا۔

"ارے میاں! کہاں کو چلتے ہیں، ٹھہریئے گا ذرا۔" اپنا حیدر آبادی کرتا شلوار سنبھالتے وہ تیزی سے میری طرف لپکے۔

"اوہ شٹ...... میں نے جس راہ کا انتخاب کیا، اس کے ہر موڑ پر کھڑے تم تھے۔" میں نے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"جا رہے ہیں تو ہمیں بھی ڈراپ کر دیجئے گا چوبرجی تک۔"

"آیئے محترم!" اپنی بائیک پہ دم بھری نگاہ ڈال کر میں نے ان کی بوریت بھری باتیں سننے کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کیا، معاً اسی وقت یازش کی کال آ گئی، جسے منقطع کر کے میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور اسے خود فون کیا۔

"ہیلو السلام علیکم!" اس کی کھنکتی آواز ہوا کے دوش پر اڑتی ہوئی بہت خوب صورت لگی، میرا موڈ ایک دم بہت خوش گوار ہو گیا، عنایت صاحب بیزار سے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔

"وعلیکم السلام! کیا حال ہے جناب کا؟"

"کیا حال مطلب...... وہی ہڈی ہے وہی کھال ہے، کیا ہو رہا ہے؟"

"اردو بازار جا رہے ہیں۔" میں نے مسکراہٹ لبوں میں دبائی۔

"آپ بس اسی کام کے لئے دنیا میں آئے ہیں، ہمارے آرٹیکل مل گئے۔"

"جی...... صبح ہی ملے ہیں۔"

"دیکھ لئے؟ ٹھیک ہیں؟" وہ ٹھیک لکھ کر بھی پریشان ہی رہتی تھی۔

"ہوں...... تم نے لکھے تو ظاہر ہے ٹھیک ہی لکھے ہوں گے۔"

"یعنی آپ نے پڑھے نہیں۔"

"پڑھ لئے ہیں محترمہ! تم کیا کر رہی تھیں؟"

"ناول پڑھ رہے ہیں رفعت کا۔"

"کون سا؟ دل دیا، دہلیز۔" میں نے ہی اسے پوسٹ کیا تھا۔

"جی، ہم نے اس لئے کال کی عائشہ کا میسج آیا تھا اسے ابھی تک کالم نہیں ملا؟"

"مل گیا ہو گا یار، پرسوں ہی دے دیا تھا۔"

"تو کیا وہ جھوٹ بول رہی ہے؟"

"نہیں میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" میں نے چڑ کر کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

"خفا کیوں ہوتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی اور میں مبہوت سا تھا اس کی ہنسی سن کے۔

"روکو...... روکو میاں۔" چوبرجی آنے سے پہلے ہی عنایت صاحب نے شور مچا دیا تھا، میں نے بائیک ایک طرف کر کے انہیں اتارا۔

"شکریہ میاں۔"

"یہ میاں کسے کہا انہوں نے؟" وہ بدستور ہنس رہی تھی۔

"مجھے اور کسے کہنا تھا۔"

"کس کا میاں؟"

"یازشش اصرار کا؟" اب میں بھی ہنس رہا تھا۔

"منہ دھو رکھیں۔"

"نہا کے آئے ہیں میڈم!"

"ہمارے کوئی میاں ویاں نہیں ہیں۔"

"میاں تو نواز شریف صاحب ہی ہیں، ہم مجازی خدا ہیں آپ کے۔"

"اچھا اچھا اب پٹڑی سے مت اتریں۔" وہ خفیف سی ہو گئی۔

"او کے نہیں اترتے، کوئی نیا ناول بتاؤ۔" اس کی جھینپ مٹانے کو میں نے بات بدلی۔

"اس وقت تو ذہن میں کوئی نہیں ہے۔"

"تم نے عبداللہ پڑھا ہے؟"

"کس کا ہے؟"

"ہاشم ندیم کا...... زبردست ناول ہے یار، پڑھ کے دیکھنا، بھیجوں کیا۔"

"یہ نام تو میں نے فرسٹ ٹائم سنا ہے، کوئی جاسوسی ناول ہے۔"

"نہیں رومانوی ہے اور سچ یازش، محبت ہو تو ایسی میں وہی بھیجتا ہوں تمہیں دل کی آنکھ سے پڑھنا۔"

"او کے بھیج دیں اور کوئی نئی بات۔"

"تھنگ اسپیشل۔"

"آج کیا کیا؟"

"پہلے آفس پھر مارکیٹ نیا سیل فون لینا تھا، پھر "حریت" اب اردو بازار۔"

"آرٹیکل کا پتہ کروائیں میں عائشہ کو میسج کروں گی۔"

"او کے جناب اور کوئی حکم۔"

"فی الحال تو کوئی نہیں، او کے اللہ حافظ۔"

"اے اے بات سنو؟"

"اب کیا ہے؟"

"بڑی مطلبی ہو تم سے۔"

"تعریف کا شکریہ۔" وہ پھر ہنسی۔

"ویسے یازش ایک بات کہوں؟"

"جی ضرور۔"

"تم ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔" میرا لہجہ جذبات سے بوجھل تھا۔

"پتہ ہے پتہ ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فون آف کردیا۔

"خوب صورت مگر..... سنگدل۔" میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

☆☆☆

تقریباً پندرہ روز کے بعد وہ گھر آیا تھا۔

ایک تو سفر کی تھکان تھی اور دوسرے اسے باوجود چاہنے کے پاکستان جانے کی اجازت نہیں مل رہی تھی وہ بہت مایوسی محسوس کر رہا تھا، دروازہ حذیفہ نے کھولا تھا، وہ کتنی ہی دیر تک اس کے گلے لگا رہا۔

"بھیا تم آ گئے۔" زرمینے اپنے سینے پرونے کا کام چھوڑ کر بھاگی آئی تھی، اس نے سلمان شاہ کی شدت سے کمی محسوس کی۔

"ماں جی کہاں ہیں؟" اس نے حذیفہ سے پوچھا اور زرمینے کے سر پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں صاف کیں۔

"اندر کمرے میں ہیں؟ ان کی طبیعت کچھ بہتر نہیں۔" وہ آہستگی سے بتانے لگا۔

"کیوں کیا ہوا انہیں؟" دل ایک دم بے چین ہوا تھا۔

"بھیا اتنے دن بعد کیوں آئے ہو، ماں جی بہت پریشان تھیں۔"

"زرمینے؟ حمزہ کے لئے کھانا لے آؤ۔" حذیفہ نے اسے خاموش کروایا۔

"جی اچھا۔" وہ فوراً باورچی خانے میں چلی گئی، حمزہ زینت بی بی کے کمرے میں آیا۔

"بابو جی نماز پڑھنے گئے ہیں۔" وہ استفسار کرنے لگا تھا مگر حذیفہ نے پہلے ہی بتا دیا۔

"ماں جی۔" اس نے اپنی ماں کی پیشانی پر ہاتھ رکھا جو گرم ہو رہی تھی۔

"آ گیا حمزہ۔" اس کی نحیف آواز گلوگیر ہو رہی تھی۔

"جی ماں جی، آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ تو بہادر بیٹے کی بہادر ماں ہیں بیمار کیوں پڑ گئیں۔" وہ اس کے سرہانے بیٹھ گیا، زینت نے اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا کر نرمی سے بوسہ لیا۔

"حمزہ! وہ باؤلے کتوں کی طرح تیری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔"

"کون ماں جی؟" اس نے زرمینے کو دیکھا، جو کھانا چن رہی تھی۔

"بھیا! ہاتھ دھو کر کھانا کھا لو پہلے؟"

"ماں جی بھارتی فوج کی بات کر رہی ہیں۔" وہ ہاتھ دھونے لگا، اسی وقت عظام شاہ چلے آئے۔

"تم گھر کیوں آئے ہو حمزہ۔" وہ اسے دیکھ کر بے حد پریشان ہوئے۔

"کیوں بابو جی، کیا ہوا؟"

"تیرا گھر پر رہنا خطرے سے خالی نہیں، تمہیں علم نہیں کہ انڈین آرمی تمہاری تلاش میں گھر میں دو بار چھاپہ مار چکی ہے۔" وہ مضطرب تھے۔

"نہیں بابو جی، مجھے علم نہیں۔" اس نے پہلا نوالہ توڑ کر منہ میں رکھا۔

"باہر انڈین فوج کی گاڑی گشت کر رہی ہے۔" حذیفہ یہی دیکھنے کے لئے باہر گیا تھا آتے ہی جلدی سے بتایا۔

"وہ یہاں ضرور آئے گی حمزہ اٹھ جاؤ فوراً۔" عظام شاہ نے بوکھلا کر اس کے ہاتھ سے نوالہ لے کر پلیٹ میں رکھا اور اسے کھینچ کر کھڑا کیا۔

"ماں جی....." وہ تو ٹھیک طرح سے اپنی ماں سے مل بھی نہ پایا تھا۔

"وقت بہت کم ہے بیٹا!" عظام شاہ اسے عقبی دروازے کی طرف لے جانے لگے، دفعتاً

گھر کا داخلی دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا گیا، باہر انڈین فوج تھی۔

"حمزہ میرے بیٹے۔" زینت کی بوڑھی آنکھیں برسنے لگیں اور عظام شاہ اسے کھینچتے ہوئے مشرق کی طرف لے گئے جہاں ان کے جاننے والے کا گھر تھا، اس کے لئے اس کا اپنا گھر اجنبی ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اس کے بھائی ریحان کی موت نے اس کا دل ہر شے سے اچاٹ کر دیا تھا، اس کے دونوں بھائی ریحان کی موت سے دل برداشتہ ہو کر اور کچھ مجاہدین کے خوف سے جموں چلے گئے تھے، عبدالاحد بھی بہت کم گھر آتے تھے، وسیع و عریض گھر سے تنہائی اور اداسی کے سوا کچھ نہ تھا، اس کی نانی کی طبیعت بگڑ گئی تھی اور اس کی امی پچھلے دو ہفتوں سے ماموں کے گھر گئی ہوئی تھیں، اس کا مصوری کا شوق بھی دم توڑ گیا تھا، اب اس کے کمرے میں صرف رابعہ کی تصویر تھی یا اس کی یادیں، وہ خاموش نظروں سے اس کی تصویر کو دیکھتا رہتا یا کبھی بالکونی میں آ کر گھٹنوں آسمان کو۔

اس روز جمعرات تھی اور وہ سید صاحب کے درس میں شرکت کے لئے چلا آیا، وہ اپنی دھن میں مگن پھولوں کے کنج پہ اڑتی تتلی کو دیکھتا چلا آ رہا تھا، جب اس نے سیاہ چادر کے ہالے میں تیز تیز قدموں سے سید صاحب کے گھر جاتی رابعہ کو دیکھا۔

"رابعہ!" اسے سامنے دیکھ کر وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا تھا اور بے ساختہ پکار لیا، وہ ٹھٹھک کر رکی اور پھر اسے دیکھنے لگی پورے ڈیڑھ ماہ بعد وہ رابعہ کو دیکھ رہا تھا، رابعہ نے دائیں ہاتھ سے نقاب کر کے چادر کو تھام رکھا تھا مگر عبداللہ کی پکار پر گھبرا کر نقاب چھوڑ دیا، وہ بھاگتا ہوا اس تک پہنچا۔

"کیسی ہو تم؟" اسے بے تحاشہ خوشی ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" جانے کیوں رابعہ کا چہرہ رویا رویا سا لگ رہا تھا۔

"گھر میں سب کیسے ہیں، چچا، چچی، شاہینہ باجی، نادیہ۔"

"سب اچھے ہیں، شاہینہ باجی کی تو رخصتی ہو گئی پچھلے ہفتے۔" اس نے بتایا تو وہ حق دق رہ گیا ان کے بغیر شاہینہ باجی کی شادی ہو گئی تھی، وہ شکوہ کرنے لگا۔

"تم لوگوں نے بتانا بھی گوارہ نہ کیا۔"

"تاریخ طے ہونے کی خبر تھی نا تم سب کو اور پھر تمہارے پاپا جی نے ہر تعلق تو توڑ دیا ہم سے پھر ہم کس ناطے بلاتے تم لوگوں کو، ہٹو مجھے جانے دو۔" اس نے نقاب برابر کیا اور سخت لہجے میں کہہ کر آگ بڑھنے لگی۔

"رابعہ!" وہ اس کی اجنبیت پر حیران رہ گیا۔

"تعلق پاپا نے توڑا میں نے تو نہیں، مجھ سے کیوں اس طرح کر رہی ہو۔"

"کیا تم اپنے پاپا کے کچھ نہیں لگتے، کیا ریحان بھائی تمہارے بھائی نہیں تھے، تمہارے پاپا میرے بابا جان کو قاتل کہتے ہیں اور قاتلوں سے کوئی سمبندھ نہیں ہوتا۔" وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگی۔

"پلیز رابعہ! اتنے عرصے بعد تمہیں یوں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا تھا مگر تم نے تو....."

"عبداللہ! میں بھلا چکی ہوں کہ ہمارے کوئی تایا بھی تھے۔" کتنی پتھر ہو رہی تھی وہ۔

"پاپا نے وہ سب غصے میں کہا تھا۔" وہ اس کے قدموں سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب غصہ تھا مگر جب بابا جان دوبارہ ان سے ملنے گئے تب بھی تمہاری امی اور پاپا نے انہیں خاصا بے عزت کر کے گھر سے نکالا، وہ کہتے ہیں تم نے عبداللہ کو بھی دہشت گردی والی تربیت دینی شروع کر دی ہے، وہ کہتے ہیں اللہ نے تمہیں بیٹے نہیں دیئے اس لئے تم اپنے بھائی سے حسد کرتے ہو، کیا یہ باتیں کہنے والی تھیں عبداللہ۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہنے لگے تھے، عبداللہ شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا، گو کہ اسے چچا کی دوبارہ آمد کے متعلق قطعی خبر نہیں تھی۔

''ہم کیوں تم لوگوں سے حسد کریں گے؟ امیری غریبی تو خدا کی دین ہے، ہمارے پاس تم لوگوں جیسی جاہ وحشمت نہیں لیکن تم سے پھر بھی کئی درجے بہتر ہیں۔''

''رابعہ! بخدا میں نہیں جانتا کہ چچا.....'' اس نے بمشکل کہا۔

''ہم نے تمہیں خود سے بلایا ہے کبھی تم خود آتے تھے ہمارے گھر ہم نے کبھی تمہیں کچھ سکھایا نہیں، ہمارا کوئی مفاد نہیں وابستہ تم سے پھر بھی تم لوگ، تمہاری امی نے مجھ پر الزام تراشی کی کہ میں نے تمہیں..... ایک باپ کے لئے یہ مرنے کا مقام ہے عبداللہ کے ان کے اپنے لوگ ان کے سامنے ان کی بیٹی کے کردار پر یوں کیچڑ اچھالیں، میں تایا جی اور تائی صاحبہ کو اتنا گرا ہوا نہیں سمجھتی تھی، کاش کہ وہ نکتہ نظر پہلے واضح کر دیتے تو ہم کبھی تمہیں اتنا عزیز نہیں رکھتے، میں کیا ہم سب بھلا چکے ہیں عبدالاحد ڈار اور ان کی فیملی کو، بہتر ہے کہ تم بھی بھلا دو۔'' اس نے رک کر کہا۔

''یہ ناممکن ہے رابعہ!'' اس کی شرمندگی پر غصہ غالب آنے لگا۔

''اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔'' وہ جو پھولوں کی کنج پہ تتلیوں کا رقص دیکھ رہی تھی پلٹ کر اسے دیکھا۔

''لیکن عبداللہ کے لئے رابعہ کو بھلانا ناممکن ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''فضول باتیں مت کرو۔''

''یہ فضول بات نہیں میری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔''

''تمہاری عمر اس کام کے لئے موزوں ہے نہ ایسی باتوں کے لئے۔''

''وہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے ہمارا راستہ تو ازل سے جدا ہے۔''

''رابعہ! عبداللہ ڈار کو ایک ہی راستے کا علم ہے بس اور وہ رابعہ تک آتا ہے، جانتی ہو میں تمہارے گھر صرف تمہاری وجہ سے آنے لگا تھا پھر سب عزیز ہو گئے مگر وجہ تم بنی تھیں، میں نے کبھی اللہ سے کچھ نہیں مانگا نہ مجھے طلب ہوئی کبھی، مگر تمہیں مانگنے لگا ہوں، تم نے مجھے دعا کا سلیقہ سکھا دیا ہے مانگنے کے ہنر بتا دیا ہے اور تم کہتی ہو راستے جدا ہیں۔''

''عبداللہ..... عبداللہ تم بات کو سمجھتے کیوں نہیں ہو، یہ ناممکن ہے۔'' وہ زچ ہونے لگی۔

''یہ قطعی ناممکن ہے کیونکہ.....''

''کیونکہ.....''

''کیونکہ..... بابا جان نے ابوجندل بھائی کے کزن کے ساتھ میرا بھی رشتہ طے کر دیا ہے، وہ بھی مجاہد ہیں۔''

''رابعہ!'' اسے لگا کسی نے پوری کائنات اس کے سر پر دے ماری ہو۔

''اور تم جانتے ہو مجھے مجاہد بہت اچھے لگتے ہیں، آزادی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے

والے جانباز۔''

''چچا جان ایسا نہیں کر سکتے رابعہ! میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

''تمہارے اور ہمارے طرز زندگی اور نظریہ حیات میں بہت فرق ہے عبداللہ! بابا جان کو علم ہے نہ تم کبھی ہم جیسے بن سکو گے نہ ہم تمہارے جیسا تو پھر؟''

''میں تو اپنے گھر والوں سے الگ ہوں نا رابعہ! مجھ میں اور ان میں تو بہت فرق ہے، پہلے نہیں تھا اب تو آ گیا ہے، اب میں تو مذہب کے بھی قریب ہو رہا ہوں۔'' وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا، آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

''میں نے تعلیم کو بھی خیر باد کہہ دیا ہے۔'' کچھ دیر بعد وہ بولی۔

''کیوں کر رہی ہو تم یہ سب؟''

''اس لئے کہ یہ سب میری قسمت میں ہے، مجھے دیر ہو رہی ہے عبداللہ! درس شروع ہو جائے گا۔'' وہ کہہ کر چلنے لگی عبداللہ کے قدموں میں سکت نہیں رہی تھی وہ وہیں ہارے ہوئے جواری کی طرح ایک پتھر پر بیٹھ گیا، اس کا دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، وہ عام سا کشمیری ہوتا تو رو بھی لیتا لیکن وہ عبدالاحد ڈار کا بیٹا تھا۔

☆☆☆

میں اس وقت پرانی کتابوں کے اسٹال کے پاس کھڑا میگزین کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، جب آصف نے مجھے دیکھ کر دور سے ہاتھ ہلایا اور اپنی شاپ میں آنے کی دعوت دی، میں نے انتظار کا اشارہ کیا اور نکالے گئے میگزین کی قیمت ادا کر کے آگے بڑھنے لگا تھا کہ اچانک ہی نگاہ بانو قدسیہ کے ناول کی پر پڑی میں نے وہ اٹھایا اور اس کی قیمت بھی ساتھ ادا کر دی، مجھے ہمیشہ کتابوں کو خرید کر ذہنی آسودگی حاصل ہوتی تھی لیکن یہ تو تھا بھی یازش کے لئے جس کے لئے کچھ خریدتے ہوئے مجھے بے حد فخر ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی فرمائش کرے لیکن جانے وہ عام لڑکیوں سے اتنی مختلف کیوں تھی؟ مگر نہیں..... وہ عام لڑکی تھی بھی کہاں؟ گو کہ اس میں عاجزی بہت تھی پر میں نے کم از کم آج تک اس جیسی لڑکی نہیں دیکھی تھی، جب اسے کہتا تو وہ لاپرواہی سے ہنس دیتی جیسے کسی اور کی تعریف کر رہا ہوں۔

''خیریت تو ہے صاحب! چپکے چپکے مسکرائے جا رہے ہیں۔'' اسٹال والے نے شرارت سے کہا تو میں خفیف سا ہو کر آصف کی شاپ میں چلا آیا۔

''تم کب آئے؟'' آصف نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا، میں پچھلے تین چار دنوں آپی کے گھر گیا ہوا تھا، آپی کے میاں صاحب کا معمولی سا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، یہ تین دن میں نے وہیں گزارے تھے اور آج صبح ہی لاہور واپس آیا تھا۔

''آج صبح۔'' اس کی دکان پر طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، اس نے کسٹرکشن کچھ کام کروایا تھا، اس لئے دکان کی شکل نکل آئی تھی، وہ گرافکس ڈیزائنز تھا، میں بھی اکثر سرورق وغیرہ کے سلسلے میں اس کی خدمات حاصل کرتا رہتا تھا، اس وقت بھی میں اپنی کتاب ''مسیحا'' کے سرورق ڈیزائننگ کے لئے اس سے تبادلہ خیال کرنا چاہ رہا تھا۔

''اور گھر میں سب خیریت ہیں، بھابھی ٹھیک ہیں، صاحبزادے کا نام کیا رکھا ہے؟''

''ہاں سب خیریت ہے الحمدللہ..... عبدالرحمٰن نام رکھا ہے۔'' اپنے بیٹے کے ذکر پر اس کے ہونٹوں پر مشفقانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پہلے تو کچھ اور نہیں کہا تھا تم نے۔" میں کمپیوٹر سے چھیڑ خانی کرنے لگا۔

"ہاں..... وہ سر صاحب کے ذوق پر پورا نہیں اترا، اس لئے بدل لیا، تمہارا فون بج رہا ہے غالباً۔" اس نے توجہ مبذول کروائی۔

"یہ تو بجتا ہی رہتا ہے۔" میں نے سائیڈ جیب سے سیل نکال کر نمبر چیک کیا، اجنبی نمبر تھا، موڈ ڈراپ کرنے کا تھا مگر پھر او کے کا بٹن پش کر دیا۔

"طلوع سحر۔" نسوانی آواز پر میں قدرے محتاط ہوا۔

"جی کہیے۔" یہ میرا تکیہ کلام تھا جس کا یازش اکثر مذاق اڑاتی تھی۔

"میں عالیہ غزال بات کر رہی ہوں۔"

"جی۔" میں نے یاد داشت میں عالیہ غزال کو کنگھالا مگر بے سود۔

"دیکھیں جی میں ایک رائٹر ہوں، معروف رسالوں میں لکھتی ہوں، اب اپنے ناولز کو کتابی شکل میں لانا چاہتی ہوں۔"

"جی بہتر..... میں اس سلسلے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟"

"خدمت کیا مطلب..... میں اپنی کتاب پبلش کروانا چاہتی ہوں آپ کے ادارے سے۔" وہ جانے کیوں برا مان گئی حالانکہ میں نے ابھی کچھ کہا بھی نہ تھا۔

"دیکھیں محترمہ! آج کل ہر دوسری لکھاری خاتون کو ہی کتاب پبلش کروانے کا مرض لاحق ہے، سمجھ نہیں آتا کتاب کو عام کیوں بنا لیا گیا ہے؟"

"وہ جی میرا مسئلہ نہیں ہے، جو ایویں سی رائٹر ہوئی ہیں انہیں کہیے گا، میں تو بڑی رائٹر ہوں۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

"کتنی بڑی؟" مجھے ہنسی آنے لگی، آصف مجھے مصروف دیکھ کر خدمت مدارت کی غرض سے باہر نکل گیا۔

"میں خود تو بڑے میگزینز کی رائٹر ہوں۔" اس نے کئی معروف جریدوں کے نام لئے۔

"میری بڑی ڈیمانڈ ہے جی، ایویں سے رسالوں کو تو میں گھاس بھی نہیں ڈالتی۔"

"جی اچھا۔" میں نے بیزار ہو کر سر ہلایا تھا متاثر ہو کر نہیں، ہر دوسرے دن ہی کسی بڑی رائٹرز کی پبلشرز کو کالز آنا اب عام ہو چکا تھا، ہر فضول سے فضول لکھاری صاحب کتاب بن رہا تھا، یہ ٹرینڈ مجھے بہت پریشان کرتا تھا۔

کیا کتاب کی اشاعت ہی لکھاری کا معیار بناتی ہے، خوانخواہ میں پیسہ برباد کرنے والی بات ہے یہ تو..... ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ہر کوئی اسی مرض میں مبتلا نظر آتا تھا، اصل لکھاریوں کی پہچان کہیں کھو کر رہ گئی تھی۔

"دیکھیں اس وقت میں ایک میٹنگ میں ہوں، آپ اس سلسلے میں کل دوپہر دو بجے کال کر لیں۔" اس کی میں میں سے تنگ آ کر میں نے جان چھڑائی۔

"ویسے تو دوسرے اداروں سے بھی مجھے آفرز آئی ہیں لیکن میں آپ کے ادارے کو ٹرائی کرنا چاہتی تھی، آپ حساب کتاب میں اچھے ہیں۔" وہ اب چاپلوسی پر اتر آئی۔

"یہ میری دوست نگہت نیاز نے بتایا ہے، وہ بھی رائٹر ہے۔"

"میں نے آپ سے کہا نہ اس ٹاپک پر کل بات ہوگی۔" لڑکی خوانخواہ کمبل ہو رہی تھی۔

"او کے جی، کل دو بجے کہا نہ، یاد رکھیئے گا، عالیہ غزال نام ہے۔"

"جی بہتر محترمہ۔" یہ کہنے کے ساتھ ہی میں

نے لائن منقطع کر دی، سر میں درد شروع ہو گیا تھا۔

"جس خاتون کو ڈھنگ سے بات کرنی نہیں آتی، وہ لکھتی کیا ہوگی لاحول ولاقوۃ..... اردو ادب پہ کتنا برا وقت آ گیا ہے۔"

"کیا ہو گیا یار، بڑبڑا کیوں رہے ہو؟" آصف چائے سمیت داخل ہوا تھا۔

"ایک مصنفہ صاحبہ کی کال تھی، بک پبلش کروانا چاہ رہی ہیں۔"

"ایک پبلشر کے پاس اسی طرح کی کال آ سکتی ہیں اور کیا تجھے کسی نے ڈیٹ پہ بلانا ہے۔"

"بکواس نہیں۔" مجھے ہنسی آ گئی۔

"یہ لڑکیاں کتنا بڑھ بڑھ کر بولتی ہیں یار جیسے ہم تو اردو بازار میں بیٹھ کر گھاس کھودتے ہیں۔" میں نے چائے کا کپ اٹھایا۔

"پہلے پبلشرز خود رابطے کرتے تھے رائٹرز سے، کتنی عزت ہوتی تھی لکھاریوں کی بھی اور اب، لکھاری مرے جاتے ہیں بک لانے کے لئے پچھلے ماہ ایک صاحب شاعری کی بک پبلش کروانے کے لئے لائے تھے میرے پاس، کیا نام تھا بھلا سا۔" میں نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

"بس یار اندھی تقلید کی قائل ہے ہماری قوم۔"

"ہاں..... پتھروں کے رستے میں..... ہاہا ہا۔" یاد آنے کے ساتھ ہی مجھ پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا، میں نے دو چار شعر بھی یاد کئے تھے، ایک تھا۔

کتنی اچھی لگتی ہے وہ
تکیے پہ غلاف چڑھاتے ہوئے

اب کے آصف نے بھی میرے ساتھ قہقہہ لگایا تھا۔

"نثری شاعری کا بیڑہ غرق کر دیا ہے قسم سے۔"

"خیر یوں کسی کا مذاق نہیں اڑاتے۔" اس نے ہنسی روک کر کہا۔

"یار اپنا مذاق خود بنواتے ہیں لوگ، بھلا ضرورت ہی کیا اس طرح کے کارنامے انجام دینے کی جو لوگ کہتے ہیں لکھاری اور شاعر پیدائشی ہوتے ہیں وہ غلط تو نہیں کہتے مگر نام وری حاصل کرنے کے جنون میں سب بھاگ رہے ہیں ایک دوسرے کے پیچھے۔"

"اچھا چھوڑ..... تو یہ سرورق دیکھ۔" اس نے میری توجہ کمپیوٹر کی اسکرین کی طرف دلائی تو میں سنجیدہ ہو کر خامیاں تلاشنے لگا۔

☆☆☆

صرف حمزہ شاہ ہی نہیں ان کا پورا گروپ انڈین آرمی کی نظر میں آ چکا تھا، بھارتی فوجی ان کی تلاش میں گھر گھر چھاپے مار رہے تھے اس لئے اب ان کے لئے اپر گراؤنڈ میں کام کرنا ممکن نہیں رہا تھا، ابو جہاد نے انہیں انڈر گراؤنڈ یونٹ میں شامل کر لیا تھا، ان کے امیر ابھی بھی ابو عمر تھے، ان کا زیادہ تر وقت اب ہائیڈ آؤٹ میں گزرتا تھا، مہینے بعد وہ گھر کا چکر لگا لیتا تھا مگر کچھ ہی دیر کے لئے، وہ صرف اپنے پیاروں سے ملنے ہی جاتا تھا، وگرنہ اس کا دل نہیں لگتا تھا گھر میں۔

یہ رمضان المبارک کے اوائل دن تھے، فضاء بحر و بر پہاڑ، درخت، پھول غرضیکہ پوری کائنات پر ایک وجد سا طاری تھا، وہ اور عثمان یونہی ہوا خوری کے لئے ہائیڈ آؤٹ سے باہر نکل آئے ان کی دوستی پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئی تھی، عثمان اپنے دل کی بہت سی باتیں اس سے کرنے لگا تھا، بلکہ دو دن پہلے اسے تاشقہ کا خط بھی ملا تھا جو اس نے حمزہ کو پڑھ کر سنایا تھا، وہ لڑکی واقعی اپنے سینے میں بے حد درد مند دل رکھتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی، اس نے لکھا تھا۔

"میں یہاں جماعت کے میگزینز میں مجاہد بھائیوں کی فدائی کارروائیوں کا احوال پڑھتی ہوں تو میرا بہت دل چاہتا ہے میں بھی ان رزیلی فوجیوں سے جا کر جہاد کروں، اپنے لوگوں میں کلمہ جہاد کی صدا کو بلند کروں، ہمارا دین ہمیں کفر کے خلاف جہاد اور تلوار اٹھانے کا حکم دیتا ہے، عثمان اور میرے لوگ اسے قتل و غارت کا گری کہنے لگے ہیں، کفر کے خلاف جنگ کرنا دہشت گردی نہیں ہے نا عثمان جبکہ دہشت گرد تو وہ لوگ ہیں، جانوروں سے بھی بدتر، کاش میں ان سے بدلہ لے سکتی، کاش میں اپنے مجاہد بھائیوں کا ساتھ دے سکتی، تمہیں ان وحشی اور عزت کے لیٹروں سے اپنی ان ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی آبرو کا بدلہ لینا ہے، جو ظلم کی چکی میں پس رہی ہیں، تم نے مجھے محترم امیر حمزہ کی کتاب دی تھی نہ عثمان "کشمیری عورت اور امریکہ" میں نے اسے برستی آنکھوں سے پڑھا ہے، میرا سینہ شدت غم سے پھٹ رہا تھا، کون ابن قاسم آئے گا ان کی آبرو تحفظ کرنے، اگر سب شاہ رخ، سلمان خان بننے لگے تو محمود غزنوی اور غوری کا حق کون ادا کرے گا؟" ان کی ایمان افروز باتیں پڑھ کر عثمان کو اپنے نصیب پر بہت فخر ہوا تھا اور وہ بار بار اس کا تذکرہ کرتا رہا، اب بھی وہ اسی کا ذکر کر رہا تھا۔

"تاشفہ بھی اکیسویں صدی کی لڑکی ہے، لیکن اس کا دل سونے کا ہے حمزہ! وہ آج کل کی لڑکیوں کی طرح نہ فیشن کی دلدارہ ہے نہ فلمی ہیروز کی، نجانے کیا ہو گیا ہے میرے وطن کے لوگوں کو، ان کی بے حسی اور لاتعلقی کی وجہ سے ہمارا کشمیر ہم سے جدا ہے، لیکن آخر کبھی نہ کبھی تو ظلم کی سیاہ رات کٹے گی اور ہم سب کشمیر کی آزادی کا سورج طلوع ہوتا دیکھیں گے انشا اللہ۔" ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے وہ ساکت ہوا کو چھو کر کہہ رہا تھا۔

"انشا اللہ۔" حمزہ نے اثبات میں سر ہلایا، پھر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"عثمان! میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔"

"کیا؟" وہ ہمہ تن گوش تھا۔

"اس وقت ہم فارغ ہی ہیں کیوں نہ "ٹائم بم" بنائیں۔"

"ٹائم بم۔" وہ حیران ہوا۔

"مگر ہم کیسے؟"

"بس میرے ساتھ آؤ تم۔" اس نے عثمان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور ہائیڈ آؤٹ میں جا کر ٹفن خالی کرنے لگا، عثمان خاموش نظروں سے اس کی کارروائی دیکھ رہا تھا، ایک ساتھی اپنے گھر والوں کو خط لکھنے میں مگن تھا اور باقی دو باتیں کر رہے تھے جبکہ ابوعمر اشراق کی نماز ادا کر رہے تھے، حمزہ نے ایک نظر ان پر ڈالی اور ڈبوں میں بارود بھرنے لگا۔

"یہ کیا کر رہے ہو حمزہ؟" عثمان کو ہنسی آئی۔

"بس تم دیکھتے جاؤ۔" اس نے ایک جگہ سے تاریں اٹھائیں اور ان کو آپس میں جوڑ کر ٹائم بم کی شکل دینے لگا کہ انہیں سلیم سامنے لکڑیاں چنتے ہوئے نظر آ گیا۔

"اب کام زیادہ آسان ہو گیا ہے۔" حمزہ نے مسکرا کر سلیم کو آواز دی، سلیم انہیں اکثر اشیائے خورد و نوش فراہم کرتا تھا، وہ کوڈ ورڈ میں اسے "پاء جی" کہتے تھے۔

"جی حمزہ بھائی!" وہ فوراً ہی بھاگا آیا۔

"یہ انڈین آرمی کے کیمپ کے پاس رکھ آؤ۔"

"یہ کیا ہے جی۔" وہ حیران ہو کر ٹفن کو

کھنے لگا۔

"ان کے لئے تحفہ ہے، تم رکھ آؤ جلدی سے۔" حمزہ نے کہا تو وہ سر ہلا کر نیچے پلٹ گیا۔

"آؤ اب تماشہ دیکھتے ہیں۔" حمزہ نے عثمان کا ہاتھ تھاما اور جھاڑیوں کی اوٹ میں جا کر بیٹھ گئے، کیمپ قدرے دور تھا، سلیم نے راستے میں ہی ٹفن رکھ دیا، شاید وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔

"اوفوہ..... یہ تو ڈر گیا بیچارہ۔" عثمان نے اسے دیکھا، کچھ ہی دیر بعد مقامی کشمیریوں کا گزر ہوا اور وہ ٹفن کے پاس رک گئے، غالباً وہ سمجھ رہے تھے کہ اس میں کھانا وغیرہ ہو گا اور کسی راہ گزر سے گر گیا ہے، انہوں نے ٹفن اٹھا لیا اور چلنے لگے۔

"حمزہ یار! کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔" عثمان کو کشمیریوں کی فکر لگ گئی۔

"کچھ نہیں ہوتا انشا اللہ۔" حمزہ کا دل مطمئن تھا، اسی وقت انہوں نے ٹفن کھولا اور اس میں بارود دیکھ کر بوکھلاتے ہوئے بھاگ گئے، کچی سڑک پر آرمی کا کانوائے آ رہا تھا ان میں سے کچھ فوجیوں کی نگاہ ان پر پڑی تو انہوں نے ان لوگوں کو متوجہ کیا۔

"یہ سالے کیا پھینک کر جا رہے ہیں۔" دونوں فوجی بھاگتے ہوئے ٹفن تک آئے، حمزہ اور عثمان خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہے تھے، ان کے ساتھ تین اور فوجی بھی آ گئے، ایک نے بارود سے بھرا ٹفن کھولا۔

"یہ تو ٹائم بم لگتا ہے سالے ہمیں دیکھ کر پھینک گئے۔"

"اسے ناکارہ کر دو۔" دوسرے نے جلدی سے پیلا ڈھکن کھولنا چاہا، پہلی ہی حرکت پر ایک زوردار دھماکہ ہوا، وہ پانچوں فوجی ہوا میں اچھلے اور ان کے جسم کے ٹکڑے چاروں طرف بکھر گئے۔

"الحمدللہ۔" حمزہ اپنے مقصد کی کامیابی پر مسرور تھا۔

"خس کم جہاں پاک۔" عثمان نے تھپکی دے کر داد دی۔

☆☆☆

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے
پھر اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
جب بستی بستی صحرا تھی
ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سر سنگیت میں سوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
جب فصل کٹی تو کیا دیکھا
کچھ زخمی خواب تھے آنکھوں میں
کچھ درد کے ٹوٹے گجرے تھے
ہم خوابوں کے بیوپاری تھے
پر اس میں ہوا نقصان بڑا

وہ بمشکل صحت یاب ہوا تھا، بدن کے زخموں کی شدت نے اسے ایک ماہ تک نڈھال رکھا تھا، لیکن بدن کے ناسور تو بھر جاتے ہیں، مندمل ہو جاتے ہیں، وقت گزرنے کا ساتھ ساتھ ان پر کھرنڈ آ جاتا ہے، لیکن اگر روح پہ چوٹ لگ جائے تو؟

پچھلے تین دنوں سے وہ پھر بستر پر پڑا تھا، اس کی روح کی تھکن اور اذیت نے اسے بے حال کر دیا تھا، اس کی ماں اسے کئی بار ڈانٹ چکی تھی کہ وہ مکمل صحت یاب ہوئے بنا ہی پیدل مارچ کرنے نکل کھڑا ہوا تھا، وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنا چلنے کا نتیجہ ہے کہ وہ پھر سے بیمار پڑ گیا، مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ عبداللہ ڈار نے تو عشق کی مسافت طے کی تھی، وہ تو بہت عزم کے ساتھ محو سفر تھا، کہاں خبر تھی کہ منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی تنہا رہ جائے گا، رابعہ نے اس سے پیمان نہیں باندھے تھے، وہ پھر بھی اسے اپنی امانت سمجھتا تھا، اسے یقین تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کو منالے گا لیکن رابعہ ساتھ تو دیتی، وہ ساری دنیا سے لڑ سکتا تھا اگر اس کی وفا ساتھ دیتی، گو کہ وہ عافیت پسند تھا کم ہمت تھا تاہم محبت اس کو مضبوط ضرور کر رہی تھی، وہ غلط صحیح میں تمیز کرنے لگا تھا، کتنا خوش تھا وہ اس راہ پہ چل کر جس پر رابعہ اسے دیکھنا چاہتی تھی مگر وہ بے وفا لڑکی کتنی آسانی سے اسے بیچ راہ میں چھوڑ گئی تھی، اتنی انجان تو نہ تھی وہ اس کے جذبوں سے، عبداللہ نے کئی بار اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھا تھا، وہ عبداللہ کی محبت پر مطمئن اور آسودہ تھی، خود شاہینہ باجی نے بھی کئی بار اسے رابعہ کے حوالے سے چھیڑا تھا، ان سب کو خبر تھی کہ عبداللہ یہاں کیوں آتا ہے، کس کی وجود کی کشش اسے کھل سے دو کمروں کے مکان تک کھینچ لاتی ہے اور سب ایک دم سے اجنبی اور نا آشنا بن گئے تھے، قصور اگر عبدالاحد ڈار کا تھا تو سزا صرف اسے کے حصے میں کیوں آئے؟

اس نے سوچ سوچ کر خود کو ہلکان کر لیا تھا پھر بیمار نہ پڑتا تو کیا کرتا؟ ایک ہی خواہش تھی اس کی زندگی میں، وہ ہی تشنہ رہ گئی، وہ جان کنی کے عالم میں رابعہ کی یادوں سے لپٹ کے روتا رہتا، رابعہ نے اسے بری طرح توڑ دیا تھا، وہ دوبارہ اس سے کوئی شکوہ کوئی سوال بھی نہ کر سکا، اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا تھا اپنا ہر غم اپنے سینے میں چھپا لیا تھا، پھر اس نے خود کو بہلانا سیکھا، اسے سید صاحب کی باتوں نے حوصلہ دیا، ان کی باتیں اسے یاد آتیں اور وہ خود کو سمجھاتا کہ عشق حقیقی انسانیت کی معراج ہے، عشق مجازی نہیں، عشق خدا سے ہو تو بندہ ولی بن جاتا ہے، اس کی مخلوق سے کرو تو دیوانہ، مجنون، عشق مجازی میں تشنگی اور نا آسودگی ہے جبکہ حقیقی میں سیرابی اور اطمینان اور پھر عبداللہ ڈار نے خود کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جس شب اس نے یہ فیصلہ کیا اس سے اگلے دن وہ سید صاحب کے قدموں میں بیٹھا سسکیوں سے رو رہا تھا، کتنے لمحے بیت گئے تھے اس کو اندر کا غبار آنسوؤں سے دھوتے، اسے جانے کس کس لغزش اور خطا پہ رونا آیا تھا، سید صاحب کو ان ڈھائی مہینوں میں اس سے بہت انسیت ہو چکی تھی، وہ ان کی باتوں کو بہت غور سے سنتا تھا پھر ان پر عمل بھی کرتا، اس لئے وہ بہت شفقت برتنے لگے تھے اس سے اب بھی وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر تسلی دیتے رہے۔

"بیٹے! انسان کی فطرت نیک ہو تو وہ کبھی نہ کبھی صراط مستقیم پر آ ہی جاتا ہے، تم میں ہمیشہ سے نیک فطرت تھی، یہ بھٹکتی ہے، کبھی منزل کی تلاش میں در بدر بھی ہوتی ہے، پھر راہ راست پر آ جاتی ہے۔"

"آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں اپنے مذہب، دین اور قوم کے لئے کیا کروں؟"

"میرا کام صرف سوتے ہوئے لوگوں کو جگانا ہے بیٹا! انہیں نیند سے بیدار کرنا ہے، آگے کا سفر طے کرنا مسافروں کی اپنی ذمہ داری ہے، اللہ پاک نے انسان کو خیر اور شر کا راستہ بتا دیا جو خیر کی راہ اختیار کرتا ہے، اس کی رہنمائی اس کا مذہب، اس کا دین اور قرآن کرتا ہے اور جو شر کی راہ اپنائے، وہ بھول بھلیوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے، کبھی نہیں جان پاتا کہ گمان و حقیقت کیا ہے؟ نیکی

اور بدی میں کیا فرق ہے، تم یہ جان چکے ہو بیٹے اب تمہارا راستہ آسان ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"مگر آپ میری رہنمائی تو کر سکتے ہیں۔"

"میں اپنے حصے کا کام کر چکا ہوں، بہر حال اب میں تمہیں ایک شخص سے ملنے کے لئے ضرور کہوں گا، اس نئے سفر میں وہ تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

"کون ہیں وہ صاحب؟" اس نے اشکوں کو صاف کیا اور آغاز سفر کے لئے پوچھا۔

"میں آج ہی ان سے ملنے جاؤں گا۔"

"عظام شاہ۔" سید صاحب نے اسے مزید تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا تھا۔

☆☆☆

گدلے آسمان پہ سیاہ گھنگھور گھٹائیں آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں، بادل جل تھل کو بے تاب کھڑے تھے، زلیخاں نے برآمدے میں چارپائیاں بچھا دیں، مختصر سے صحن میں تیز ہوا نے پانی کا فرش بچھا دیا تھا، نادیہ کو یہ موسم بہت بھاتا تھا، وہ فوراً ہی شکھیوں کے ساتھ جھولا جھولنے نکل کھڑی ہوئی حالانکہ زلیخاں نے منع کیا تھا کہ موسم اچھا نہیں، رابعہ دونوں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے باورچی خانے میں بیٹھی دودھ کو گم کر رہی تھی۔

موسم تو اس کے اندر کا بھی اچھا نہیں تھا، کل سے شاہینہ باجی کی رخصتی ہوئی تھی اس کا دل کسی طرح نہیں لگتا تھا، گو کہ وہ بہت کم بات کرتی تھیں، زیادہ تر خاموش رہتی لیکن رابعہ از خود ان سے ڈھیروں باتیں کر لیا کرتی تھی، کتنے دن سے وہ آئی بھی نہیں تھیں۔

اس کے اندر بہت سا غبار جمع ہو گیا تھا، وہ عبداللہ سے عبداللہ کی باتیں بھی تو کرتی تھی، شاہینہ دونوں کے جذبات سے واقف تھیں، انہیں عبداللہ پسند تھا، وہ خود چاہتی تھیں کہ رابعہ کی شادی عبداللہ سے ہو جائے، دونوں کا جوڑ بہت خوبصورت لگتا، لیکن اب ایسا ممکن نہیں رہا تھا، رابعہ، عبداللہ کے جذبات پر اوس ڈال آئی تھی، اسے اپنا پندار بہت عزیز تھا، اس کے ماں باپ کے دل میں اس کے گھر والوں کے لئے اتنا عناد اور نفرت تھی کہ اس نے اپنی محبت کا گلا گھونٹنے کا فیصلہ کر لیا، عبداللہ کی پوزیشن اس کے گھر میں بہت کمزور تھی، وہ ابھی تک بچہ تھا ان کی نظر میں اور عبداللہ رابعہ کو کبھی وہ مان اور اعتماد نہیں دے سکتا تھا جس کی خواہش ہر لڑکی کرتی ہے، یہی سوچ کر وہ اس کے ساتھ چلنے سے کترا گئی، اس کے بابا جان کی کتنی بے عزتی کی تھی انہوں نے، وہ بتاتے ہوئے رو پڑے تھے پھر رابعہ کیسے ان سے ربط برقرار رکھتی، اسے اپنے بابا جان سے زیادہ تو عزیز نہیں تھا عبداللہ۔

"ہم میں اور ان میں صدیوں جیسا فرق ہے یہ کبھی نہیں پاٹا جا سکتا ہے، آج میں اس فہم سے باہر نکل آیا ہوں زلیخاں، جس کی بناء پر عبداللہ کو بیٹا بنانے کا خواب دیکھا تھا، وہ ہمارا بیٹا نہیں ہے نہ کبھی بن سکتا ہے۔" انہوں نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا اور اندر پائنتی کے ساتھ لگ کر بیٹھی رابعہ نے ہر رو پہلا سپنا مٹی کی دہلیز تلے دبا دیا، یہ وہ مٹی تھی جو اس کے باپ کے شملے کی عزت تھی اور جو اس کی چوکھٹ پہ لگی تھی، عبداللہ اس کی کچی عمر کا پہلا سپنا تھا تو کیا ہوا وہ اتنی ارزاں تو نہ تھی کہ عزت اور محبت میں سے محبت کا انتخاب کر کے بے عزت ہوتی رہتی۔

"رابعہ!" وہ تنکے سے کچی زمین پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی، جب زلیخاں کی پرجوش آواز آئی۔

"شاہینہ آئی ہے جلدی باہر آ۔" اسے یقین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی آجائیں گی ابھی پرسوں ہی زلیخاں اس سے مل کر آئی تھی اور ایک ہفتے تک اس کے آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، ان کی پکار پر وہ لپک کر باہر آئی، شاہینہ باجی کا چہرہ ستا ہوا تھا، زلیخاں جو اس کی آمد پر خاصی خوش ہوئی تھی اسے آزردہ دیکھ کر چپ سی ہوگئی اور خاموشی سے چارپائیاں باہر گھسیٹنے لگی۔

"السلام علیکم!" وہ ان سے گلے ملی مگر ان کے انداز میں گرمجوشی مفقود تھی۔

"شاہینہ باجی اکیلی آئی ہیں کیا ابو جندل کہاں ہیں۔" نادیہ نے باہر سے آکر پوچھا۔

"وہ نہیں آئے، میں اکیلی آئی ہوں۔"

"کیوں؟" زلیخاں کی چارپائی پر گرفت کمزور پڑ گئی۔

"انہیں انڈین آرمی نے گرفتار کرلیا ہے، کسی نے مخبری کردی تھی ان کی اور....." اتنا کہہ کر وہ زلیخاں کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، رابعہ کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا، اس کے گرد جھکڑ چلنے لگے تھے، وہ بے دم سی ہو کر چارپائی پر گر گئی، سکت تو زلیخاں کے وجود میں بھی نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

کرنا کوٹ ضلع پونچھ کی تحصیل ہے اور اس وقت وہ اس تحصیل کے ایک گاؤں میں تھے، ان کے ساتھ والے گاؤں میں ابو اسامہ زیر علاج تھا، وہ انڈین فوج کے ساتھ جھڑپ میں شدید زخمی ہو گیا تھا اس لئے اب علاج اور آرام کی غرض سے گھر میں تھا۔

وہ دونوں اس وقت فارغ ہی تھے اس لئے ابو اسامہ کی عیادت کا پروگرام بنالیا، سب سے پہلے انہوں نے حلیہ مقامی کشمیریوں کی طرح بنایا، دن کے اوقات میں مجاہدین کے روپ میں اسلحہ لیس ہو کر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا اس لئے ابو عمر کے کہنے پر وہ عام کشمیری بن کر ہائیڈ آؤٹ سے باہر نکلے۔

"نذر عباس پر نگاہ رکھنا۔" ابو عمر کی ہدایت پر حمزہ نے اثبات میں سر ہلایا تو نذر عباس ایک بدنام مخبر تھا، وہ پہلے مجاہدین کے ساتھ رہ چکا تھا تربیت یافتہ اور خوب صورت نوجوان تھا تاہم خوف اور لالچ کی بناء پر انڈین آرمی کے ساتھ گیا تھا، یہی نہیں بلکہ اس نے ایک اور ساتھی رشید انور کو بھی اپنی لائن پہ لگا لیا تھا، ان دونوں کی مخبری نے مجاہدین کا بہت نقصان کیا تھا، اس لئے اس کا خاتمہ نہایت ضروری تھا، ان دنوں وہ اسی علاقے میں تھا، یہ بات مقامی لوگوں نے انہیں بتائی تھی اور وہ ایک کانٹا تو نکالنا چاہتے تھے۔

"اس خطے کو قدرت نے کتنی فیاضی سے حسن دیا ہے نا حمزہ۔" عثمان ڈھلوان کی طرف چلتے ہوئے اطراف کے سبزہ زاروں پر نظر ڈال رہا تھا۔

"اس لئے تو ہندو بنیا اسے چھوڑنے پر تیار نہیں ہے۔" وہ دونوں اب قدرے ہموار راستے پر چل رہے تھے، یونہی ہلکی پھلکی باتوں کے دوران انہوں نے کافی رستہ طے کرلیا تھا، یہاں سے فاصلے پر فوجی کیمپ تھا، جانے کیوں حمزہ کا دل وہ کیمپ کے سامنے سے گزرے۔

"یار! وہ مشکوک بھی ہو سکتے ہیں۔" نے اسے باز رکھنے کی کوشش کی۔

"اگر پوچھ گچھ کے بہانے ہمیں کیمپ لے گئے تو ٹھیک نہیں ہوگا، امیر صاحب ہوں گے۔"

"کچھ نہیں ہوتا، تم آؤ تو۔" وہ بضد تھا

"حمزہ! کیوں جان بوجھ کر خطرہ مول رہے ہو؟"

"مجھے کسی میجر کی گاڑی نظر آرہی ہے، آؤ سلام کرتے چلیں۔"

"کیوں جان کر ایسا کر رہے ہو، مرنے کا ارادہ ہے کیا، یہ تو عام کشمیریوں کو نہیں بخشتے ہم تو پھر۔"

"میں جا رہا ہوں تمہیں آنا ہے تو آؤ۔" حمزہ ان سنی کر کے کیمپ والی سڑک پر چلنے لگا۔

"حمزہ! اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو ٹھیک نہیں ہو گا۔" عثمان اس وقت کو کوسنے لگا جس اس نے ابو اسامہ کی عیادت کے لئے پروگرام بنایا، حالانکہ وہ جانتا تھا حمزہ شاہ کو تھرل اور ایڈونچر بہت پسند ہے، وہ جان بوجھ کر خطرے مول لیتا ہے، سلجھی ہوئی چیزوں کو الجھا دیتا ہے پھر بھی اس کے ساتھ چل پڑتا تھا، ایک گہری سانس لے کر اس نے اس کے پیچھے قدم بڑھائے، کیمپ کے باہر پہرے پہ مامور ان دونوں فوجیوں نے انہیں دیکھا اور آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے، عثمان خائف ہو رہا تھا جبکہ حمزہ بہت اعتماد سے قدم اٹھا رہا تھا۔

"اے کون ہو تم، کہاں جا رہے ہو؟" ایک نے گرج دار آواز میں دور سے ہی پوچھا۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ڈیڈ! میں کسی کو اس میں بولنے کی اجازت نہیں دوں گی۔" نسوانی آواز پر حمزہ نے حیرت سے گردن موڑ کر کیمپ کے دروازے کو دیکھا، خالص امریکی لہجے میں تیز تیز بولتی وہ لڑکی کسی میجر کی بیٹی تھی غالباً، فوجی لباس میں ملبوس گردن میں ریڈ اسکارف ڈالے اور ہلکے بھورے بالوں کو اونچا سا جوڑا کئے وہ سترہ اٹھارہ سالہ دوشیزہ اس وقت غصے میں لگ رہی تھی۔

"سمجھنے کی کوشش کرو بیٹا! یہ تمہارے لئے ٹھیک نہیں ہے۔" یہ میجر پروہت اگروال تھا۔

"میرے لئے کیا ٹھیک ہے کیا غلط میں اس کا فیصلہ کر سکتی ہوں، وہاں امریکہ سے میں اس لئے نہیں آئی تھی کہ....." اس نے جیپ کا دروازہ دھاڑ سے کھولا اور اندر بیٹھنے لگی تھی کہ ان پر نگاہ پڑی۔

"اے..... تم کیا کر رہے ہو یہاں؟" اس نے انگلش میں ہی ان سے سوال کیا تھا۔

"وہ جی....." عثمان حسب توقع گھگھیا گیا، شاید اس لڑکی کی غیر معمولی حسن اور دبنگ انداز اسے خوف زدہ کر گیا تھا۔

"ہم کیمپ دیکھنے آئے تھے۔" حمزہ نے رسانیت سے کہا۔

"کیوں؟ یہاں سرکس لگا ہے؟" وہ چلائی اور پھر بھاگتی ہوئی اس کے سامنے آئی۔

"تم لوگ آزادی مانگتے ہو، پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہو، تمہیں بھارت دیش سے نفرت ہے۔" وہ اب اردو میں بات کر رہی تھی۔

"نندنی!" میجر پروہت نے اسے پکارا۔

"واپس آؤ نندنی۔"

"تمہیں ہمارے دیش سے نفرت ہے نا، مجھے تم لوگوں سے نفرت ہے، تم غلیظ کشمیری، جس تھالی میں کھاتے ہو اسی میں تھوکتے ہو، آج تو۔" اس نے حمزہ کے چہرے پر تھوکنا چاہا تھا مگر اس کی قامت کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکی، حمزہ نے بے اختیار مٹھیاں بھینچ کر خود کو انتہائی ردعمل سے باز رکھا وگرنہ دل چاہ رہا تھا کہ تھپڑوں سے اس کا حسین چہرہ سرخ کر دے۔

"کس چیز کی کمی ہے تم لوگوں کی زندگی میں، مگر تم احساس کمتری نے مارے لوگ....."

"نندنی..... اپنے حواسوں میں آؤ۔" میجر پروہت نے پاس آکر اس کا ہاتھ کھینچ کر قدرے درشتگی سے کہا تھا۔

"اور تم لوگ دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔" میجر کی بات مکمل ہونے سے قبل عثمان وہاں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوڑ لگا چکا تھا، حمزہ نے زہر خند نگاہ تجر کے ساتھ جاتی لڑکی پر ڈالی۔

''نفرت تو ہمیں بھی ہے تم لوگوں سے۔''

سامنے پڑے پتھر کو زور دار ٹھوکر رسید کرتے ہوئے وہ آگے چل پڑا تھا، اسے رہ رہ کر اس شعلہ جوالہ پر تاؤ آ رہا تھا، جس نے حمزہ شاہ کے چہرے پر تھوکنے کی کوشش کی تھی۔

☆☆☆

آج تقریباً تین ہفتوں بعد میں گھر آیا تھا، پتہ نہیں مصروفیت زیادہ ہو گئی تھی یا کوئی اور وجہ تھی میں جو پہلے ہر تیسرے دن گھر کا چکر لگاتا تھا اب آہستہ آہستہ دور ہوتا جا رہا تھا، ایک تو اشیائے خوردونوش کا اسٹاک کرنا تھا اسی کے لئے تاکہ انہیں مسئلہ نہ ہو اور دوسرے مجھے یازش کے لئے کچھ اہم موضوعات پر مواد بھی لینا تھا، ان دنوں سے میں اس کے کالموں کے مجموعے کی اشاعت بھی کر رہا تھا، اس سلسلے میں کمپوزنگ اور پروفنگ کا کام ہو چکا تھا، اب کاپی پریس میں جانا تھی اپنے ادارے سے میں تقریباً بائیسویں کتاب لا رہا ہوں، میرا ادارہ طلوع سحر میری زندگی کے خوابوں کی تعبیر ہے، میں یازش کے ساتھ مل کر بہت آگے جانا چاہتا ہوں یہ وہ سپنا ہے جو اس کے ساتھ سے شروط ہے، ایسے میں بھی کبھی کبھی مجھے یہ احساس ہولا دیتا ہے کہ اگر یازش مجھے نہ ملی تو...... میں تصور میں بھی اس خیال سے ڈر جاتا ہوں، لوگ سچ کہتے ہیں محبت کبھی کبھار یا تو بہت بزدل بنا دیتی ہے یا بہت بہادر، میں کسی شے کے کھونے سے اتنا نہیں ڈرتا تھا جتنا کہ یازش کے، یہ محبت کی کون سی منزل تھی مجھے علم نہیں تھا لیکن یازش میری منزل ضرور تھی، اب بھی کتاب پہ لکھے اس کے نام کو میں کتنی ہی دیر تک دیکھتا رہا، اس کے شوخ وشنگ جملے، کھنکتا لہجہ اور جھرنوں سی ہنسی میرے لبوں پر مسکراہٹ کے پھول کھلا رہی تھی۔

''آئی مس یو سو مچ یار!'' دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بتانا ہی پڑا۔

''کوئی نئی بات ہے کیا؟'' خلاف معمول فوراً ہی جواب مل گیا۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''ہم اپنے کمرے کی ڈسٹنگ کر رہے ہیں، بہت کام ہے آج۔''

''وہ تو روز ہی ہوتا ہے، کب چھوٹے گی ان کاموں سے تمہاری جان۔'' اس کی تھکن مجھے اپنے وجود میں محسوس ہونے لگی تھی۔

''کام تو کرنا پڑتا ہے نا اینی وے آپ کیا کر رہے ہیں۔'' اس نے بات بدل دی۔

''اپنی کتابوں کو ترتیب دے رہا ہوں۔''

''آپ یہاں یہی کام کرنے آتے ہیں؟''

''اب سیٹنگ بھی تو کرنی ہوتی ہے، تھکن تو مجھے بھی ہو گئی ہے، شام سے یہی کر رہا ہوں۔''

''کسی کو ساتھ لگا لیں نا...... تقریباً کتنی بکس ہیں آپ پاس؟''

''تین ہزار تک ہوں گی۔'' میں نے کتابوں پر طائرانہ نگاہ ڈال کر اندازے سے بتایا اور ریلیکس ہونے کے لئے بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

''واؤ...... پھر تو آپ کو لائبریری بنا لینی چاہیے۔''

''بہت قدیم نادر و نایاب کتابیں رکھی ہیں میرے پاس، تم آؤ گی تو بہت فائدے میں رہو گی۔''

''اچھا جی...... آپ کو تو موقع چاہیے ہوتا ہے شادی کے فوائد گنوانے کا۔'' وہ ہنسی تھی اور میں نے تصور میں اسے دیکھنے کی کوشش کی۔

''ہاں یاد آیا، تم نے ستمبر کے حوالے سے میٹر کا کیا تھا، اس کے علاوہ کچھ اور۔''

''فی الحال تو یاد نہیں۔''

''چند نظموں کا بھی کہا تھا تم نے، یہ 82 کی بک ہے ایک بھجواؤں کیا؟'' میں نے کتاب اٹھا کر سن دیکھا۔

''آثار قدیمہ ہو گی پھر تو۔''

''مجموعہ تو بہترین ہے، میں بھجوا دیتا ہوں تم دیکھ لینا اور سناؤ کوئی نئی بات۔''

''نئی بات تو یہی ہے کہ ہم نے ایک ڈائجسٹ کے لئے تحریریں پوسٹ کر دی ہیں۔''

''اچھی بات ہے اس کا مطلب ہے لائن پر آ رہی ہو تم۔'' مجھے خوشی ہوئی تھی۔

''ہم تو لائن پہ ہی رہتے ہیں پٹری سے تو آپ اترتے ہیں اور گھر میں سب خیریت ہے؟''

''جی خیریت ہے، ہمیں جنابہ کی نیک خیریت مطلوب تھی اسی لئے میسج کیا، تمہیں تو توفیق نہیں ہوتی خود سے۔''

''اوہ ہو...... شام پوچھا تو تھا کہ کیا کر رہے ہیں، آپ نے **Reply** ہی نہیں کیا۔''

''بڑا احسان کر دیا ایک میسج کر کے۔''

''مجھ جیسا ذمہ دار اور سنجیدہ مزاج صحافی۔ یازش سے بات کرتے وقت بالکل بدل جاتا تھا، کافی دیر تک اسکرین پر اندھیرا چھایا رہا میں نے آنکھیں موند لیں۔

''لڑائی کا موڈ ہے کیا؟'' دس منٹ بعد اس نے دوبارہ پوچھا تھا۔

''نہیں پیار کا۔'' میں پھر سے مسکرانے لگا۔

''اوکے...... کام کریں اپنا بعد میں بات ہو گی۔'' وہ پھر سے غائب ہو گئی لیکن میں بدستور مسکرا رہا تھا، لمحہ لگتا تھا مجھے اپنا آف موڈ بحال کرنے میں۔

''کتنا خوب صورت تعلق ہے تم سے یازش، جانتی ہو اس دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہو گئی ہو مجھے تم۔'' میں اس کے پرانے میسج نکال کر پڑھنے لگا تھا کہ احسان کی کال آ گئی، وہ آنے کا پوچھ رہا تھا۔

''کل پرسوں تک آؤں گا یار، تھوڑا لیٹ کرنا چاہ رہا ہوں۔''

''ہاں پر پرسوں ہی ملاقات ہو گی۔'' وہ ایک پارٹی کا بتا رہا تھا جو میگزین کی ادارت کا کام مجھے سونپنا چاہ رہی تھی۔

''ٹائم تو میرے پاس بالکل نہیں ہے، میرے ٹف شیڈول کا علم ہے تمہیں پھر بھی دیکھ لیتے ہیں۔'' اختتامی جملوں کے بعد میں نے کال منقطع کی اور وال کلاک کی طرف دیکھا تو دس بج رہے تھے، قریبی مسجد سے اذانوں کی صدا آ کر معدوم ہو چکی تھی، آدھی کتابیں ابھی تک اسی طرح بے ترتیب پڑی تھیں لیکن میں نے پہلے فرض ادا کرنے کا ارادہ کیا اور وضو بنانے کے لئے اٹھ گیا۔

☆☆☆

''یار! مروا دینا تھا تم نے۔'' عثمان نے درختوں کے جھنڈ کے پاس رک کر اس کا انتظار کیا، وہ قریب آیا تو عثمان نے تاسف سے سر ہلا کر کہا تھا، حمزہ خاموش رہا اسے رہ رہ کر ابال اٹھ رہا تھا، وہ عورت کو بہت تعظیم دیتا تھا، لیکن اس لڑکی کے لہجے کی کاٹ اور آنکھوں کے تنفر نے اس کا موڈ سخت آف کر دیا تھا۔

''یہ میجر پروہت اگروال تھا نا۔'' اس کا نام وہ اس علاقے میں کئی بار سن چکے تھے اور اس کے سینے پر لگے بیج پر بھی یہی حروف کندہ تھے۔

''ہاں۔'' عثمان اس کی خاموشی سے الجھ سا گیا تھا۔

''اور اپنی بیٹی کو کس نام سے پکارا تھا اس نے۔'' وہ پلٹ کر کیمپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بیٹی کو۔'' عثمان غش کھانے کو تھا، حمزہ نے آج پہلی بار کسی لڑکی سے متعلق اس طرح پوچھا تھا وہ آٹھ ماہ سے ایک ساتھ تھے مگر آج پہلی بار ان کی گفتگو میں یہ مرحلہ آیا تھا کہ حمزہ شاہ نے از خود لڑکی کا تذکرہ کیا۔

''نندنی اگروال ہے اس کا نام۔'' قدرے توقف کے بعد اس نے بتایا۔

''نندنی اگروال۔'' حمزہ نے نام زیر لب دہرا کر سر ہلایا۔

''یہ نام ذہن نشین کرلو عثمان، میں اس لڑکی کو اس کی حرکت کا سبق ضرور سکھاؤں گا، یہ ہم کشمیریوں کو کیڑے مکوڑوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں، تعصب پندر زیل بھارتی۔'' اس نے نفرت سے زمین پر تھوک دیا، عثمان نے اپنی سانس بحال کی اور اپنی غلط فہمی پر خود کو کوسا کہ بھلا حمزہ شاہ جیسا سرد شخص بھی شوق یا دلچسپی سے کسی دوشیزہ کا ذکر کرسکتا ہے۔

''غصہ تھوک چکے ہو تو اب مزاج بحال کرلو، اپنا موڈ تم نے خود خراب کیا ہے۔''

''جانتے ہو عثمان میں جتنا ان کی نفرت محسوس کرتا ہوں اتنا ہی میرا جذبہ جہاد مجھے مزید اکساتا ہے۔'' وہ اب سیبوں کے باغ میں گزر رہے تھے، انہیں اطلاع ملی تھی کہ نذر عباس روزانہ شام کو اس باغ میں سیر کی غرض سے آتا ہے، وہ درحقیقت اس مشن کی کامیابی چاہتے تھے کہ ایک کالی بھیڑ کا مزید قلع قمع ہو جائے۔

''کچھ دیر انتظار کر لیتے ہیں یہاں، ہمارا شکار آنے ہی والا ہوگا۔'' نہر کے قریب پہنچ کر اس نے جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھنے کی جگہ تلاش کی۔

''امیر صاحب ہمیں پاکستان بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں، کل شام وہ ٹریننگ کا ذکر کر رہے تھے۔'' عثمان اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

''یہ ذکر تو وہ کئی ماہ سے کر رہے ہیں، ہماری قسمت کا قرعہ فال جا کب نکلے گا۔'' پاکستان کے ذکر پر حمزہ اداس سا ہو گیا، عثمان کا تعلق پاکستان سے تھا مگر وہ بہت بے چین اور مضطرب رہتا تھا، جنہوں نے پاکستان نہیں دیکھا تھا وہ سب ہی پاکستان کے دیوانے تھے۔

''عثمان! جانے تم لوگوں کو پاکستان سے کتنی محبت ہے مگر ہمارے تو لہو میں پاکستان سے عقیدت اور عشق شامل ہوتا ہے۔''

''جنہیں آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے نا حمزہ انہیں اس کا احساس بہت کم ہوتا ہے، ہم پاکستانیوں کے دل میں جذبہ حب الوطنی تو زندہ ہے مگر ہمیں آزادی کی قدر نہیں ہے، جانتے ہو ہمارے نوجوان مغربی طرز زندگی اور بھارتی ثقافت کو بہت آئیڈیلائز کرتے ہیں، ہماری مائیں بھی اسی ڈگر پر ہیں، وہ انڈین چینلز کی بہت رسیا ہیں، اسٹار پلس دیکھے بنا ان کی شامیں نہیں گزرتیں، ہماری سرکار بھارت سے دوستانہ کی خواہاں ہے، جیسا تصور اقبال نے دیا تھا وہ بالکل بدل گیا ہے ہمارا وطن وہ وطن نہیں رہا جس کا خواب ہمارے آبا و اجداد نے دیکھا تھا ہمیں اپنے عظیم وطن پر بہت فخر ہے ہمیں پاکستانی ہونے پر فخر ہے لیکن حمزہ اب نوجوانوں کی ترجیحات بہت بدل گئی ہیں، وہ پاکستان میں رہنا نہیں چاہتے، اکثر تو تقسیم ہند کو غلطی کہنے لگے ہیں اور میرا دل چاہتا ہے ان سب کو پکڑ کر کشمیر لے کر آؤں انہیں بھارتی درندوں کے مظالم دکھاؤں انہیں بتاؤں کہ جن سے دوستانے کا شوق چڑھا رہتا ہے تم لوگوں کو آؤ دیکھو یہ وہ تمہارے مسلمان بہن بھائیوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، پاکستان کے ساتھ ان کی نفرت اور

تعصب کے نظارے دکھاؤں انہیں۔'' وہ اچھا خاصا جذباتی ہو گیا تھا۔

''یہ انسانی سرشت ہے عثمان!'' حمزہ نے باغات میں کسی کے چلنے کی سرسراہٹ محسوس کی تھی وہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

''انسان کو جو میسر ہوتا ہے وہ کبھی اس پر راضی نہیں رہتا۔'' حمزہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''میرے خیال میں کوئی اس طرف آ رہا ہے۔'' عثمان بھی سرعت سے اٹھا، حمزہ کے قمیض کے نیچے سے گن نکال کر ہاتھ میں پکڑ لی اور دھیرے دھیرے باغ کی طرف بڑھنے لگا، ان کی توقع کے عین مطابق آنے والا شخص نذر عباس ہی تھا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی اس طرح گھات لگا کر بھی بیٹھ سکتا ہے، اس لئے جب حمزہ نے پیچھے سے چھلانگ لگا کر اسے قابو کیا تو وہ مزاحمت نہ کرسکا۔

''آگے آگے چلو۔'' عثمان نے اسے اشارہ کیا، وہ فوجی کیمپ کی حدود سے نکل جانا چاہتے تھے۔

''تمہاری موت قریب آ چکی ہے ہلنے کی زحمت مت کرنا۔'' حمزہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی، عثمان نے راستے میں پڑا ایک رسی کا ٹکڑا اٹھا کر اس کے ہاتھ باندھ دیئے تھے، نذر عباس مسلمان تھا، مجاہد بھی رہ چکا تھا لیکن اس کے اندر سے قوت ایمانی ختم ہو چکی تھی، اسے اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا اس لئے آسانی سے مرنے کے لئے تیار تھا، حمزہ اب اس کے منہ میں اپنا مفلر ٹھونس رہا تھا۔

''اگر ہم نے فائر کر کے اس جہنم رسید کیا تو فوجی الرٹ ہو جائیں گے۔'' عثمان نے صحیح بات کی تھی حمزہ سوچ میں پڑ گیا، نذر عباس کو اس طرح چھوڑا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

''اسے نہر میں پھینک دیتے ہیں۔'' ایک خیال آنے پر اس نے عثمان سے پوچھا جواب رسی کی مدد سے اس کے پاؤں بھی باندھ چکا تھا۔

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔'' وہ ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہوا۔

''دل تو تمہارا سیاہ پڑ ہی چکا ہے، آخر وقت میں توبہ استغفار کرلو شاید گناہوں کا کچھ کفارہ ہو سکے۔'' حمزہ نے ایک جھٹکے سے اسے کندھوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور دونوں نے اٹھا کر نہر کے پانی میں پھینک دیا، نہر کی چوڑائی گو کہ کم تھی مگر گہرائی زیادہ تھی، وہ مچل کر باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا، یوں آسانی سے موت نصیب بھی تو نہیں ہوتی، مگر ہاتھ پاؤں بندھے تھے اس لئے مزاحمت بے سود

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب ..... ☆
خمار گندم ..... ☆
دنیا گول ہے ..... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری ..... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں ..... ☆
چلتے ہو تو چین کو چلئے ..... ☆
نگری نگری پھرا مسافر ..... ☆
خط انشاجی کے ..... ☆
بستی کے اک کوچے میں ..... ☆
چاند نگر ..... ☆
دل وحشی ..... ☆
آپ سے کیا پردہ ..... ☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی۔

”آج ایک اور غدار کو جہنم واصل کر دیا، الحمدللہ۔“ عثمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، سانپ بھی مر گیا تھا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی تھی، تھوڑی دیر تک پانی کے بلبلے ابھرتے رہے پھر وہ ایسے ساکت ہو گیا جیسے کبھی مرتعش نہ ہوا تھا۔

”انسان کی حقیقت اس پانی کی بلبلے جتنی ہے پھر بھی اس کے ارادے اور خواب۔“ حمزہ شانے اچکا کر آگے بڑھ گیا، عثمان نے ایک گہری سانس لی۔

☆☆☆

اپریل کا وسط تھا۔

ان کی فدائی کارروائیاں جوش و جذبے سے رواں دواں تھیں، وہ اپنی زندگی کا مقصد تلاش کر چکے تھے، اب محاذ سر کرنے کے لئے کوشاں تھے، حمزہ شاہ کے اندر کا جوشیلا اور جذباتی سا نوجوان سرد و گرم کے تھپیڑے اور گردش دوران کی کروٹیں دیکھ دیکھ کر بہت بردبار اور سنجیدہ ہو چکا تھا، سلمان شاہ کا عکس اس کی زندگی پر حاوی تھا، وہ اپنے لالہ کے نقش قدم پر چل کر زندہ جاوید رہنا چاہتا تھا، وہ منگل کی ایک سرمئی شام تھی جب ان کے امیر کمانڈر ابو جہاد نے اسے اور عثمان کو بلا بھیجا، انہوں نے کئی بار ان سے پاکستان جانے کی اجازت طلب کی تھی مگر وہ ہر بار ٹال جاتے، آج ان کا مقصد کیا تھا وہ انجان تھے مگر دل شدت سے خواہاں تھے تھا کہ انہیں اذن مل جائے۔

”آؤ بیٹھو میرے باہمت سپاہیو!“ ابو جہاد کا باریش اور پرنور چہرہ مسکرا رہا تھا، وہ بھی لبوں پر مسکان سجا کر ان کے سامنے مودب سے ہو کر بیٹھ گئے۔

”تم پاکستان جانا چاہتے ہو حمزہ شاہ۔“ ان کا بھاری بھرکم لہجہ اسے دنگ کرنے کو کافی تھا۔

”جی...... جی کمانڈر صاحب، میری دلی آرزو ہے۔“

”پورا کشمیر ہی پاکستان جانے کا خواہش مند ہے دوست، اور ہم ہم اسی مقصد کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، بہرحال تم ابو عمر کے گروپ کے ساتھ کل شام پاکستان کے لئے نکل جانا۔“

”کیا واقعی کمانڈر صاحب!“ اسے یقین نہیں آیا تھا۔

”ہوں...... واقعی۔“ وہ کھل کر مسکرائے اور اس نے بے ساختہ جھک کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

”میں بیان نہیں کر سکتا امیر محترم کہ آپ کی اجازت نے میرے اندر نئے سرے سے زندگی کی رمق جگا دی ہے۔“ فرط مسرت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، پھر وہ ان سے اجازت لے کر تقریباً بھاگتا ہوا اپنے ساتھیوں کی طرف آیا۔

”سنا تم لوگوں نے، میں کل پاکستان جا رہا ہوں۔“ اس نے ایک ایک کر کے سب کو گھما دیا۔

”میں کل پاکستان جا رہا ہوں، پاک دھرتی پر قدم رکھنے، پاکستان...... میرا عشق میرا جنون۔“ وہ ضبط کھو رہا تھا پھر وہ رونے لگا، اس کے ساتھ ساتھ سب کی آنکھیں بھی نمناک ہو گئی تھیں۔

”پاکستان...... میرا عشق...... میرا جنون۔“ اس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، سب نے گلے لگا کر اسے مبارک باد دی تھی اور حمزہ شاہ سے خوشی سنبھالی نہیں جا رہی تھی، وہ پاکستان کا دیوانہ تھا اور اس کی دیوانگی پر سب مسرور تھے۔

(باقی اگلے ماہ)

آس، یقین اور محبت

تسکین زاہد خاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آج میں نے اسے دوسری دفعہ دیکھا تھا اور دوسری دفعہ دیکھنے پر بھی ویسے ہی ٹھٹکا تھا جیسا پہلی دفعہ دیکھنے پر، اس کا حسن تھا ہی ایسا ٹھٹکا دینے والا، وہ بلاشبہ کسی مصور کی بنائی ہوئی تصویر سے بھی زیادہ خوبصورت تھی، اگر اس کے حسن کی تشریح کی جائے تو شاید یہ بھی اس کے حسن کے ساتھ ناانصافی ہوگی، میں نے بمشکل اپنی نظروں کو اس پر سے ہٹایا جو اردگرد سے بے خبر سامنے اونچے پہاڑوں کو دیکھے جا رہی تھی اور جاتے ہوئے ایک آخری نظر اس پر ڈالی اور اونچی نیچی ڈھلوانوں سے ہوتا ہوا سامنے بنی اس عمارت کی طرف چل دیا، یہ وادی گلگت کا علاقہ تھا اور میری پوسٹنگ ادھر ہی ہوئی تھی، مجھے یہاں آئے ہوئے ابھی چند دن ہی ہوتے تھے، پیشے کے اعتبار سے میں ڈاکٹر تھا میں نے اندر داخل ہونے سے پہلے ایک بار اس عمارت کو دیکھا جسے یہاں کے لوگوں نے ہسپتال کا نام دیا تھا، لکڑیوں سے بنی یہ خستہ حال عمارت کسی زمانے میں واقعی ہسپتال ہوگی مگر اب تو وہ کسی بھوت بنگلے سے کم نہیں لگتی تھی، میں ایک گہرا سانس لے کر اندر داخل ہوا، اندر جاتے ہی گھر فون ملا دیا۔

"ہیلو السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام کیسے ہیں آپ؟" دوسری صرف ثمن کی آواز آئی۔

"میں بس ٹھیک ہی ہوں اور تم لوگ کیسے ہو۔" فون پر اس کی آواز سن کر میرا دل اڑ کر گھر پہنچنے کو چاہ رہا تھا

"آپ کے بغیر بہت اداس ہیں سچ فواد آئی مس یو سو مچ۔" وہ اظہار کے معاملے میں ہمیشہ ہی ایسی تھی۔

"اور میرا شیر کیسا ہے؟"

"آپ کو یاد کرتا رہتا ہے بلاتی ہوں ابھی صائم" پاپا کا فون ہے۔"

"ہیلو پاپا کیسے ہیں آپ؟ پاپا میں آپ کو بہت مس کر رہا ہوں، بس جلدی سے آجائیں۔" وہ بنا سانس لئے بول رہا تھا جیسے اگر سانس لے لی تو پتہ نہیں کیا ہو جائے گا۔

"آئی آلسو مس یو میری جان، پر آپ کے پاپا ڈاکٹر ہیں اور ڈاکٹر اپنے مریضوں کو چھوڑ کر کیسے آسکتا ہے۔" میں اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"فواد! پاپا کوشش کر رہے ہیں کہہ رہے تھے کہ جلد ہی ٹرانسفر کروالوں گا۔" ثمن نے صائم سے فون لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے پھر میں فون رکھتا ہوں، باہر کوئی پیشنٹ آیا ہوا ہے۔"

"اپنا خیال رکھئے گا اوکے بائے۔" میں فون رکھتے ہی باہر کی طرف چل دیا، وہاں پر ایک بوڑھا سا شخص میرا منتظر تھا، بیچارہ دمے کا مریض تھا۔

"بابا جی! آپ سردی سے بچیں۔" میں بلڈ پریشر چیک کرتے ہوئے بولا۔

"اے بیٹا! ہمارا تو کام ہی سردی کا ہے، سارا دن مویشی چراتا ہوں، اب اگر گھر میں دبک کر بیٹھ گیا تو کھائے گا کہاں سے ام۔" وہ کھانستا ہوا بولا، تو میں اسے دیکھ کر رہ گیا ہمارے لئے تو یہ علاقے سوائے سیر و تفریح کے کوئی اہمیت کے حامل نہیں لیکن یہ مقامی لوگ یہاں پر رہتے ہوئے جن مشکلات کا سامنا کرتے ہیں وہ واقعی قابل ذکر ہیں، ان لوگوں کی تو روزی روٹی کا دارو مدار ہی مویشی اور جنگل سے کاٹی جانے والی لکڑیاں ہوتی ہیں، رات کو تقریباً نو بجے میں فارغ ہوا تو لیٹتے ہی مجھے پھر سے ثمن اور صائم یاد آنے لگے، ثمن اور میری شادی اس وقت ہوئی

تھی جب میں میڈیکل کے تیسرے سال میں تھا، منگنی تو ہماری انٹر میں ہی ہوگئی تھی، ثمن میری تایا زاد اور سب سے اچھی دوست تھی، اعتراض کا کوئی سوال نہ تھا، میری دوست ہونے کے ناطے وہ مجھے بہت اچھی طرح سمجھتی تھی، شادی تو میرے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ہی ہونی تھی، لیکن اچانک ہی امی کی طبیعت بہت خراب ہوگئی اور ان کی ضد تھی کہ میں اپنی زندگی میں ہی اپنے اکلوتے بیٹے کے سر پر سہرا سجا دیکھ لوں، اسی افراتفری میں ہماری شادی ہوگئی اور امی کی طبیعت بھی ٹھیک ہوگئی، بعد میں، میں ان سے کہتا کہ لگتا ہے یہ آپ کی سازش تھی، کیریئر بننے سے پہلے ہی شادی تھوڑی مشکل تو ہوتی ہے لیکن ثمن نے سچ میں میری دوست ہونے کا فرض نبھایا اور مجھے پورے اطمینان سے پڑھائی مکمل کرنے میں مدد دی، شادی کے سال بعد ہی صائم نے آکر ہماری زندگی اور خوبصورت بنا دی، اب تو وہ ماشا اللہ ساڑھے پانچ سال کا ہوگیا، میرا ہاؤس جاب مکمل ہوتے ہی میری پہلی پوسٹنگ ادھر ہوگئی تھی، ثمن اور صائم کو میں اپنے ساتھ لا نہیں سکتا تھا کیونکہ پھر صائم کی پڑھائی کا حرج ہوتا اور ان کے بغیر میں خود کو اکیلا محسوس کر رہا تھا، پاپا میرے ٹرانسفر کی کوشش کر رہے تھے امید تھی کہ جلد ہو جائے گا اور تب تک مجھے یہیں رہنا تھا۔

☆☆☆

"سر وہ باہر کوئی آدمی آیا ہے۔" سلامت نے آکر مجھے اطلاع دی، وہ میرے ہیلپر کے طور پر کام کرتا تھا، میں جو مریضوں کے جانے کے بعد آرام کی غرض سے لیٹنے لگا تھا فوراً باہر نکل آیا۔

"سلام ڈاکٹر صاحب!" باہر بیٹھے چودہ پندرہ سالہ لڑکے نے مجھے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! سب خیریت ہے نا؟"

"وہ صاحب وہ ہمارا ابا ادھر پہاڑی سے گر گیا ہے میں اسی لئے آپ کو لینے آیا تھا۔" وہ خاصی پریشانی میں کھڑا تھا۔

"اوہ نو، چلو پھر۔" میں جلدی سے کچھ سامان اکٹھا کرتے ہی اس کے ساتھ جانے لگا کہ پیچھے سے سلامت کی آواز آئی۔

"سر میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔"

"نہیں تم یہیں رہو، میں خود ہی چلا جاؤں گا۔" میں اس لڑکے جس نے مجھے اپنا نام گل شیر بتایا تھا کے ساتھ اس کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ اس کے ابا کی حالت بہت سیریس تھی، گرنے کی وجہ سے ٹخنے کی ہڈی فریکچر ہوگئی تھی، شکر تھا کہ میں پلستر کا سامان اپنے ساتھ لایا تھا، میں نے جلدی سے کچھ ضروری ٹریٹمنٹ دینے کے بعد اس پر پلستر کر دیا، وہ ایک کمرے کا گھر تھا جہاں ایک کونے میں اس کا باپ لیٹا ہوا تھا اور ساتھ ہی موڑھے پر میں بیٹھا تھا، دوسری طرف چارپائی پر گل شیر کی دو چھوٹی بہنیں بیٹھی پڑھ رہی تھیں، کتابوں سے نظر اٹھا کر کبھی کبھی مجھے بھی دیکھ لیتی اور اگر کبھی میری نظر پڑ جاتی تو پھر سے سر جھکا کر پڑھنے لگتی، علاج سے فارغ ہو کر میں نے ان دونوں کو اپنے پاس بلایا وہ جھینپی جھینپی میرے پاس آکر کھڑی ہوگئیں، ریڈ کلر کے گرم کپڑے پہنے دونوں گڑیا لگ رہی تھیں۔

"کون سی کلاس میں پڑھتی ہو تم دونوں۔"

"ارے بیٹا پڑھنا کہاں یہ تو دو مہینے سے سکول ہی نہیں گئیں۔" ان کی بجائے ان کی امی بولیں۔

"پر کیوں؟" مجھے حیرت ہوئی۔

"اب اتنی سردی میں سکول کہاں کھلتے ہیں، ایک استانی ہے وہ بھی اب نہیں آتی۔" مجھے بہت افسوس ہوا میں نے دیکھا تھا کہ جب وہ دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑھ رہی تھیں تو ان کے چہروں پر علم حاصل کرنے کا جذبہ تھا اور اب مجھے یہ حالات دیکھ کر خاصا دکھ ہوا۔

''یہ لو بیٹا قہوہ پی لو۔'' میں اپنی سوچوں میں گھرا بیٹھا تھا کہ وہ میرے پاس آ کر بولیں۔

''اوہ نہیں کافی دیر ہو گئی ہے میں اب چلتا ہوں۔'' میں نے گھڑی پر ٹائم دیکھا دو گھنٹے گزر چکے تھے۔

''بیٹھو بیٹا، قہوہ پی لو، گل شیر تمہیں چھوڑ آئے گا۔''

''نہیں آپ تکلیف مت کریں میں چلا جاؤں گا۔'' میں باکس میں اپنی چیزیں ڈالتے ہوئے بولا۔

''یہ لو بیٹا۔'' میں جاتے ہوئے رک کر ان دونوں کو پیار کرنے لگا کہ وہ مجھے پیسے پکڑانے لگیں۔

''نہیں آنٹی! اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے دوبارہ ان کے ہاتھ میں تھما دیے اور اپنے والٹ سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر ان دونوں کو تھما دیے۔

''صاحب جی یہ کیا کر رہے ہیں آپ، زر لالہ واپس کروانہیں۔'' گل شیر نے ان میں سے ایک کو مخاطب کیا۔

''تم چپ کرو، یہ میں نے ان کو دیے ہیں، تم دونوں اس سے اچھی سی کہانیوں کی کتاب لے کر پڑھنا اور جب میں دوبارہ آؤں تو مجھے بھی سنانا۔'' میں نے ان کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

''کتنا نیک بچہ ہے اللہ تجھے لمبی حیاتی دے۔'' وہ مجھے دعائیں دینے لگیں، میں جلدی سے باہر نکل آیا میں خود کو ان دعاؤں کا حقدار نہیں سمجھتا تھا، آخر میں نے کیا ہی کیا تھا یہ لوگ تو اس سے زیادہ کے حقدار تھے یہی نہیں بلکہ اسی بستی کے سارے لوگ، انہی سوچوں میں گھرا میں چلا جا رہا تھا کہ سامنے اسے بیٹھا دیکھ کر رک گیا، قدم خود بخود اس طرف اٹھنے لگے، میں اس سے کچھ فاصلے پر پڑے پتھر پر بیٹھ گیا۔

''ہیلو۔'' میں نے مخاطب کرنے کی غرض سے کہا اس نے پہاڑوں سے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

''آئی ایم ڈاکٹر فواد اینڈ واٹس یور نیم۔'' میں نے کہا اور پھر پچھتایا پتہ نہیں اسے انگلش آتی بھی ہو گی کہ نہیں میں دوبارہ اسے مخاطب کرنے ہی والا تھا جب وہ بول پڑی۔

''رخ مہر۔'' واقعی اس کا نام اس کی طرح ہی خوبصورت تھا۔

''آپ کو انگلش آتی ہے۔'' میں نے بے تکا سوال کیا، حالانکہ سیدھی بات تھی کہ اس نے جواب دیا ہے تو آئی ہے تو دیا۔

''ہاں کسی کی مہربانی ہے۔'' وہ اداسی سے بولی، اس کے لہجے میں بے پناہ کرب تھا، میں نے اسے جتنی دفعہ بھی دیکھا تھا اسی اداسی کی لپیٹ میں دیکھا تھا۔

''آپ اتنی اداس کیوں رہتی ہیں حالانکہ آپ تو اتنی خوبصورت ہیں۔'' میں نے پھر ایک فضول سوال کیا، نجانے کیا وجہ تھی لیکن میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس سے باتیں کرتا جاؤں حالانکہ اسے مجھے کوئی اچھا رسپانس نہیں دیا تھا مگر پھر بھی اس سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا اسی لئے اس طرح کے غیر اہم سوال کر رہا تھا۔

''اداسی چہروں سے مشروط نہیں ہوتی۔'' وہ زرا رکی۔

''کبھی کبھی چہرے ہی ہمیں دھوکہ دے جاتے ہیں، خوبصورتی بھی اکثر ہمارے لئے وبال جان بن جاتی ہے۔'' وہ ہمیشہ کی طرح

سامنے پہاڑوں کے درمیان سے گزرنے والے راستے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی، مجھے اس کی باتیں سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

''کاش کہ میں خوبصورت نہ ہوئی۔'' وہ ذرا کی ذرا میری طرف مڑی، میں نے پہلی دفعہ کسی خوبصورت لڑکی کے منہ سے ایسی بات سنی تھی، میں حیرت زدہ سا اس کی طرف دیکھتا رہ گیا، مجھے لگا اس کی آنکھیں کسی کے انتظار میں ہیں، کسی بہت اپنے کے۔

''تمہیں کس کا انتظار ہے۔'' میں بہت جلدی سے ''آپ'' سے ''تم'' تک آ گیا تھا، میں نے سوچا کہ شاید وہ برا مان جائے پر اس کا چہرہ سپاٹ ہی تھا۔

''انتظار نہیں آس کہو، انتظار تو ختم ہو جاتا ہے لیکن آس، یہ کبھی بھی نہیں مٹتی، ہمیشہ زندہ رہتی ہے، انسان فنا ہو جاتا ہے یہ پھر بھی زندہ رہتی ہے اس کے جانے کے بعد بھی یہی کہیں بھٹکتی رہتی ہے، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہے روزانہ یقین اور آس کی بحث ہوتی ہے، یقین کہتا ہے کہ وہ کبھی بھی نہیں آئے گا پر آس نہیں مانتی وہ یقین سے لڑتی ہے جھگڑتی ہے اسے جھوٹے دلاسے دیتی ہے کہ وہ ضرور آئے گا، یقین چپ ہو جاتا ہے تو آس اسے اپنی جیت سمجھتی ہے اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے یہاں لا بٹھاتی ہے، پھر جب وہ نہیں آتا تو ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیتی ہے، مرتی پھر بھی نہیں بس تھک جاتی ہے اس کی راہ دیکھتے دیکھتے اپنے آپ کو مضبوط کرتے کرتے اور یقین سے لڑتے لڑتے۔'' اچانک وہ رک گئی اور گہرا سانس لیا، جیسے خود بھی آس کے ساتھ تھک گئی ہو۔

''کون تھا وہ؟'' میں نے بلا جھجک یہ سوال پوچھا، توقع کہ جواب نہیں ملے گا، وہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوتی توقع کے عین مطابق۔

''چلتی ہوں، آس تھک گئی ہے اب اس میں اور بیٹھنے کی ہمت نہیں رہی۔'' پھر وہ جب تک نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی میں اسے دیکھتا رہا اور پھر بوجھل قدموں سے اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

☆☆☆

اگلے دن میں گل شیر کے گھر گیا، زمان گل (گل شیر کا باپ) کل سے بہتر تھا، اس کی ماں کے کہنے پر مجھے قہوہ پینا پڑا، ان کے گھر سے جب وہ نکلا تو مجھے یقین تھا کہ وہ جا چکی ہوں گی میں سست قدموں سے چل رہا تھا کہ سامنے ہی وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی نظر آئی میں نے یہ چند قدم کا فاصلہ بھاگتے ہوئے طے کیا۔

''سوری تھوڑا لیٹ ہو گیا۔'' بیٹھتے ہوئے جس بے تکلفی سے بولا جیسے کہ وہ میرے ہی انتظار میں بیٹھی ہو، وہ کچھ نہ بولی۔

''کون تھا وہ؟'' میں نے گفتگو پھر وہی سے شروع کی، مجھے یقین تھا کہ آج وہ ضرور بتائے گی۔

''تمہاری طرح ہی ڈاکٹر تھا۔'' کچھ دیر بعد وہ بولی۔

''مجھ سے ''محبت'' کا دعوہ تھا اسے۔'' اس نے ''محبت'' پر زور دیا۔

''محبت۔'' وہ پھر طنزیہ لہجے میں بولی۔

''اور بھی بہت بڑے بڑے دعوے کیے تھے اس نے جیسے کہ مجھے کبھی بھی چھوڑ کے نہ جانے کا دعوا اور میں جو بھی غیر مرد پر اعتبار نہ کرتی تھی اس کی ہر بات پر سر جھکاتی چلی گئی اور اب اس کے جانے کے بعد بھی ویسے ہی سر جھکائے کھڑی ہوں اور میرا اعتبار مجھے کہتا ہے ''دیکھا میں نہ کہتا تھا مرد ایک جیسے ہی ہوتے ہیں دغا باز، دھوکے باز۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نام کیا تھا اس کا۔'' مرد کا صرف ایک نام ہوتا ہے وہ ہے ''دھوکہ'' وہ میرے سامنے بیٹھی میری ہی جنس کی برائی کر رہی تھی پر میں کچھ نہ بولا، میں چاہتا تھا کہ وہ اپنے اندر کی بھڑاس نکال لے۔

''تمہیں پتہ ہے میں روز خواب میں دیکھتی ہوں کہ وہ لوٹ آیا ہے پر خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں نا، وہ جو سامنے سڑک ہے نا۔'' اس نے پہاڑوں کے درمیان بنی سڑک کی طرف اشارہ کیا۔

''میں نے آخری دفعہ اسے وہی سے دیکھا تھا وہ جلد گیا تھا پر کہتا تھا کہ لوٹ کر ضرور آئے گا ''محبت'' پر ''یقین'' رکھنے کی تلقین کر کے گیا تھا اور میں آج تک اسی ''محبت'' پر یقین کیے بیٹھی ہوں، میرا یقین اور اعتبار مجھ پر ہنستے ہیں، میرا مذاق اڑاتے ہیں پر میں اندھی اور بہری بن جاتی ہوں پر آخر کب تک، کب تک۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

''میری ''محبت'' کمزور پڑھنے لگی ہے ٹوٹنے لگی ہوں میں، میری آس انتظار میں بدلنے لگی ہے اور انتظار تو ختم ہو جاتا ہے نا۔'' آخر میں وہ ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی، اس کی آنکھوں سے آنسو نکل نکل کر نیچے بہتی ہوئی ندی میں گم ہو رہے تھے، میرا دل چاہا کہ میں ان آنکھوں کے سارے آنسو صاف کر کے ان ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دوں، وہ مسکراہٹ جو کب کی اس کے ہونٹوں سے روٹھ گئی ہے اسے واپس لے آؤں، اسی مقصد کے لئے میں نے ہاتھ بڑھایا مگر جلد ہی کھینچ لیا، میں ایسا کوئی حق نہیں رکھتا تھا، وہ روئے چلی جا رہی تھی اور ایک طرح سے یہ اچھا ہی تھا اندر کا غبار اگر آنسوؤں کی شکل میں نکل جائے تو دل ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے، میں نے اسے رونے دیا، کچھ دیر بعد وہ خود ہی آنکھیں صاف کرنے لگی۔

''اب تمہیں چلنا چاہیے کافی دیر ہو گئی ہے۔'' میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا، وہ جاتی جاتی پلٹی۔

''تھینکس۔'' میں ناسمجھی کے عالم میں وہاں کھڑا سوچ رہا تھا کہ اس نے مجھے شکریہ کس لئے کہا۔

☆☆☆

پھر اگلے دو دن میں نے اسے وہاں بیٹھے نہیں دیکھا، مجھے خوشی ہوئی کہ وہ اس محبت کی قید سے آزاد ہو گئی ہے جس میں اسے سوائے دکھ کے کچھ نہیں ملنا تھا، پر دوسری طرف اس سے ملنے کا بہانہ چھوٹ گیا تھا، میرا اسے دیکھنے کو دل کر رہا تھا اور میں اپنی اس کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا، کوئی جذبہ تھا جو میرے اندر پنپ رہا تھا، شاید وہ ''محبت'' ہی تھی کہتے ہیں کہ ''محبت'' کا ادراک اس کی آخری سٹیج پر ہوتا ہے، اسی لئے مجھے ابھی تک اس کی صحیح طرح سے سمجھ نہیں ہو سکی تھی، ثمن کے ساتھ شادی میں میری پسند شامل تھی وہ میری اچھی دوست تھی میں اسے ''پسند'' کرتا تھا، ''محبت'' اس جذبے کا نام میں نے آج تک سنا تھا لیکن خود کبھی اس میں مبتلا نہیں ہوا تھا بلکہ میں تو اسے بکواس قرار دیتا ہے، پر اب انجانے میں ہی میں اس کا شکار ہو گیا تھا، میں اپنی ہی سوچوں میں گھرا بیٹھا تھا کہ موبائل کی بپ بجی۔

''ہیلو ثمن کیسی ہو؟'' میں نے اپنے لہجے کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی۔

''میں تو ٹھیک ہوں تمہاری آواز کو کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے نا۔'' دوسری طرف اس کی تشویش بھری آواز سنائی دی۔

''ہاں بس تھوڑا زکام ہے۔'' میں نے

جھوٹ بولا۔

''دیکھا میں نے کہا بھی تھا کہ اپنا خیال رکھنا اب ہو گئے نا بیمار، دوائی لی یا یونہی بیٹھے ہو۔'' وہ میرے بارے میں یونہی بچی تھی اب ایک چھینک آئی نہیں تھی کہ بیڈ ریسٹ شروع کروا دیتی۔

''ہاں بابا لے لی ہے تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں آئی ایم آل رائٹ۔'' میں نے اس کی تسلی کروائی تھی یا اپنے آپ کو تسلی دی تھی، مجھے کچھ سمجھ نہ آیا۔

''شیور۔''

''ہنڈرڈ پرسنٹ۔''

''اچھا تو چلو ٹھیک ہے تم آرام کرو میں بعد میں فون کروں گی اللہ حافظ۔''

''میں نے ثمن کو رخ مہر کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟'' میں سوچ کر رہ گیا میں ثمن سے ہر بات شیئر کرتا تھا پر یہ بات نجانے کیوں کہہ نہ سکا۔

''میں کیا کروں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' میں سر تھام کر رہ گیا۔

☆☆☆

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔'' میں بیٹھا کچھ فائلز سٹڈی کر رہا تھا جب ایک نسوانی آواز نے مجھے چونکایا میں نے گردن موڑ کر دیکھا تو سامنے ہی وہ کھڑی تھی میں یکدم کھڑا ہو گیا۔

''تم؟'' میں ابھی تک بے یقینی کے عالم میں تھا۔

''تم یہاں۔'' وہ بابا کی طبیعت بہت خراب ہے، انگلیاں چٹخاتی ہوئی وہ کوئی اور ہی رخ مہر لگ رہی تھی، میں اس کے ساتھ اس کے بابا کو چیک کرنے گیا، وہی سردی کی وجہ سے کھانسی کی تکلیف تھی، انہیں نیند کا انجکشن دینے کے بعد میں جانے لگا کہ اس نے چائے پینے کا کہا، میں بیٹھ گیا اور ساتھ پڑی لکڑی کی میز سے کتابیں اٹھا کر دیکھنے لگا، میں بانو قدسیہ کی ''راجہ گدھ'' کو دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ چائے بنا کر لے آئی۔

''یہ سب کتابیں کون لاتا ہے؟''

''جب بھی بابا شہر جاتے ہیں تو ان سے منگوا لیتی ہوں، آخر ٹائم گزارنے کا کوئی ذریعہ بھی تو ہونا چاہیے۔'' وہ سر جھکائے بول رہی تھی۔

''تمہاری امی نظر نہیں آ رہی۔'' میں نے اردگرد نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''وہ تو میرے بچپن میں ہی چلی گئیں تھیں، اس جہان سے کبھی کوئی واپس نہیں آتا۔'' وہ دکھ سے بولی، میرے دل کو ٹھیس لگی، یہ نازک سی لڑکی اپنے اندر کتنے طوفان چھپائے بیٹھی تھی، ماں کے بچھڑنے کا غم، محبت کے ٹوٹنے کا غم اور یہ غم اتنے بڑے ہیں کہ کوئی مضبوط انسان بھی انہیں جھیل نہ پائے۔

''آئم سوری۔'' میں بس اتنا ہی کہہ سکا، کیونکہ شاید میرے بڑے سے بڑے لفظ بھی اس دکھ کا مداوا نہیں کر سکتے تھے۔

''میرے بابا ہی میرے لئے سب کچھ ہیں، میری ماں اور باپ دونوں انہوں نے کبھی مجھے ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی، پر ماں تو ماں ہوتی ہے، مجھے کبھی اپنی ماں کی کمی اتنی محسوس نہیں ہوتی تھی جتنی تب ہوتی تھی جب وہ مجھے چھوڑ کر گیا تھا۔'' وہ چائے کے کپ کے کناروں پر انگلیاں پھیر رہی تھی، میں نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ میں جب سے آیا تھا اس نے ایک نظر بھی مجھے نہیں دیکھا تھا جبکہ پہلے وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی تھی۔

''کیا اب بھی اسے یاد کرتی ہو؟'' میں نے بات بدلی۔

''نہیں۔'' وہ شفاف لہجے میں بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس دن جب میں تمہارے سامنے روئی تھی اس دن کے بعد سے آج کے دن تک میں نے اسے یاد نہیں کیا، میں حیران رہ گئی کہ کیا ایک سال کی محبت اتنی جلدی مٹ سکتی ہے میں نے دل سے پوچھا تو اس نے کہا'' کہ تمہاری محبت تو اسی دن مر چکی تھی جس دن وہ تمہیں چھوڑ کر گیا تھا، یہ تو بس آس تھی جو تمہیں پکڑے ہوئے تھی'' اور اس دن وہ آس بھی انتظار میں بدل کر ختم ہوگئی اور مجھے اس نادیدہ محبت کی قید سے رہائی مل گئی اور مجھے اس سے آزاد تم نے کروایا ہے، تم نے مجھے دوبارہ زندگی کی طرف موڑا ہے۔'' بات کرتے کرتے وہ اچانک کی میرے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تھینک یو، تھینک یو ویری مچ۔'' اور میری یہ حالت تھی کہ منہ کھولے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں نے پر میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔''

''ہاں تم نے تمہارے وجود کے طلسم نے میرے گرد تنے آس کے اس خول کو توڑ ڈالا ہے، تمہاری شخصیت میں پتہ نہیں کیا بات تھی کہ میں تم سے وہ سب کچھ کہہ بیٹھی جو میں آج تک کسی سے نہ کہہ سکی تھی اس سے بھی نہیں جس سے میں نے کبھی محبت کی تھی، تم حیران ہو رہے ہوگے کہ محبت اتنی جلد بھی مٹ سکتی ہے، مگر وہ محبت تھی ہی نہیں وہ تو صرف ایک ''سحر'' تھا، صرف ایک ''کشش'' تھی اگر وہ محبت ہوتی تو آج میں یوں اس کے مٹ جانے پر خوش نہ ہوتی، وہ محبت تھی ہی نہیں اور تمہیں پتہ ہے ''محبت'' تو مجھے اب ہوئی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں الوہی جذبے انگڑائی لے رہے تھے میں ڈر گیا، ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا، یہ ٹھیک نہیں ہو رہا تھا میں اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا کہ اس کی آواز نے میرے قدموں کو منجمد کر دیا۔

''میں کل شام تمہارا وہی پر انتظار کروں گی جہاں ہم پہلی بار ملے تھے، مجھے یقین ہے کہ اس بار میرا ''یقین'' مجھے دھوکہ نہیں دے گا۔'' وہ یقین بھرے لہجے میں بولی، میں وہاں سے تقریباً بھاگتا ہوا نکل آیا تھا۔

''یہ سب کیا ہو گیا تھا۔'' وہ جذبہ جو میں خود اپنے اندر بھی سنبھال سنبھال کر رکھا تھا وہ اسی جذبے کی اسیر ہوگئی تھی، میں جانے اور نہ جانے کی کشمکش میں تھا اگر سوچتا تو ثمن اور صائم کے چہرے میرے گرد گھومنے لگتے اور اگر نہ سوچتا تو کانوں میں اس کی آواز گونجنے لگتی۔

''سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں دھوکے باز۔'' میں اپنی جنس پر دھبہ نہیں لگانا چاہتا تھا، میں اس کے یقین کو دوبارہ آس کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا، اب جب اسے محبت پر یقین ہوا تھا تو میں اس محبت کو کیسے توڑ دیتا جبکہ خود میری ''محبت'' مجھے جانے پر مجبور کر رہی تھی، میں اسی الجھن میں تھا کہ مجھے باہر گاڑی رکنے کی آواز ہی نہیں آئی پتہ تو تب چلا جب صائم نے آ کر میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''سرپرائز۔'' ثمن سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی، میں خوشگوار حیرت میں گھر گیا، الجھن کہیں دور بھاگ گئی، اپنے بیٹے اور بیوی کو دیکھ لینے کے بعد شاید انسان ایسے ہی خوش ہو جاتا ہے۔

''یہ اچانک یہاں آنے کی کیا وجہ تھی؟'' میں صائم کو گود میں لے کر بیٹھ گیا تھا، اپنے بیٹے سے بہت محبت تھی، میں تو اس کے بغیر ایک دن نہیں کاٹتا تھا، کہاں اتنے دن، اسی لئے تو میں ثمن کے میکے بھی زیادہ نہیں جانے دیتا تھا میں ان دونوں کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

''بس آپ کی یاد آئی اور ہم چلے آئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثمن ڈرامائی انداز میں بولی تو میں ہنس دیا۔

"یعنی کہ یاد صرف آج ہی آئی تھی۔"

"نہیں پاپا، میں تو آپ کو روز یاد کرتا تھا اور ماما بھی آپ کو یاد کر کے روتی تھیں ایک دن یہ رو رہی تھی تو میں نے پوچھا پاپا یاد آرہے ہیں تو کہتی ہیں ہاں۔" وہ باتوں میں بمبرون تھا، میں شرارتی نظروں سے ثمن کو دیکھنے لگا تو اس نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔

"پاپا! ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔" صائم میرے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے بولا تو میں سوالیہ نظروں سے ثمن کو دیکھنے لگا۔

"جی جناب یہ لیں آپ کے ٹرانسفر آرڈر۔" وہ ایک کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔" میں مسکرایا تو اندر ہی کہیں چبھن ہوئی، حالانکہ یہ تو میں خود چاہتا تھا پر پتہ نہیں کیوں اور یہی کہیں سے بچھڑنے کا غم اور کسی کو کبھی نہ دیکھنے کا دکھ ستانے لگا تھا۔

ثمن میری پیکنگ میں مصروف ہوگئی کل، شام تک ہمیں چلے جانا تھا، پھر میں ان دونوں کو لے کر یہ علاقہ دکھانے نکل گیا جب آئے تو شام ہونے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی تھی، صائم اور ثمن تو سو گئے کہ شام کو سفر بھی کرنا تھا پر میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی پھر میں نے خود سے کیا ہوا فیصلہ دوہرایا، یہ فیصلہ میں نے آج صبح صائم اور ثمن کو دیکھ کر لیا تھا، بس تکمیل ہونا باقی تھی، دماغ نے اس فیصلے پر مثبت جواب دیا تھا پر دل پس و پیش کر رہا تھا مگر میں نے دل کی آواز پر کان نہ دھرے اور وہاں چلا آیا جہاں وہ مجھے پہلی دفعہ ملی تھی، وہ وہی بیٹھی تھی، پر آج اس کی نظریں سامنے راستوں پر نہیں تھیں بلکہ مجھ پر تھیں۔

"مجھے یقین تھا کہ تم آؤ گے مگر اتنی جلدی آ گے اس کا یقین نہیں تھا۔" میں نے تمہید باندھی۔

"رخ! میں آج تمہیں کچھ کہنے آیا ہوں آخری بار۔"

"آخری بار۔" میں نے آہستگی سے کہا تھا وہ مڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔

"میری بیوی اور بیٹا مجھے لینے آئے ہیں میرا ٹرانسفر ہوگیا ہے۔" میں نے حقیقت بتائی۔

"یہ اس کے لئے کڑوی تو ہوگی مگر یہ بتانا بے حد ضروری تھا، میں بس تمہیں یہ کہنے آیا ہوں کہ ہر مرد "دھوکے باز" نہیں ہوتا، کبھی کچھ مجبوریاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ انسان کو نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی محبت کو مارنا پڑتا ہے ہوسکتا ہے اس کے ساتھ بھی وہی مجبوری ہو جو تمہیں چھوڑ کر گیا تھا، مگر اس نے تمہیں حقیقت سے باخبر نہ کیا ہوگا، میں نے تمہیں حقیقت اسی لئے بتائی ہے کہ تم پھر اسی آس کی قید میں گرفتار نہ ہو جاؤ جس سے تم نے خود کو بمشکل نکالا ہے، میں چاہتا ہوں تمہیں بتائے بغیر چلا جاتا، پر میں نہیں چاہتا تھا کہ تم پھر انہی راستوں کو دیکھتی رہو جو تمہیں میری شبیہہ کبھی نہیں دکھائیں گے، مجھے یقین ہے کہ تم میری بات سمجھ گئی ہوگی۔" بات ختم کر کے میں نے اس کی طرف دیکھا وہ دکھ سے مسکرائی۔

"ہاں سمجھ بھی گئی ہوں اور تمہیں جان بھی گئی ہوں، میں اب کسی آس میں قید نہیں رہوں گی کبھی ان راستوں کو نہیں دیکھوں گی لیکن تمہیں یاد ضرور کروں گی ہمیشہ تاعمر، تم مجھے اس بات سے تو منع نہیں کرو گے۔" وہ بہت آس سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں یادوں کو مٹایا نہیں جاسکتا، یہ تو محبت کو زندہ رکھتی ہیں اور میں تمہیں "محبت" کو مٹانے کا نہیں کہہ سکتا کیونکہ محبت تو مٹانے کا غم انسان کو

"آس" سے بھی زیادہ تکلیف دیتا ہے اور میں تمہیں تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"کیونکہ میں خود تم سے "محبت" کرتا ہوں، وہ محبت جو امر ہوتی ہے، ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو اچھی یادوں کی طرح یاد رکھیں گے، کہو کرو گی نا یاد پر وعدہ کرو مجھے یاد کر کے روؤ گی نہیں بلکہ ہمیشہ مسکراؤ گی اور جب تم مجھے یاد کر کے مسکراؤں گی تو میرا دل بھی ہمیشہ مسکرائے گا، وعدہ کرو۔" جس نے اس کے آگے اپنا ہاتھ پھیلایا، تو اس نے اس پر اپنا نازک ہاتھ رکھ دیا۔

"وعدہ۔" اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے چمک رہے تھے پر وہ کمال ضبط سے انہیں رخساروں کی دہلیز سے آگے روکے کھڑی تھی، وہ مسکرا رہی تھی، میں نے گیلی آنکھوں سے مسکراتے لبوں کے اس منظر کو ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھوں میں قید کیا اور وہاں سے پلٹ آیا، پیچھے مڑ کر دیکھتا تو ضرور پتھر کا ہو جاتا، اب اسے یہ بات ضرور سمجھ میں آگئی ہوگی کہ "سب مرد دھوکے باز نہیں ہوتے بس کچھ مجبوریاں رکاوٹ ڈال دیتی ہیں۔"

"مجبوریاں۔" اس لفظ پر میری محبت اندر ہی کہیں ہنس رہی ہے پر میں نے ہمیشہ کی طرح اس کی آواز کو نظر انداز کر دیا کیونکہ یہی بہتر تھا میرے لئے رخ مہر کے لئے، ثمین کے لئے اور صائم کے لئے۔

☆☆☆

آج میں ایک کامیاب ڈاکٹر ہوں، صائم بھی میڈیکل کے چوتھے سال میں ہے اسے بھی میری طرح ڈاکٹر بننے کا شوق ہے، اس سے چھوٹی اور میری لاڈلی کائنات ایف ایس سی پری انجینئرنگ کر رہی ہے، ثمن آج بھی میرا اسی طرح خیال رکھتی ہے اور مجھ سے پیار کرتی ہے، اگر میں دیکھوں تو میں نے گزرے سالوں میں بہت کچھ پایا ایک پیارا سا گھر، شہرت دولت سب کچھ، دماغ کہتا ہے کہ سب ٹھیک ہوا ہے اور ٹھیک چل رہا ہے، پر دل آج بھی اس کے مخالف ہے، اگر کبھی فرصت ملے دل میں جھانکوں تو وہ ہمیشہ ہی مسکراتا ملتا ہے کسی کیا یاد سے، پر اس کی مسکراہٹ میں تھوڑا سا دکھ بھی شامل ہے کسی کو کھونے کا دکھ، کبھی کبھی ہمیں زندگی میں ایسے فیصلے بھی کرنے پڑتے ہیں جو ہمارے دماغ کے تابع ہوتے ہیں ہمارا دل ان پر اقرار نہیں کرتا پر ہمیں اسے نظر انداز کرنا ہی پڑتا ہے، ایسا ہی فیصلہ میں نے بھی آج سے اکیس سال پہلے کیا تھا۔

"رخ مہر سے بچھڑنے کا فیصلہ، اکیس سال ہو گئے میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن آج بھی جب میں اپنی آنکھیں بند کرتا ہوں تو گیلی آنکھوں سے مسکراتے لبوں کا منظر میرے سامنے ویسے ہی تازہ ہو جاتا ہے جیسے وہ میرے سامنے ہو، یہی منظر مجھے طاقت دیتا ہے زندہ رہنے کی، مجھے یقین ہے کہ وہ آج بھی مجھے یاد کرتی ہوگی، مسکراتے لبوں کے ساتھ، تبھی تو میرا دل ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے اور مجھے اسی مسکراتے دل کے ساتھ ہی جینا ہے۔"

کہتے ہیں دوریاں محبت کو امر بنا دیتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میری محبت امر ہو چکی ہے، آپ کیا کہتے ہیں؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس شہر تمنا کی خبر لانا

سیما انصار

”آؤ اب کے برس محبت کاشت کرتے ہیں۔“ دسمبر کا مہینہ بھی عجیب ہے خاموشی میں تنے ہوئے بے کیف سے دن اور ٹھٹھرتی ہوئی راتیں، کسی کے لوٹ آنے کا انتظار کرتی ہیں اور اس کے لئے یہی وہ اداس اور بکھرا ہوا مہینہ ہے جس کے گزرتے ہی ایک اور برس ماضی کی بھول بھلیوں میں ڈوب جاتا ہے اور پھر زندگی کے اس بہتے دریا میں اس کی جان سے پیاری ”امامہ“ کا چہرہ ڈوبتا اور ابھرتا نظر آیا۔

سارا کمرہ سگریٹ کے دھویں سے بھرا ہوا تھا، آج دسمبر کا آخری دن تھا، یہی وہ منحوس دن تھا جب اس کی متاع جان اس سے جدا ہوئی تھی، دسمبر شروع ہوتے ہی اس کی یہی حالت ہو جاتی تھی، پوری پوری رات جاگ کر سگریٹ سے اپنے دل کو جلا کر اس دشمن جان کی یاد مناتا تھا۔

وہ روزانہ یہ امید لے کر گھر سے نکلتا تھا کہ آج اس کی خبر ضرور ملے گی مگر“ اس نے ایک آہ بھری، اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ اس کا چہرہ کب آنسوؤں سے تر ہو گیا، آج اس سے بچھڑے ہوئے پورے تین سال ہو چکے تھے دل کے کسی کونے میں اسے یہ یقین تھا کہ وہ زندہ ہے اور ایک نہ ایک اس کے پاس لوٹ آئے گی، اس کے دل سے گھٹی گھٹی سی سسکیاں نکل رہی تھیں اور بین کرتی ہوئی اس دسمبر سے التجا کر رہی تھیں۔

دسمبر اب کے آؤ تو
تم اس شہر تمنا کی خبر لانا
دسمبر! ہم سے مت پوچھو ہمارے شہر کی بابت
یہاں آنکھوں میں گزرے کارواں کی گرد ٹھہری

مکمل ناول

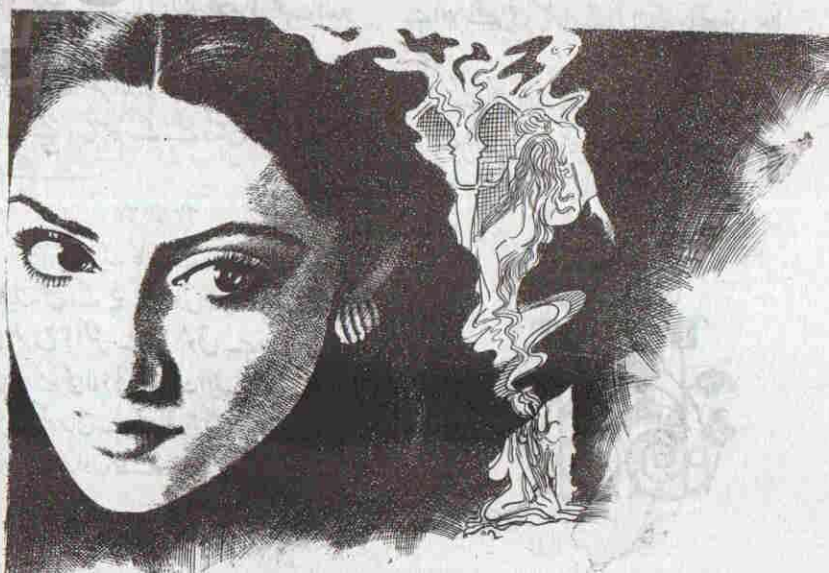

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محبت برف جیسی ہے
یہاں جب صبح آتی ہے تو شب کے
سارے سپنے راکھ کے اک ڈھیر کی صورت میں
ڈھلتے ہیں
یہاں دل کے لہو میں اپنی پلکوں کو
ڈبو کر ہم سنہرے خواب بنتے ہیں پھر
ان خوابوں میں جیتے ہیں
انہی خوابوں میں مرتے ہیں
دریدہ روح کو لفظوں سے سینا گو نہیں ممکن
مگر پھر بھی............
دسمبر اب کے آؤ تو............
تم اس شہر تمنا کی خبر لانا!

☆☆☆

ابرار علی اور ابصار علی دو بھائی تھے دونوں کا مشترکہ ماربل ٹائلز کا بزنس تھا، ابرار علی کے دو بیٹے تھے، بڑا بیٹا عزیز بزنس میں اپنے والد اور چچا کا ہاتھ بٹاتے تھے اور دوسرے بیٹے کا نام ہریرہ تھا، جو کہ ہاؤس جاب کر رہے تھے اور ان کی نسبت ابصار علی کی اکلوتی بیٹی امامہ سے بچپن میں ہی اپنے دادی، دادا کی خواہش پر ہو چکی تھی۔

دونوں بھائیوں ابرار علی اور ابصار علی کے پورشن الگ تھے لیکن دونوں بھائیوں اور ان کی فیملی میں آپس میں بہت پیار تھا، جٹھانی اور دیورانی کی بھی آپس میں خوب گاڑی چھنتی تھی اور عزیز کی بیوی ثوبیہ بھی اس ماحول میں خوب رچ بس گئی تھی اور ان لوگوں کے ساتھ خوب گھل مل کر رہتی تھیں اور ان سب کی آنکھوں کی ٹھنڈک امامہ تھی جو اپنے نام کی طرح خود بھی بہت پیاری تھی، اپنے اکلوتی ہونے کا اس نے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا، وہ بہت فرمانبردار تھی، بہت باادب تھی سارا دن بلبل کی طرح چہکتی رہتی تھی اور سب کی آنکھوں کا تارا تھی اور ہریرہ کی تو اس میں جان تھی، بچپن میں ان کے جس رشتے کی بنیاد رکھی گئی تھی، وہ رشتہ پنپتے پنپتے ایک تناور درخت بن گیا تھا اور عمروں کے ساتھ ساتھ ان کی محبت بھی پروان چڑھتی رہی، وہ یک جان دو قالب ہو گئے، ان کا ایک دوسرے کے بغیر رہنا سوہان روح تھا، ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگتی تھی ایک دوسرے کو جب تک دیکھ نہ لیتے انہیں چین ہی نہ آتا اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتے تھے اگر ہریرہ کو گھر آنے میں کچھ تاخیر ہو جاتی تو امامہ لان میں ہی ٹہل ٹہل کر اس کا انتظار کرتی اور ہوتی رہتی کہ کہیں ہریرہ کو کچھ ہو نہ گیا ہو اور پھر جیسے ہی وہ گھر آتا اس کی خوبصورت جھیل جیسی آنکھیں برسنا شروع کر دیتیں اور اس کے یہ آنسو خوشی کے ہوتے کہ اس کا ہریرہ ٹھیک ٹھاک گھر واپس آ گیا ہے اور پھر آنسو پونچھ کر اس سے جھگڑا کرنا شروع کر دیتی۔

''تمہیں پتہ ہے جب تک تم گھر نہیں آ جاتے ہو میری جان سولی پر اٹکی رہتی ہے۔'' وہ شدید غصے کی حالت میں اس سے مخاطب ہوتی۔

''اچھا بابا! سوری۔'' وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے کانوں کو پکڑتے ہوئے اس کے بے انتہا حسین غصے سے سرخ چہرے کو اپنی نگاہوں کی گرفت میں لیتے ہوئے کہتا۔

اور بس اس کی اسی ''ادا'' پر ہار مان مان اور اس کی بے باک نگاہوں سے بچنے کے لئے اندر کی طرف دوڑ لگا دیتی۔

☆☆☆

وہ مارچ کا ایک انتہائی خوبصورت اور چمکیلا دن تھا، بہار اپنے پورے جوبن پر تھی، ہر طرف موتیا، گیندے، گلاب، گل داؤدی اور دیگر رنگ برنگے پھول جا بجا کھلے ہوئے تھے اور عجب بہار کھلا رہے تھے اور جھوم جھوم کر بہار کے گیت گا رہے تھے۔

یہ بسنت بہار کے دن تھے، کھیتوں میں سرسوں پھول رہی تھی، آموں میں بور آ گیا تھا، ہر طرف بسنتی زرد آنچل لہرا رہے تھے۔

ہریرہ جیسے ہی کالج جانے کے لئے گاڑی میں بیٹھا، امامہ تقریباً بھاگتی ہوئی آئی اور اسے آواز دے کر روکا، وہ جو اگنیشن میں چابی ڈال کر گھمانے ہی والا تھا، اس کی آواز سن کر اس سمت دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔

امامہ کے اس طرح آنے سے اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں، اس نے یلو اور گرین کنٹراسٹ کا سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا، یلو کلر کی اے لائن شرٹ کے گلے پر گرین ایمبرائیڈری کی ہوئی تھی اور گرین ٹراؤزر تھا اور ان دونوں رنگوں کا ہم رنگ دوپٹہ تھا، جو اس نے شانوں پر پھیلایا ہوا تھا، ڈھلک کر نیچے آ گیا تھا، جسے وہ سنبھالتی اپنی بے ترتیب ہوئی سانسوں پر قابو پاتی ہوئی سیدھی اس کے دل میں اتر رہی تھی۔

''ہریرہ پلیز! مجھے کالج ڈراپ کر دو، آج مجھے جلدی وہاں پہنچنا ہے، آج کالج میں بسنت بہاراں کا فنکشن ہے۔'' وہ اپنے گولڈن سلکی بالوں کو چہرے پر سے ہٹاتے ہوئے بولی۔

سورج کی سنہری کرنیں سیدھی اس کے سنہرے چہرے پر پڑ کر اس کے چہرے کو کندن کر رہی تھیں وہ گنگ سا اسے دیکھے گیا۔

''پلیز ہریرہ! ایسے مت دیکھو۔'' بالآخر اس نے اس کی نظروں کی تپش سے پزل ہو کر اس کا کندھا ہلا کر کہا۔

''کہاں جانا ہے مجھے کچھ سنائی نہیں دیا، گاڑی میں بیٹھو اور پھر بتاؤ۔'' ہریرہ نے اس کے دہکتے گالوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اُف او! ایک تو پتہ نہیں تم کہاں گم ہو جاتے ہو۔'' امامہ نے جھٹ سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تو ایسے ہتھیاروں سے لیس ہو کر مت آیا کرو، اچھے بھلے نیک انسان کا بھی ایمان متزلزل ہونے لگتا ہے۔'' ہریرہ نے اس کے دل کش سراپے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

میک اپ کے نام پر اس نے آنکھوں میں کاجل اور لبوں پر نیچرل لپ اسٹک لگائی تھی۔

نہ کجلے کی دھار
نہ موتیوں کا ہار
نہ کیا کوئی سنگھار
پھر بھی کتنی سندر ہو

ہریرہ نے گنگناتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی اور امامہ شرم سے سمٹ کر رہ گئی۔

راستے میں جگہ جگہ پھولوں کے سٹالز لگے ہوئے تھے، دکانوں پر خریداروں کا ہجوم لگا ہوا تھا ہریرہ نے گاڑی روکی اور ایک پھولوں کے سٹال سے اس کے لئے گجرے لئے اور اس کی نازک کلائیوں میں خود ہی پہنائے امامہ کو اس کے گرم سانسوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس ہوئی تو اس کے سنہرے گال شرم سے سرخ ہو کر گھنیری پلکوں کے سائے میں آ گئے اور شرمگیں مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

اور ہریرہ بے خود سا ہو کر یہ حسین منظر دیکھے گیا اور نجانے کب تک اس پر یہ سحر طاری رہتا کہ پیچھے سے ہارن کی آواز سن کر ہریرہ نے بہت برا سا منہ بنا کر بے دلی سے گاڑی سٹارٹ کی اور امامہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

☆☆☆

ایک دن وہ یونیورسٹی سے جب گھر آئی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی ماما اسے معمول سے ہٹ کر خوش دکھائی دیں۔

''آج تو آپ بہت خوش نظر آرہی ہیں۔'' امامہ نے لاؤنج میں پڑے صوفے پر اپنا بیگ رکھتے ہوئے کہا۔

''بات ہی خوشی کی ہے۔'' ماما نے بہت پرجوش ہوکر کہا۔

''آخر پتہ تو چلے کہ ایسا کیا قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا جو خوشی آپ کے انگ انگ سے پھوٹ رہی ہے۔'' امامہ نے ان کے پرنور چہرے کو اپنی نظروں میں لیتے ہوئے کہا۔

''جو خزانہ مجھے ملنے والا ہے، اس کے آگے قارون کا خزانہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔'' انہوں نے اپنی آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اُف او! ماما میرے صبر کا اب اور امتحان مت لیں، بتا بھی دیں۔'' امامہ نے ان کے شانے پر سر ٹکاتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے تایا اور تمہارے بابا حج پر جا رہے ہیں۔'' انہوں نے خوشی سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ تو واقعی بہت خوشی اور سعادت کی بات ہے۔'' امامہ نے ان سے لپٹتے ہوئے بے انتہا خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''اور تائی امی آپ کے ساتھ نہیں جا رہیں؟'' امامہ نے یاد آنے پر پوچھا۔

''نہیں، میرے یا تمہاری تائی امی میں سے کسی ایک کا یہاں ہونا ضروری ہے کیونکہ تمہارے اور ثوبیہ پر ہم لوگ گھر کی ذمہ داری نہیں ڈال سکتے اور ویسے بھی جب تم چھوٹی تھیں تو تمہاری تائی امی اور تمہارے تایا ابو نے حج کی سعادت حاصل کر لی تھی، تمہارے تایا ابو دوسری بار حج کرنے جا رہے ہیں، بہت خوش نصیب ہیں وہ۔'' ماما نے تفصیل سے اس کی بات کا جواب دیا۔

''ماما! میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی؟'' امامہ نے ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔

''ارے تم کوئی دودھ پیتی تھوڑی ہو اپنی تائی امی کے پاس رہنا، ویسے بھی وہ تم سے بہت پیار کرتی ہیں۔'' ماما نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، واقعی تائی امی مجھے پیار تو بہت کرتی ہیں اور ثوبیہ بھابھی سے بھی میری خوب دوستی ہے۔'' امامہ نے کہا۔

''میرے جانے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ بہت فرمانبرداری اور سمجھداری سے رہنا، تمہارا ہونے والا سسرال بھی ہے، مجھے واپسی پر تمہاری کوئی شکایت نہ ملے۔'' ماما نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے بہت پیار سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں، میں نے اور تمہاری تائی امی نے سوچا ہے کہ اس جمعہ کو قرآن خوانی اور میلاد شریف کا اہتمام کر لیتے ہیں۔'' ماما نے مزید کہا۔

''یہ بالکل ٹھیک ہے، میں اپنی فرینڈز کو بھی اس نیک کام میں انوائیٹ کروں گی۔'' امامہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا اور دونوں ماں بیٹی اس پرنور محفل کے بارے میں پروگرام بنانے لگیں۔

☆☆☆

جمعہ والے دن بڑے ہال کمرے میں سفید چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں، خواتین بہت عقیدت سے قرآن شریف پڑھنے میں مشغول تھیں، چاروں طرف اگربتی کی پاکیزہ خوشبو پھیلی ہوئی تھی، تھوڑی دیر بعد خواتین میں مزید اضافہ ہوا

چاندنیاں کم پڑ گئیں تو اس کی ماما نے اس سے کہا کہ کسی ملازم سے کہہ کر اور چاندنیاں منگوالو۔

''جی اچھا ماما!'' وہ تابعداری سے کہتی ہوئی باہر کی طرف لپکی۔

اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، کوئی ملازم دکھائی نہ دیا کہ اچانک اس کی نگاہ داخلی گیٹ کی طرف جاتے ہوئے ہریرہ پر پڑی۔

''ہریرہ..... ہریرہ!'' اس نے جلدی سے ہریرہ کو آواز دی، مبادا وہ چلا نہ جائے۔

''کیا ہے؟ جان ہریرہ!'' وہ جلدی سے اس کے پاس آیا اور آخری فقرہ اس نے اس کے کان کے قریب آکر کہا اور پھر جیسے ہی اس کے سراپے پر نظر پڑی، ٹھٹھک کر رک گیا۔

اس نے سفید فرل والی فراک اور تنگ پائجامہ پہنا ہوا تھا، بڑے سے سفید دوپٹے کو بہت سلیقے سے سر پر جمایا ہوا تھا، کلائیوں میں موتیے کے گجرے تھے، میک اپ سے مبرا سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا بہت مقدس اور پرنور چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، وہ اس پاکیزہ سے روپ میں مزید حسین لگ رہی تھی۔

''پلیز ہریرہ! جلدی سے چاندنیاں لا دو، کم پڑ گئی ہیں۔'' اس نے ہریرہ کی نظروں سے پزل ہوتے ہوئے اور اپنی پلکوں کی جھالروں اپنے صبیح رخسار پر گراتے ہوئے کہا۔

''تھوڑی دیر تو رک جاؤ، ان پیاسی نظروں کو اپنے اس روپ سے سیراب تو ہونے دو۔'' جیسے ہی وہ جانے لگی، اس نے تیزی سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف موڑتے ہوئے جذبات سے چور لہجے میں کہا۔

وہ تیزی سے اس سے ہاتھ چھڑا کر اندر کی طرف چل دی۔

''ہک ہاہ!'' ہریرہ نے دل پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

اندر ہال میں جب وہ پہنچی تو میلاد شریف شروع ہو چکا تھا اور ایک خاتون بڑے جذب سے نعت شریف پڑھ رہی تھیں، جب وہ خاتون اس شعر پر پہنچیں کہ۔

نہیں ہے بھروسہ کوئی زندگی کا
اس کو خبر ہے وہ سب جانتا ہے
بلا لے گا وہ مجھ کو مرنے سے پہلے
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں
خدا کب بلائے مجھے اپنے گھر میں

تو اس کی ماما کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور خود بھی روتے ہوئے یہی مصرعہ دہرانے لگیں، تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی ماما کے دل میں وہاں جانے کی کتنی تڑپ تھی۔

اس پرنور محفل کے اختتام کے بعد کھانے کا دور چلا تو اس نے اپنی دوستوں کے لئے کھانا اپنے روم میں منگوالیا۔

''یار اپنے مجنوں سے تو ملواؤ۔'' نمل نے کہا۔

''ہم بھی تو دیکھیں موصوف ہماری امامہ کے قابل ہے بھی یا نہیں۔'' نمرہ نے بھی ٹکڑا لگایا، تو امامہ نے ان سب کے اصرار پر ہریرہ کو کمرے میں بلایا۔

''زہے نصیب، آپ نے یاد فرمایا ہے۔'' وہ اپنے سفید کاٹن کے سوٹ کی کف لنکس کھولتا ہوا ان سے مخاطب ہوا۔

سب اس کی اس بات پر ہنس پڑیں جبکہ امامہ کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی، امامہ نے ان سب کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔

''امامہ آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔'' انعم نے گفتگو کا آغاز کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے سامنے تو نہیں کرتی۔'' ہریرہ نے امامہ کو اپنی نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا، امامہ اس کے جملے پر سٹپٹا کر رہ گئی۔

''ہماری اس پیاری اور معصوم سہیلی کا بہت خیال رکھیے گا۔'' سندس نے بھی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

''او کے مادام! اور کوئی حکم؟'' اس نے کورنش بجالاتے ہوئے کہا۔

سب اس کے اس سٹائل پر مسکرا دیں اور باہر سے اپنے نام کی پکار پر ان کو خدا حافظ کہتا ہوا چلا گیا۔

''امامہ تجھے اتنا ہینڈسم اور محبت کرنے والا ہم سفر مل رہا ہے تو رب کا جتنا شکر ادا کرے، کم ہے۔'' انعم نے کہا۔

''You are very lucky۔'' ارم نے اسے توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو امامہ کے دل میں اپنے رب کے لئے شکر مزید بڑھ گیا۔

☆☆☆

بالآخر امامہ کے والدین اور تایا ابو کے جانے کا وقت آ گیا۔

اور انہوں نے امامہ کو خوب گلے لگا کر ڈھیر سارا پیار کیا تو اس کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو گیا۔

بھابھی اور ہریرہ سے اس کی ماما نے اس کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور اپنے تمام زیورات انہیں دیتے ہوئے کہا۔

''امامہ اور یہ زیورات آپ کے پاس میری امانت ہیں خاص طور پر امامہ کی حفاظت کی ذمہ داری میں آپ کو سونپ کر جا رہی ہوں۔'' ماما نے امامہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

''بے فکر ہو کر جاؤ صالحہ! جس طرح یہ تمہاری بیٹی ہے، ویسے ہی میری بھی بیٹی ہے میں اس کا ہر طرح سے خیال رکھوں گی۔'' تائی امی نے اس کی ماما کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

اس طرح یہ مختصر سا قافلہ اپنی پاکیزہ منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

امامہ ان کے جانے کے بعد خوب بلک بلک کر روئی، سب نے اسے چپ کرایا اور اس کی ڈھارس بندھائی، لیکن نجانے اس کی چھٹی حس کیوں اسے خبردار کر رہی تھی کہ وہ اپنے پیارے والدین سے آخری بار مل رہی ہے۔

تائی امی اور بھابھی عزیز بھائی کے ساتھ جبکہ امامہ تائی امی کے کہنے پر ہریرہ کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔'' ہریرہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تو امامہ کے رونے میں مزید روانی آ گئی۔

''ان خوبصورت آنکھوں میں آئندہ آنسو لانا میرے دل کو ''کچھ کچھ'' ہوتا ہے۔'' ہریرہ نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے آخر میں شرارت سے کہا، امامہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''پرامس کرو جان ہریرہ کہ آئندہ نہیں روؤ گی اور اب مسکرا کر دکھاؤ۔'' اس نے امامہ کے ہاتھوں کی پشت پر اپنے پیار کی مہر ثبت کرتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

امامہ اس کی اس حرکت پر شرم سے کٹ کر رہ گئی اور اس کے لبوں پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ پھیل گئی، جھیل سی آنکھوں میں آنسو اور گلاب سے نازک لبوں پر مسکراہٹ، یہ دلفریب نظارہ اسے بے خود سا کرنے لگا۔

''پلیز گھر چلیں، تائی امی انتظار کر رہی ہونگی۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی گستاخی کر

امامہ نے گھر جانے کا کہا۔

وہ اپنی اس کیفیت سے باہر آیا اور ٹھنڈی سانس بھری، امامہ اس کی اس ادا پر ہنسنے لگی اور یہی وہ چاہتا تھا، ہریرہ نے گنگناتے ہوئے مطمئن ہو کر گاڑی سٹارٹ کر دی۔

امامہ نے مسکرا کر گاڑی کی پشت سے ٹیک لگا کر ہریرہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

دن پر لگا کر گزرنے لگے، امامہ کی روزانہ فون پر اپنے ماما، بابا سے بات ہو جاتی تھی اور آج تو انہوں نے حج کی سعادت بھی حاصل کر لی۔

اس دن اس کی ماما بہت خوش تھیں اور اس سے ڈھیروں باتیں کیں۔

اگلے دن جب وہ یونیورسٹی سے لوٹی تو ایک اندوہناک خبر اس کی منتظر تھی، سعودی عرب میں خیموں میں آگ لگ جانے کی وجہ سے کافی حجام کرام شہید ہو گئے تھے اور ان میں اس کے پرنٹس اور تایا ابو بھی شامل تھے۔

وہ یہ سنتے ہی غش کھا کر گر پڑی، بڑی مشکل سے اسے ہوش میں لائے تو وہ اسے تڑپ تڑپ کر اور بلک بلک کر روئی کہ سب پر ہی قابو پانا مشکل ہو گیا۔

ہریرہ اور اس کی ممی کا صدمہ بھی بہت بڑا تھا، اس کے بابا بھی تو ان سے جدا ہوئے تھے لیکن وہ مرد تھا اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا اور سب امامہ کی دلجوئی میں لگ گئے، اس طرح ان کا سوئم اور پھر چالیسواں بھی گزر گیا لیکن امامہ کو تو جیسے چپ ہی لگ گئی، وہ یا تو قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہتی یا پھر تسبیح پڑھتے ہوئے بے آواز روتی رہتی، اس کی اس حالت پر ہریرہ کا دل تڑپ اٹھتا اور ابھی تک امامہ نے یونیورسٹی بھی جوائن نہیں کی تھی، یہ اس کا ایم اے کا پہلا سال تھا اور ہریرہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا ماسٹرز ادھورا رہ جائے، لہٰذا اس نے امامہ کو یونیورسٹی جانے کے لئے قائل کرنا شروع کر دیا۔

''امامہ تم ایک حقیقت پسند لڑکی ہو، جو تمہارے ساتھ ہوا، اللہ نہ کرے کبھی یوں کسی کے ساتھ ہو، اپنے آپ کو سنبھالو، مضبوط کرو، میرے بابا بھی تو مجھ سے ممی سے دور ہوئے ہیں لیکن میں نے اپنے آپ کو ممی کے لئے تمہارے لئے، بکھرنے سے بچا لیا ہے۔'' ہریرہ نے رنجیدہ ہوتے ہوئے کہا، امامہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''امامہ! وقت اسی برق رفتاری اور روٹین سے گزرتا رہے گا، کسی کے چلے جانے سے وقت کا پہیہ رک نہیں جاتا، زندگی کی گاڑی تو اسی طرح رواں دواں رہتی ہے، پر یوں اچانک کسی اپنے بہت خاص کے چلے جانے سے زندگی میں ایک خلا سا آ جاتا ہے، جیسے لاکھ کوشش کے باوجود کوئی بھی پر نہیں کر سکتا اور میں دعویٰ تو نہیں البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ میں ہر ممکن تمہارا خیال رکھونگا، تمہیں خوش رکھنے کی کوشش کرونگا، پلیز امامہ، میری خاطر اپنے آپ کو سنبھالو، یونیورسٹی جوائن کر لو ورنہ تمہاری ایجوکیشن ان کمپلیٹ رہ جائے گی۔''

''پلیز میری خاطر ہی سہی۔'' ہریرہ نے اس کی آنکھوں سے گرنے والے چمکتے موتیوں کو اپنی انگلی کی پوروں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

امامہ نے اثبات میں گردن ہلا دی تو ہریرہ نے سکون کی سانس سینے سے خارج کی۔

☆☆☆

ہریرہ کے سمجھانے پر امامہ نے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا۔

اس کی دوستوں نے اس کے نوٹس مکمل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے میں اس کی فل ہیلپ کی، زندگی اسی لگی بندھی روٹین سے شروع ہوگئی، اس نے تعلیم پر پوری توجہ دینی شروع کر دی، ہریرہ اسے گاہے بگاہے گھمانے پھرانے بھی لے جاتا تھا، اس کا مقصد امامہ کو زندگی کی رعنائیوں کی طرف لانا تھا اور اپنے اس مقصد میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوگیا تھا، تائی امی، بھابھی، عزیز بھائی سبھی اس کی دلجوئی میں لگے رہتے تھے، وہ بھی اب اکثر کچن وغیرہ میں بھابھی کی ہیلپ کرا دیتی تھی۔

☆☆☆

آج دسمبر کی آخری تاریخ تھی، کل سے نیا سال شروع ہو جانا تھا، امامہ نے گرم سوٹ پہنا ہوا تھا اور اچھی طرح سے بلیک شال لپیٹی ہوئی تھی، اپنے خوبصورت گولڈن بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی بنائی ہوئی تھی۔

عزیز بھائی اور بھابھی کہیں انوائیٹڈ تھے، تائی امی بلڈ پریشر کی ٹیبلیٹ لے کر ابھی سوئی تھیں، ہریرہ ابھی گھر نہیں آیا تھا، نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، اندر اسے گھٹن محسوس ہو رہی تھی، وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر لان میں آ گئی لاؤنج کے باہر بنی سیڑھیوں میں سے پہلی سیڑھی پر بیٹھ گئی، باہر آتے ہی خنک ہوا نے اس کا استقبال کیا اور اس کے بالوں کی کچھ آوارہ لٹیں ہوا کی شرارت سے اس کے سوگوار سے چہرے پر پھیل گئیں جنہیں وہ بار بار اپنے ہاتھوں سے کان کے پیچھے کرنے لگی، لان میں مرکزی بلب کی روشنی پھیلی ہوئی تھی، اس اثناء میں باہر سے شور شرابہ اور پٹاخے بجنے کی آوازیں سنائی دیں تو جیسے ایک دم وہ چونک گئی کہ نیا سال شروع ہوگیا ہے اور اسی خوشی میں لوگ یہ شادیانے بجا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اسے بہت کچھ یاد آتا چلا گیا۔

پچھلے سال ہی کی تو بات ہے:۔

''جب انعم نے کہا ہے کہ آج رات سب فرینڈز کسی ایک فرینڈ کے گھر جمع ہو کر خوب ہلا گلا کریں گی اور نئے سال کا استقبال ایک ساتھ کریں گی۔'' امامہ نے بہت ہی پرجوش ہو کر اپنی ماما سے کہا۔

''ماما! کتنا مزا آئے گا نا، جب ہم سب مل کر گانے گائیں گے اور باربی کریں گے اور آخر میں آئسکریم کھانے باہر جائیں گے۔'' امامہ نے بچوں کی طرح خوش ہو کر مزید کہا۔

لیکن اپنی ماما کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے ان کی طرف دیکھا تو اس نے محسوس کیا کہ ماما کسی سوچ میں غرق ہیں۔

''کیا ہوا ماما! کیا سوچ رہی ہیں؟'' امامہ نے ان کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! ہم لوگ مسلمان ہیں، ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم گانے گا کر اور ڈھول بجا کر اور آدھی رات کو باہر جا کر اس رات کو منائیں بلکہ مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس رات پچھلے گزرے ہوئے تمام دنوں میں کیے گئے گناہوں کی معافی مانگیں اور آنے والے نئے سال میں اپنے لئے اپنے والدین کے لئے، اپنے ملک وقوم کے لئے اور تمام امت مسلمہ کے لئے خیر و عافیت اور بھلائی کی دعا مانگیں، نوافل ادا کریں اور اپنے رب کے آگے سجدہ شکر بجا لائیں، اس کی تمام نعمتوں کا، یہ ہے میرے نزدیک نئے سال کو خوش آمدید کہنے کا طریقہ اور بالکل یہی سوچ تمہارے بابا کی بھی ہے۔'' ماما نے ٹھہر ٹھہر کر بہت شگفتہ انداز میں اسے بڑے پیار سے سمجھایا۔

''سوری ماما! میرا ذہن تو اس طرف گیا ہی نہیں۔'' امامہ نے شرمندہ ہو کر ان سے کہا۔

''کوئی بات نہیں چندا! اب تو پتہ چل گیا ہے نا، اب نئے سال کا اہتمام اسی طرح کرو، جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہے اور اسی طریقے سے نئے سال کو خوش آمدید کہنے میں ہماری سب کی بھلائی ہے۔'' ماما نے بڑے رسان سے اس سے کہا۔

''او کے میری اچھی ماما! اب میں اس سے ایسا ہی کروں گی۔'' اس نے اپنی ماما کے ہاتھوں پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

اسے ان کے ساتھ بیتے پل یاد آ رہے تھے اور اس کی آنکھوں سے آنسو موتی کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے، کہ ہریرہ کسی نے ان موتیوں کو اپنی انگلی کی پوروں میں جذب کیا۔

امامہ نے چونک کر سر اوپر اٹھایا، ہریرہ نجانے کب سے وہاں کھڑا تھا، وہ ماضی میں کچھ اس طرح سے ڈوبی ہوئی تھی کہ اسے اس کی آمد کا پتہ ہی نہ چلا۔

''تم نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ نہیں روؤ گی، پھر یہ اب کیا ہے؟'' ہریرہ نے قدرے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

''ماما آج مجھے بے طرح یاد آ رہی ہیں۔'' امامہ نے سسکیوں کے درمیان کہا۔

''امامہ تمہیں معلوم ہے نا کہ تمہارے رونے سے یہ آنسو مجھے اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔'' ہریرہ نے بلیک شال کے ہالے میں اس کے سوگوار سے حسن پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے کہا۔

پھر اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے کسی حد تک اس کا ذہن بٹانے میں کامیاب ہوگیا۔

''یہ میں تمہارے لئے لایا ہوں، نیا سال مبارک ہو۔'' ایک گفٹ پیک اور نئے سال کو وش کرنے کا کارڈ اور ایک پھولوں کا بکے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں بھی نیا سال مبارک ہو۔'' امامہ نے تشکر آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتے اور گفٹ لیتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو سو مچ۔'' ہریرہ نے فرط مسرت سے اس کے نزدیک آ کر اس کے دودھیا نازک ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔

اور نئے سال کے عہد و پیماں باندھتے ہوئے اس کے کانوں میں شہد ٹپکانے لگا۔

چلو پھر ریشمی خوابوں محبت خیز جذبوں
اوس قطروں کی طرح شفاف تر سوچوں
کو باہم ایک کر کے امن کی تفسیر بن جائیں
چلو پھر آنے والی رتوں کا استقبال کرتے ہیں
محبت ہی محبت کاشت اب کے سال کرتے ہیں

امامہ بے خودی سی ہو کر اسے دیکھے گئی۔

''آؤ تمہیں آئسکریم کھلا لاؤں۔'' ہریرہ نے نظم ختم کر کے اس کو یہ آفر کی۔

''نہیں، میں اپنے رب کے حضور تمہارا جیسا ساتھی عطا کرنے کا شکر ادا کرنے اور نئے سال کے لئے نیک تمناؤں کو مانگنے جا رہی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر اندر چلی گئی اور ہریرہ بھی اس کی تقلید میں اندر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

دن پرانی ترتیب سے گزرنے لگے، ہریرہ کا ہاؤس جاب مکمل ہوگیا اور وہ شہر کے ایک مشہور ہسپتال میں تعینات ہوگیا، اس کی ڈیوٹی کبھی دن اور کبھی رات کی ہوتی، اس طرح کئی کئی دن امامہ اور اس کی بات چیت نہ ہوتی۔

ایک دن وہ لاؤنج میں بیٹھی اپنے نوٹس لکھ رہی تھی کہ تائی امی جو کہ واش روم میں گئیں تھیں اچانک ان کی چیخ سنائی دی، امامہ جلدی سے واش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روم کی طرف دوڑی، دیکھا تو تائی امی واش روم کے دروازے کے پاس گری کراہ رہی تھیں وہ تو شکر ہے کہ گرنے سے پہلے وہ دروازہ کھول چکی تھیں، امامہ بڑی مشکل سے انہیں سہارا دے کر بیڈ تک لائی، ان کا وجود بھاری بھرکم تھا، بیڈ تک لاتے لاتے ہی اس کا سانس پھول گیا تھا، انہیں بیڈ پر لٹانے کے بعد اس نے جلدی سے ہریرہ کو فون کیا اور تائی امی کے متعلق بتایا، جتنی دیر تک وہ ہریرہ آیا، وہ ان کے سرہانے بیٹھی رہی اور انہیں تسلی دیتی رہی۔

''کیا ہوا ہے ممی کو؟'' ہریرہ آتے ہی بیقراری سے ممی کی طرف بڑھا اور امامہ سے پوچھا، تائی امی کراہنے کے ساتھ چھینک اور کھانس بھی رہی تھیں۔

''واش روم میں پھسل گئی ہیں، دیکھنا خدانخواستہ کہیں زیادہ موچ تو نہیں آ گئی۔'' امامہ نے اسے بتاتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

''ان کے پاؤں میں زبردست چوٹ آئی ہے اور ساتھ ہی فلو اور زکام وغیرہ بھی ہے۔'' ہریرہ نے انہیں چیک کرنے کے بعد بتایا، امامہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اس ٹیوب سے ہلکے ہاتھوں سے ان کے پاؤں کا مساج کرنا ہے۔'' ہریرہ نے امامہ کو ایک ٹیوب دیتے ہوئے کہا اور پھر امامہ کو مساج کا طریقہ بتانے اور کچھ ضروری ہدایات دینے کے بعد وہ دوبارہ ہاسپٹل چلا گیا۔

بھابھی ان دنوں پریگننٹ تھیں زیادہ کام وغیرہ ان سے نہیں ہوتا تھا، کیونکہ ان کی اپنی طبیعت بھی گری گری سی رہتی تھی۔

امامہ نے یونیورسٹی سے چھٹیاں لے لیں اور دل و جان سے ان دونوں کی خدمت میں لگ گئی انہیں اپنے ہاتھوں سے یخنی اور سوپ وغیرہ پلاتی، ٹائم پر انہیں ٹیبلٹس وغیرہ دیتی۔

''اللہ تمہیں خوش رکھے بیٹی۔'' تائی امی اسے ہر ہر پل اسے دعائیں دے کر نوازتیں۔

تائی امی سے فارغ ہو کر وہ بھابھی کے پاس آتی اور انہیں بھی ہلکی پھلکی غذا دیتی۔

''امامہ تمہاری اس خدمت کو میں ہمیشہ یاد رکھونگی۔'' بھابھی فرط جذبات میں آ کر اس کی پیشانی چوم کر کہتیں۔

''بھابھی پلیز شرمندہ نہ کریں یہ تو میرا فرض ہے۔'' امامہ کچھ شرمندہ ہو کر کہتی اور بھابھی اس معصوم پیاری سی مخلص لڑکی کو دیکھ کر رہ جاتیں۔

ان دنوں وہ گھن چکر بن کر رہ گئی تھی، اسے اپنی پڑھائی کا کوئی ہوش نہیں تھا۔

تائی امی کے خیال کی وجہ سے وہ انہی کے بیڈ روم میں سوتی تھی، اللہ کے فضل و کرم اور اس کی بے لوث خدمت کی وجہ تائی امی کافی حد تک ٹھیک ہو گئی تھیں اور بغیر سہارے کے واش روم وغیرہ میں چلی جاتی تھیں۔

''امامہ بیٹی! اب تم یونیورسٹی جانا شروع کر دو، میں اب بالکل ٹھیک ہو چکی ہوں۔'' تائی امی نے اس سے کہا جب وہ ان کے لئے چائے لے کر آئی۔

''لیکن تائی امی! بھابھی ابھی۔'' اس کی بات اس کے منہ میں رہ گئی۔

''بیٹی پہلے ہی تمہاری تعلیم کا بہت حرج ہو گیا ہے اور ثوبیہ بھی ابھی قدر بہتر ہے اور اسی نے تو مجھے کہا ہے کہ امامہ سے کہو وہ یونیورسٹی جانا شروع کر دے۔'' تائی امی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جی اچھا تائی امی!'' امامہ نے تائی امی کو تابعداری سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

دوسرے دن یونیورسٹی جاتے ہوئے، ہریرہ کا لایا ہوا شاکنگ پنک کلر کا سوٹ پہنا اپنے لمبے سنہری بالوں کو کیچر میں قید کیا۔

''پلیز ہریرہ! آج مجھے یونیورسٹی ڈراپ کر دو، میری گاڑی سروس کے لئے گئی ہوئی ہے۔'' اس نے ہریرہ سے منجی انداز میں کہا جو ہسپتال جانے کے لئے نکلنے ہی والا تھا۔

''جو حکم سرکار کا!'' ہریرہ نے اسے اپنے لائے ہوئے لباس میں دیکھتے ہوئے سرشار ہو کر کہا۔

''تم اس لباس میں گلاب کے پھول کی ایک شگفتہ سی کلی لگ رہی ہو۔'' ہریرہ نے اس کے چہرے کو ستائشی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

اس کے اس طرح دیکھنے سے امامہ کی نگاہیں جھک گئیں اور اس کے عارضی دہک اٹھے اور یہ دلفریب منظر دیکھ کر رہ گیا۔

یونیورسٹی کا گیٹ آنے پر ان کے اس دل کش سفر کا اختتام ہوا اور امامہ اسے خدا حافظ کہتی ہوئی یونیورسٹی کی حدود میں داخل ہو گئی اور ہریرہ کی نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا، انعم، سندس، نمرہ اور نمل وغیرہ نے اس کی غیر حاضری میں دیے گئے تمام لیکچرز مکمل کر کے اسے دیے اور نوٹس بنانے میں اس کی مدد کی، جس کے لئے وہ تہہ دل سے ان سب کی شکر گزار تھی اور اس نے اپنی پوری توجہ تعلیم پر مرکوز کر دی کیونکہ فائنل ایئر شروع ہو چکا تھا۔

☆☆☆

بہت تیزی سے یہ سال بھی گزر گیا، امامہ کی تعلیم کمپلیٹ ہونے کے بعد ہی ان کی شادی ہونا قرار پائی تھی اور اس کی تعلیم مکمل ہونے میں دو سال ہی رہ گئے تھے۔

آخری دنوں میں جب انہیں فری ہونا تھا تو ان کے پروفیسر نے انہیں دیہی زندگی پر سروے لکھنے کے لئے دیا، جس کے لئے انہیں کسی دیہات میں جانا تھا اور اپنا سروے مکمل کرنا تھا۔

اتفاق سے سندس کے چچا کے ایک دوست ایک گاؤں کے چوہدری تھے، سندس نے اپنے چچا سے جب اپنے سروے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، میرے ایک دوست ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں، ان کی بہت بڑی حویلی بھی ہے، تمہارا پورا گروپ وہاں چلا جائے، میں فون پر اسے بتا دونگا، وہ تو ویسے بھی کئی بار مجھے فیملی کے وہاں آنے کی دعوت دے چکا ہے اس طرح اس کا شکوہ بھی دور ہو جائے گا۔

''تھینک یو چچا جان!'' سندس نے بے طرح خوش ہو کر اپنے چچا سے کہا۔

اور سندس نے اپنی تمام فرینڈز کے گھر فون کر بتا دیا اور کہا کہ صبح فجر کے فوراً بعد ہم گھر سے نکلیں گی اور دن گیارہ بجے تک پہنچیں گے۔

امامہ نے جب تائی امی اور ہریرہ سے ذکر کیا تو انہوں نے تھوڑی سی رد و کد کے بعد تعلیمی کیریئر کو دیکھتے ہوئے، وہاں جانے کی اجازت دے دی۔

آج دسمبر کی آخری رات تھی، موسم میں خنکی بڑھ گئی تھی، اس نے موسم کی مناسبت سے تمام گرم لباس رکھے کیونکہ تین دن کا قیام تھا۔

رات گیارہ بجے وہ پیکنگ کر کے فارغ ہی ہوئی تھی کہ دروازہ ناک کر کے ہریرہ اس کے کمرے میں آیا، امامہ کا دوپٹہ بیڈ پر پڑا ہوا تھا، اس نے ڈھیلا ڈھالا مسٹرڈ کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا اس کے بالوں کی چوٹی آگے آئی ہوئی تھی، بالوں کی لٹیں بے ترتیب سی ہو کر اس کے گلابی چہرے پر بکھری ہوئیں تھیں، ہریرہ اسے اس بکھرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے گھریلو سے حلیے میں دیکھے گیا جو اس حلیے میں بھی اسے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''خیریت اس وقت؟'' امامہ نے جلدی سے شرما کر دوپٹہ اٹھایا اور شانوں پر پھیلا لیا۔

''نیا سال مبارک ہو۔'' ہریرہ نے اس کی اس کیفیت سے محظوظ ہوتے اور اس کے قریب جاتے ہوئے بولا ہریرہ کی قربت نے اسے اپنے آپ میں سمٹنے پر مجبور کر دیا، ہریرہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کارڈ اور گفٹ پیک اس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

''تھینک یو، تمہیں بھی نیا سال مبارک ہو۔'' امامہ نے بمشکل تمام اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے کہا۔

وہ بلیو جینز اور پنک شرٹ میں نظر لگ جانے کی حد تک پیارا لگ رہا تھا اور سیدھا اس کے دل میں اترا جا رہا تھا۔

''امامہ! اپنا بہت خیال رکھنا، زندگی میں پہلی دفعہ تم مجھ سے دور ہو رہی ہو۔'' ہریرہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جذبات سے چور لہجے میں کہا۔

''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔'' امامہ نے اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتے بدقت کہا۔

''تمہارا رزلٹ آتے ہی فوراً شادی کی تاریخ رکھ دیں گے، اب تمہارے بغیر رہنا محال ہے۔'' ہریرہ نے اس کے چہرے پر سے بالوں کی لٹیں ہٹاتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

اپنے چہرے پر ہریرہ کے ہاتھوں کے لمس سے اس کی پیشانی پر اتنی سردی میں بھی ننھے ننھے شبنم کے قطرے امڈ آئے اور لب کپکپا کر رہ گئے۔

ہریرہ اس دلنشین منظر کو اپنی نگاہوں میں سمونے لگا اور نجانے کب تک وہ دونوں ایک دوسرے میں اسی طرح گم رہتے کہ ہریرہ کے سیل ہپ بجنے لگی تو وہ جیسے ایک دم ہوش میں آ گئے۔

فون ہسپتال سے آیا تھا اور اسے ایمرجنسی بلایا تھا، وہ اسے ڈھیروں نصیحت کرتا ہوا، اس کی ہاتھوں کی پشت پر بوسہ دیتا ہوا چلا گیا۔

امامہ نے بے ساختہ اپنے ہاتھوں پر اس کی پیار کی مہر پر اپنے لب رکھ کر اپنے پیار کی تصدیق کر دی۔

پھر حسب سابق ہر نئے سال کی طرح عبادت سے فارغ ہو کر اس نے ہریرہ کا لایا ہوا کارڈ کھولا اور سال نو کی اپنے لئے دعا پڑھنے لگی۔

سوچتا ہوں تجھے اب کے برس کیا بھیجوں
جان بھیجوں تجھے یا دل کا دھڑکنا بھیجوں
سخت سردی میں محبت کی سمو دو گرمی
اور گرما میں خنک موسم آ سا بھیجوں
تشنگی اب کے برس تجھ سے بہت دور ہے
پیاس عمروں کی بجھا دے جو وہ مینا بھیجوں
کاش کہ کوئی ایسی کرامت ہو میرے پاس کہ میں
دور تک موسم گل نہ ہو میں تجھے غنچہ بھیجوں

اور آمین کہتے ہوئے ہریرہ کے سنگ خوش کن سپنوں میں گھری نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

☆☆☆

اس نے صبح فجر کے ٹائم کا الارم لگایا تھا، الارم بجتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی، فریش ہو کر ہریرہ کا رات کا لایا ہوا سی گرین سوٹ پہنا، وضو کیا، نماز ادا کی اور لمبے بالوں کو کھلا چھوڑا، سوٹ کے گلے باز و اور دامن پر بلیک کلر کی کڑھائی ہوئی تھی اور دوپٹے کے پلوؤں پر بھی ایسی کڑھائی تھی، بلاشبہ سوٹ بہت قیمتی تھا اور اسے ہریرہ کی اعلیٰ چوائس کا اعتراف کرنا پڑا، میک اپ سے پاک چہرے میں بھی وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔

اس نے اپنا بیگ لیا، ہریرہ کے کمرے میں

جھانکا وہ ابھی تک نہیں آیا تھا، اس دشمن جان سے ملے بغیر جانا اسے بے چین کر رہا تھا، سندس کی بار بار مس کالز آ رہی تھیں، بھابھی نے اسے گلے لگا کر پیار کیا اور نانی امی نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور بہت سی نصیحتوں اور نیک دعاؤں کے سنگ رخصت کیا اور یوں وہ ہریرہ کے ملے بغیر عزیز بھائی کے ساتھ سندس کے گھر روانہ ہو گئی، جہاں بیرونی گیٹ پر ہی انعم، نمرہ اور کمل کھڑی تھیں وہ بھی غالباً ابھی پہنچی تھی، وہ عزیز بھائی کو خدا حافظ کہتی ہوئی اور ان سے بہت سی دعائیں لیتی ہوئی اپنی فرینڈز کے آن ملی، ان کے آتے ہی جلدی سے ڈرائیور بابا سے ان کا سارا سامان گاڑی میں رکھوایا اور سب جلدی جلدی گاڑی میں بیٹھ گئیں لیکن امامہ کا دل ہریرہ کو دیکھے بغیر بہت بیقرار ہو رہا تھا، اسے پوری امید تھی کہ وہ ضرور آئے گا، لیکن وہ نہیں آیا تو امامہ کا دل بوجھل سا ہو گیا اور پھر جیسے ہی ڈرائیور بابا نے گاڑی سٹارٹ کی، ہریرہ کی گاڑی گیٹ پر آ کر رکی اور امامہ کی جان میں جان آ گئی، اس کے سینے سے بے اختیار ایک اطمینان بھری سانس خارج ہوئی، امامہ نے گاڑی رکوائی اور جلدی سے اتر کر ہریرہ کے پاس آ گئی، ہریرہ کی سرخ آنکھیں اور سوجے ہوئے پپوٹے رات بھر کے رتجگے کی غمازی کر رہے تھے۔

اسے ہریرہ پر بے اختیار پیار آ گیا اور اپنے آپ پر اسے فخر محسوس ہونے لگا کہ مجھے اتنا اچھا شریک سفر ملنے والا ہے۔

''کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے؟'' ہریرہ نے اس کی نگاہوں کی چوری پکڑتے ہوئے شرارت سے کہا، وہ ایک دم گڑبڑا سی گئی۔

''اگر نظروں کی پیاس بجھ گئی ہو تو جاؤ تمہاری فرینڈز تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔'' ہریرہ نے اس کے چمکتے ہوئے چہرے پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے کہا اور ہولے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

''اپنا بہت خیال رکھنا۔'' امامہ نے اسے تاکید کی۔

''اور امامہ تم میری ہو، میرے لئے اپنی بہت حفاظت کرنا اور وہاں پہنچتے ہی اپنی خیریت کا فون کر دینا۔'' ہریرہ نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

وہ اثبات میں گردن ہلا کر سندس وغیرہ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

ہریرہ اس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک ان کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی پھر بوجھل قدموں سے اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھا اور اس کو گھر کی طرف موڑ لیا، قدموں کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی بہت بوجھل اور اداس ہو رہا تھا، اسے ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی بہت قیمتی چیز اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہو، اپنی اس کیفیت سے گھبرا کر اس نے سی ڈی پلیئر آن کر دیا تو بالکل اس کے دل کے حسب حال گیت آ رہا تھا۔

تھکی تھکی سی آس ہے یہ دل بہت اداس ہے
کوئی تو درد راس ہے یہ دل بہت اداس ہے

☆☆☆

سارے راستے وہ خوب ہلا گلا کرتی رہیں۔

''یار امامہ! تو کتنی خوش نصیب ہے کہ تجھے ہریرہ جیسا محبت کرنے والا ساتھی مل رہا ہے۔'' سندس نے کہا اور امامہ مسکرانے لگی۔

''کیا واقعی ہریرہ تجھے سے بہت پیار کرتا ہے یا پھر.....؟'' انعم نے بھی پوچھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ دیکھا نہیں اپنی امامہ کے لئے اس کی آنکھوں سے کتنا پیار جھلکتا ہے۔'' امامہ کی بجائے جواب کمل کی طرف سے آیا۔

''ہاں بھئی! اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امامہ سے بے انتہا پیار کرتا ہے۔" نمرہ نے بھی کہا۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ ہریرہ مجھے بے انتہا چاہتا ہے، ہمارا ایک دوسرے کے بغیر جینا بھی محال ہے، میری چھوٹی چھوٹی پریشانیوں پر تڑپ اٹھتا ہے اور میرا چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ بھی حل کرنے میں اپنی جان ایک کر دیتا ہے، میرے معاملے میں بہت سیریس ہے۔" امامہ نے جذبات سے چور لہجے میں انہیں بتایا۔

"کیا تمہیں اب بھی شک ہے کہ وہ امامہ سے پیار نہیں کرتا۔" سندس نے انعم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بھئی بالکل نہیں۔" انعم نے فوراً کہا اور امامہ کے علاوہ وہ سب لہک لہک کر گانے لگیں۔

یہی تو پیار ہے کہو نا پیار ہے

کوئی بھی اچھا منظر دیکھنے کو ملتا گاڑی رکوا کر اس منظر کو اپنے اپنے کیمروں میں قید کر لیتیں، اس طرح یہ قافلہ سفر کو انجوائے کرتا ہوا بالآخر چوہدری صاحب کی حویلی پہنچ گیا، وہاں ان کا بہت شاندار استقبال کیا گیا۔

چوہدری صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ حویلی میں اپنے ڈھیروں ملازمین کے ساتھ رہتے تھے، ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی، فریش ہونے کے بعد دونوں میاں بیوی کے بے حد اصرار پر انہوں نے خوب تگڑا سا ناشتا کیا اور ملازمین کی ہمراہی میں آرام کی غرض سے ان کمروں میں پہنچ گئیں جو ان لوگوں نے ان کے لئے ان کے آنے سے پہلے ہی سیٹ کیے ہوئے تھے۔

کمرے میں پہنچتے ہی سب بے دم سی ہو کر لیٹ گئیں اور جلد ہی سفر کی تھکان کی وجہ سے گہری نیند میں ڈوب گئیں۔

دن کے تقریباً تین بجے امامہ کی آنکھ کھلی تو وہ جلدی سے اٹھی اور وضو کر کے نماز کے لئے باہر آ گئی جہاں چوہدری صاحب کی بیوی، جنہیں سب بے جی کہتے تھے، ایک بڑے سے تخت پر بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں، اسے دیکھتے ہی پیار کیا۔

"میں نے نماز پڑھنی تھی۔" امامہ نے جھجکتے ہوئے بے جی سے کہا۔

"جیتی رہو پتر! ادھر ہی آ جاؤ۔" بے جی نے تخت پر اسے اٹھتے ہوئے کہا اور خود تخت کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں، امامہ نے نماز ادا کی۔

"پتر! اپنے ماں پیو اور بہن بھائیوں کے متعلق بتاؤ؟" جونہی وہ دعا مانگ کر فارغ ہوئی تو بے جی نے اس سے پوچھا۔

اور جب امامہ نے اپنے ماما بابا کے متعلق بتایا تو امامہ کے ساتھ بے جی بھی بہت دکھی ہو گئیں۔

اسی اثناء میں ملازمہ چائے کے ساتھ ڈھیروں لوازمات لے کر آ گئی، اس کے نہ نہ کرتے بھی بے جی نے اسے کافی کچھ کھلا دیا اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ چاروں بھی وہیں آ گئیں اور چیزوں سے انصاف کرنے لگیں، عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ سب بے جی کی اجازت سے چوہدری صاحب کے دو گارڈز کے ساتھ اور ایک بے جی کی ملازمہ خاص کے ساتھ گاؤں کی سیر اور سروے رپورٹ کی تیاری کے لئے روانہ ہو گئیں، وہ گارڈز کو ساتھ لے جانے پر جز بز ہوئیں تو بے جی نے کہا کہ۔

"پتر! ہمارے یہاں سو دشمن اور سو سجن ہیں اس لئے یہ احتیاط ضروری ہے۔" اور ان سب نے ان کی اس بات سے اتفاق کیا۔

☆☆☆

چونکہ سردی کا موسم تھا، گنے کی بہتات تھی، ...وں طرف سبزہ ہی سبزہ بکھرا پڑا تھا، سنہرا تھال ...ر کی مسافت کے بعد اب افق کے اس پار ...ر ہا تھا اور نہایت ہی دلکش منظر پیش کر رہا تھا وہ ... اس حسین قدرتی منظر کو اپنے کیمروں میں ...نے لگیں، گاؤں کے سب لوگ خاص طور پر ...ین اور بچے حیران ہو کر دیکھ رہے تھے، امامہ ...ل نے تو گرم شلوار قمیض پہنے ہوئے تھے جبکہ ...نے تو سر پر بہت سلیقے سے گرم شال بھی ...ی ہوئی تھی، جبکہ ان تینوں نے جینز، ہائی نیک ...ر وغیرہ پہنے ہوئے تھے اور پاؤں میں جوگرز

وہاں کی خواتین اور بچوں کے لئے تو گویا ...ح ہاتھ آ گئی اور وہ گھور گھور کر انہیں دیکھ رہے ...اور ان کی طرف دیکھ کر آپس میں کھسر پھسر ...کے ہنس رہے تھے وہاں کے مقامی لوگوں ... انہوں نے اپنے سروے سے متعلق چیدہ ...سوالات کیے اور پھر مغرب کے وقت بے جی ...ہدایت کے مطابق حویلی آ گئیں۔

دوسرے دن ناشتا کرتے ہی وہ پانچوں ...رہ سروے کے لئے باہر آ گئیں آج چوہدری ...ب نے ایک گارڈ کا مزید اضافہ کر دیا۔

راستے میں انہوں نے ملازمہ سے اتنی ...ا کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ۔

چوہدری صاحب کے چھوٹے بھائی یعنی ...ے چوہدری صاحب نے ایک میلے میں، ...والے گاؤں کے چوہدری کی بیٹی زینب کو ...تو بس دیکھتے ہی رہ گئے، وہ حسن کا مجسمہ تھی، ...نب بھی اتنے لمبے چوڑے گھبرو جوان کو ...اپنا دل ہار بیٹھی، دونوں نے چھپ کر اپنے ...ملازمین کے تعاون سے ملاقات بھی کی اور ...اپنے دل کا حال بتایا، ان کا ایک دوسرے کے بغیر رہنا مشکل ہو گیا حالانکہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ پرانی رنجشوں کی وجہ سے دونوں کے گھر والے کبھی بھی ان کی شادی آپس میں نہیں کریں گے لہٰذا انہوں نے اپنے کچھ خاص دوستوں اور وفادار ملازمین کی مدد سے چھپ کر نکاح کر لیا اور چونکہ چھوٹے چوہدری صاحب کافی عرصہ تعلیم کے سلسلے میں ولایت رہے تھے، انہوں نے چپکے سے کسی کو بتائے بغیر اپنے اور زینب کے کاغذات تیار کروا لئے اور ویزہ حاصل کر کے ولایت چلے گئے، اس واقعہ کو دس سال ہو چکے ہیں ابھی تک واپس نہیں آئے وہ خود تو چلے گئے لیکن اپنے پیچھے برسوں سے قائم دشمنی کو مزید استحکام دے گئے۔

زینب کے گھر والے انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے اور جب انہیں یہ پتہ چلا کہ وہ باہر چلے گئے ہیں تو انہوں نے بڑے چوہدری صاحب نے پنچائیت کے ذریعے سے اپنی آدھی جائیداد ان کو دے دی اور یوں وقتی طور پر معاملہ دب گیا لیکن زینب کا کزن چوہدری جہانگیر جو زینب کا منگیتر بھی تھا، اسے کسی طور چین نہ آ رہا تھا، وہ چھوٹے چوہدری کے خون کا پیاسا بن گیا اس نے کہا کہ یا تو چھوٹے چوہدری مجھے مل جائیں ورنہ پھر ان کے خاندان کی کوئی بھی لڑکی میں اٹھا لوں گا، پھر میرا غصہ ٹھنڈا ہو گا لیکن پنچائیت کے فیصلے کی وجہ سے وہ چپ ہو گیا، مگر انتقام کی آگ اب بھی اس کے من میں جل رہی ہے اسے جب بھی موقع ملا وہ بدلہ ضرور لے گا۔

"ہمارے چوہدری صاحب کے بندوں نے اس کے آدمیوں کو کل اپنے گاؤں میں دیکھا ہے اسی لئے چوہدری صاحب نے آپ کی حفاظت کے لئے ایک گارڈ کا اضافہ کر دیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی اور وہ سب یہ سن کر حیران و ششدر رہ گئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آج وہ مقامی خواتین وغیرہ سے ملیں، ان کے مسائل کے بارے میں پوچھا اور دیگر معلومات حاصل کر کے وہ ظہر کے بعد حویلی واپس آ کر فریش ہو کر لنچ کرنے کے بعد آج خواتین سے لی گئیں معلومات کے بارے میں ڈسکس کرنے لگیں، عشاء کی نماز کے فوراً بعد ہی ڈنر کیا اور سونے کے لئے لیٹ گئیں چونکہ سارے دن کی تھکی ہوئی تھیں اس لئے جلد ہی نیند کی مہربان آغوش میں چلی گئیں لیکن امامہ جاگتی رہی کیونکہ ہریرہ کا فون آنا تھا، تھوڑی دیر بعد ہی ہریرہ کا فون آ گیا، وہ اسے اپنی بے چینی کی داستان سناتا رہا اور اس کی سنتا رہا، اس طرح یہ دونوں دیوانے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے، امامہ نے اسے بتایا کہ کل ہماری واپسی ہے کیونکہ ہمارا کام ختم ہو چکا ہے، اس نے امامہ کو جلد پہنچنے کی تاکید کرتے ہوئے فون بند کر دیا اور امامہ، ہریرہ کا سراپا آنکھوں میں سموتے ہوئے نیند کی پرسکون آغوش میں چلی گئی۔

☆☆☆

تقریباً رات کا تیسرا پہر تھا جب جہانگیر اور اس کے ساتھ حویلی میں کودے، چوہدری صاحب کے گارڈز گاڑیوں کی آواز سن کر چوہدری صاحب اپنی بندوق لے کر باہر آئے اور بے جی ان کو روکتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے آ گئیں، انہیں دیکھ کر چوہدری صاحب نے جہانگیر پر گولی چلائی جہانگیر فوراً سائیڈ پر ہو گیا اور دوسرے بندے کو گولی لگ گئی، اسی اثناء میں جہانگیر نے بھی چوہدری پر فائر کھول دیا گولی سیدھی چوہدری صاحب کے دل پر لگی اور وہیں ڈھیر ہو گئے بے جی روتی چیختی ہوئی چوہدری صاحب کی طرف بڑھیں اور انہیں خون لت پت دیکھ کر اپنے اوسان کھونے لگیں، اسی دوران جہانگیر کے آدمیوں نے ڈری سہمی روتی بلکتی ان پانچوں لڑکیوں کو بھی برآمد کر لیا، شکل وصورت سب اچھی تھیں لیکن امامہ کو دیکھ کر جہانگیر جہاں کا تہاں رہ گیا اور اس نے اپنے بندوں کو اشارہ کیا کہ اس کاسنی سوٹ والی لڑکی یعنی امامہ کو اٹھا لو اور ڈیرے پر لے چلو اور بے جی یہ سب دیکھ کر ہوش میں آ گئیں اور فوراً امامہ کے آگے کھڑی ہو گئیں۔

''یہ میری مہمان ہے، اسے لے جانے سے پہلے تمہیں میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا کیونکہ مہمانوں کی حفاظت ہم اپنی جان سے بڑھ کر کرتے ہیں۔'' بے جی نے روتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر تیری یہی خواہش ہے تو ہم اس کو بھی ختم کر دیتے ہیں لڑکی تو ہم ہر حال میں لے کر جائیں گے۔'' جہانگیر نے خباثت سے ہنستے ہوئے کہا۔

''بدبختو! تم پر خدا کا قہر نازل ہو گا، یہ ظلم مت کرو۔'' بے جی نے ان کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

اور ایک سنسناتی ہوئی گولی بے جی کے آر پار ہو گئی اور وہ تڑپتی ہوئی امامہ کے آگے گر کر ختم ہو گئیں یہ دلدوز منظر دیکھ کر تمام لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔

انہوں نے امامہ کو جھٹ کندھے پر ڈالا، روتی بلکتی امامہ نے خوب ہاتھ پیر چلائے لیکن جہانگیر کے آگے سب بے سود رہا وہ چاروں لڑکیاں روتی چیختی ہوئی ان کے پیچھے بھاگیں۔

''اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو جہاں بڑھے بڑھی کو پہنچایا ہے وہیں تمہیں بھی دونگا۔'' جہانگیر نے دہاڑتے ہوئے انہیں دھمکی دی۔

ان چاروں کے قدم وہیں رک گئے اور انتہائی بے بسی سے روتی ہوئی اپنی پیاری

دوست کو ان بھیڑیوں کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔

جہانگیر اور اس کے ساتھی جاتے ہوئے ان سب کے موبائل لے گئے اور حویلی کا فون کاٹ گئے تاکہ وہ کسی کو اطلاع نہ دے سکیں۔

ڈرائیور بابا حویلی سے فاصلے پر بنے چوہدری صاحب کے ڈیرے پر سوتے تھے اس لئے انہیں پتہ نہ چل سکا کہ حویلی میں کیا بھیانک حادثہ رونما ہو چکا ہے۔

حویلی کے جس ملازم نے بھی جہانگیر اور اس کے ساتھیوں سے مقابلہ کرنے کی کوشش کیا انہیں جہانگیر کے ساتھیوں نے وہیں ڈھیر کر دیا۔

ان لوگوں کے جاتے ہی وہ چاروں ایک دوسرے سے خوب گلے مل کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

دفعتاً انعم کو ڈرائیور بابا کا خیال آیا تو اس نے ایک ملازم کو جو کہ اپنے مالکوں کے ساتھ اس دردناک حادثے میں غمگین کھڑا تھا، ڈرائیور بابا کو لانے بھیجا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ آ گئے اور ساری تفصیل جان کر بہت دکھی ہوئے سندس نے ان سے موبائل لے کر چچا کو فون کر کے رو رو کر اس بھیانک حادثہ کی تفصیل بتائیں اور ان سے کہا کہ آپ فوراً یہاں آ جائیں اور امامہ کو ان لوگوں سے چھڑوائیں، اس کے چچا یہ سن کر سناٹے میں آ گئے اور اسے تسلی دے کر اپنے آنے کا یقین دلایا اور فون بند کر دیا، ڈرائیور بابا اور حویلی کے دو ملازمین گاؤں میں قائم تھانے میں گئے اور تھانیدار کو سارے حادثے کی تفصیلات بتائیں۔

لڑکیوں کا رو رو کر برا حال تھا، وہ بہت زیادہ ڈری اور سہمی ہوئی تھیں، اللہ اللہ کر کے یہ وحشت بھری رات گزری اور تقریباً صبح کے دس بجے چچا اور سندس کے والد اور ان کے ایک دوست ایس پی وہاں پہنچے، سندس انہیں دیکھ کر ان سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی اور کم و بیش یہی حال دوسری لڑکیوں کا بھی تھا، چچا کو اپنے عزیز دوست اور ان کی اہلیہ کے مرنے کا بھی بہت دکھ تھا۔

تقریباً بارہ بجے میتوں کو پوسٹ مارٹم کے بعد ان کے لواحقین کے حوالے کر دیا، جہانگیر اور اس کے ساتھیوں کے خلاف ایف آئی آر کٹوا دی گئی ایس پی صاحب اور ان کے عملے نے اس گاؤں اور جہانگیر کے گاؤں کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

اور جب جہانگیر کے گھر والوں سے تفتیش کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ جہانگیر تو پندرہ دن سے گاؤں ہی نہیں آیا، تاہم ایس پی صاحب نے اس کے گھر کی خاص لوگوں کو گرفتار کر لیا۔

سندس کے چچا نے لڑکیوں تو انہوں نے پہلے ہی ڈرائیور بابا کے ساتھ گھر روانہ کر دیا تھا اور خود وہ ضروری کاروائی نبٹا کر گھر پہنچے۔

ان چاروں کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ امامہ کے ساتھ کیا ہوا ہو گا؟ اور ہریرہ اور اس کے گھر والوں کو کس طرح اس اندوہناک حادثے کی خبر سنائی جائے۔

سندس تو اپنے حواسوں میں ہی نہیں تھی، ہریرہ کا سامنا کرنے سے ہی اس کی جان نکلے جا رہی تھی، شام کو اس کے چچا بھی گھر پہنچ گئے۔

تھوڑی دیر بعد ہی سندس اور اس کے چچا ہریرہ وغیرہ کے گھر پہنچ گئے، ہریرہ بھی اس وقت گھر ہی تھا تائی امی نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور ان کے ساتھ امامہ کو نہ دیکھ کر پریشان سی ہو گئیں، اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتیں ہریرہ ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس آیا۔

''امامہ کہاں ہے؟ اور اس کا موبائل بھی آف ہے۔'' ہریرہ نے نہایت ہی بیقراری سے پوچھا تو سندس بلک بلک کر رو پڑی، اس سے کچھ بتایا ہی نہ گیا۔

''آخر آپ لوگ کچھ بتاتے کیوں نہیں، مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔'' تائی امی نے بہت پریشان ہو کر ان سے امامہ کے بارے میں استفسار کیا۔

''بہن جی! بات ہی کچھ ایسی ہے کہ آپ کو بتانے کے لئے ہماری زبان ساتھ ہی نہیں دے رہی۔'' چچا نے رک رک کر بتایا۔

تائی امی، عزیز بھائی، بھابھی مزید پریشان ہو گئے اور ہریرہ کی چھٹی حس جیسے کوئی خطرے کی گھنٹی بجانے لگی۔

''پلیز! آپ لوگ کچھ بتائیے ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔'' ہریرہ نے چچا جان کا کندھا جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

ہریرہ کی یہ حالت دیکھ کر سندس کے رونے میں مزید روانی آ گئی اور پھر چچا جان نے ان کے بے حد اصرار پر انہیں تمام واقعہ کہہ سنایا یہ سب سنتے ہی سب کے چہرے فق ہو گئے۔

''میری بچی!'' تائی امی صوفے پر گر پڑیں اور ہریرہ تو بالکل ایسے ہو گیا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''نہیں، یہ جھوٹ ہے میری امامہ کے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا۔'' ہریرہ نے اپنے سر کے بال نوچتے ہوئے کہا۔

''ہم نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری آپ کو سونپی تھی، مجھے کچھ نہیں معلوم، میری امامہ کو مجھے لا کر دیں۔'' ہریرہ جنونی انداز میں ان کی طرف بڑھا اور ان کا گریبان پکڑ لیا اس کی آنکھیں غصے اور صدمے سے لال انگارہ ہو رہی تھیں سندس اس کا یہ روپ دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی، بھابھی، تائی امی کو ہوش میں لانے لگیں اور عزیز بھائی نے ہریرہ کے ہاتھوں سے بڑی مشکل سے چچا کا گریبان چھڑایا اور اسے سنبھالنے لگے۔

تائی امی ہوش میں آتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور اس گھڑی کو کوسنے لگیں جب انہوں نے امامہ کو وہاں جانے کی اجازت دی تھی۔

''میں آپ سب کو اور ان کو چھوڑوں گا نہیں، جنہوں نے میری امامہ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔'' ہریرہ جذباتی انداز میں چیخنے لگا۔

بھابھی نے چچا اور سندس کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا اور پھر ڈاکٹر کو فون کر کے ممی کو سکون آوار ادویات دیں اور ہریرہ کو غنودگی اور سکون کا انجکشن لگوایا، تھوڑی دیر ہی میں ممی سو گئیں اور ہریرہ پر بھی غنودگی سی چھا گئی اور وہ غنودگی میں بھی امامہ، امامہ پکارتا رہا بھائی اور بھابھی اس کی یہ حالت دیکھ کر بے حد پریشان اور دکھی ہو گئے۔

اور امامہ تو انہیں بھی بہت عزیز تھی لیکن انہیں ہریرہ کی طرح حوصلہ نہیں ہارنا تھا بلکہ امامہ کو بازیاب کرانے کا حل سوچنا تھا، کچھ دیر بعد ہی عزیز بھائی سندس کے گھر جا کر اس سے اس گاؤں کا ایڈریس لے کر آ گئے۔

دوسرے دن تک وہ ہریرہ کو کسی نہ کسی طرح تھوڑا بہت نارمل کر چکے تھے۔

''ہم لوگ خود وہاں جا کر امامہ کا پتہ کریں گے۔'' بھائی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا۔

''میری امامہ مل جائے گی نا عزیز بھائی؟'' ہریرہ نے بہت امید سے ان سے پوچھا۔

''کیوں نہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے، امامہ ہمیں ضرور ملے گی انشا اللہ تعالیٰ۔'' بھائی نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

تائی امی اور بھابھی نے بھی ان سے کہا کہ آپ لوگوں کو خود وہاں جا کر امامہ کو تلاش کرنا چاہیے، سندس کے چچا سے سارا ایڈریس لے کر وہ بہت امید و یقین کے ساتھ اس گاؤں کے لئے روانہ ہوئے۔

وہاں پہنچ کر انہوں نے حویلی کے ملازمین، تھانیدار اور دیگر گاؤں کے لوگوں سے انویسٹی گیشن کی اور جہانگیر کے گاؤں جا کر بھی اس کیس کے متعلق معلومات حاصل کیں مگر انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

ہریرہ بہت زیادہ دل برداشتہ ہو گیا، عزیز بھائی نے اسے ہر ممکن تسلی دی اور آخر میں گاؤں کے ایس ایچ او کا نمبر لیا اور اپنا دے کر آئے کہ اگر آپ کو امامہ کے متعلق کچھ پتہ چلے تو ہمیں فوراً اطلاع کرنا اور ہم بھی آپ سے فون پر رابطے میں رہیں گے۔

واپسی ہریرہ کی کیسے ہوئی؟ یہ ہریرہ ہی جانتا تھا، گھر پہنچ کر تائی امی اور بھابھی نے ان کے افسردہ چہرے دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا کہ امامہ کا کچھ معلوم نہیں ہوا ہے۔

''ہے میری بچی کو لئے بغیر ہی تم لوگ آ گئے ہو، کہاں ہے امامہ، تم لوگوں نے کہا تھا کہ ہم اسے لے کر آئیں گے۔'' تائی امی نے آگے بڑھ کر بہت بے تابی سے بھائی سے پوچھا، بھابھی کی بھی سسکیاں نکل گئیں اور عزیز بھائی بھی اپنی نظروں میں چور سے بن گئے۔

''ہریرہ روز محشر میں تمہارے بابا، چچا، چچی کو کیا جواب دو گے؟ کہ میں ان کی بچی کی حفاظت نہ کر سکی۔'' وہ بہت بیقراری سے ہریرہ کو لپٹا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

ہریرہ جو پہلے سے ہی بڑی مشکل سے اپنے اوپر ضبط کیے ہوئے تھا، وہ بھی تڑپ تڑپ کر رو دیا، یہ منظر دیکھ کر عزیز بھائی اور بھابھی کے بھی آنسو نکل آئے۔

☆☆☆

سندس کے گھر والوں اور خاص طور پر اس کے چچا نے اور عزیز بھائی اور ہریرہ نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی لیکن اس نے نہ ملنا تھا اور نہ ملی لیکن اپنے چاہنے والوں کے لئے ایک تڑپ اور کسک چھوڑ گئی خاص طور پر ہریرہ کے لئے۔

ہریرہ باقاعدگی سے روانہ ایس ایچ او کو فون کر کے اس کے متعلق ضرور پوچھتا اور گھر والوں کو بتائے بغیر کئی دفعہ اس منحوس گاؤں بھی ہو آیا کہ شاید اس کا کچھ پتہ چل جائے لیکن اس دشمن جان کا کچھ پتہ نہ چلا، ہریرہ کی زندگی امامہ کے جانے کے بعد مسلسل عذاب بن چکی تھی، ہر طرف امامہ کی یادیں اور عہد و پیماں بکھرے پڑے تھے، ایک دوسرے کے سنگ بیتے لمحے، آرزوں، خواہشوں، ارمانوں اور سپنوں کے محل چکنا چور ہو گئے تھے، ہر وقت ہر پل اسے یاد آتی اور وہ سوچتا کہ پتہ نہیں اس وقت وہ کیا کر رہی ہو گی؟ ظالموں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو گا؟ وہ زندہ بھی ہو گی یا.....؟ اور اس کے بعد اس سے کچھ سوچا ہی نہ جاتا وہ بری طرح تڑپ جاتا اور رو رو کر اپنے رب سے دعا مانگتا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو ٹھیک ٹھاک اور زندہ سلامت ہو اور کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔

اسی طرح اس کی یاد میں دن پر دن گزرتے رہے سب مایوس ہو کر بیٹھ گئے لیکن ہریرہ کی امید و یقین قائم تھا کہ وہ کسی نہ کسی وقت ضرور اس کے سامنے اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی۔

امامہ کی سالگرہ بھی آ کر گزر گئی وہ ہمیشہ کی طرح اس کے گفٹ اور کیک لایا اور خود ہی اس نے وہ کیک کاٹا اور اس کی سالگرہ منائی اور تنہائی میں اس کی تصویر سے باتیں اور اس رات اس کا تکیہ پھر آنسوؤں سے بھر گیا، اس نے سی ڈی پلیئر آن کیا جہاں نصرت فتح علی صاحب نغمہ سرا تھے۔

وہ سر پٹک پٹک کر اسی گیت کو ساتھ ساتھ گنگناتے ہوئے بلک بلک کر رو پڑا اور باہر آسمان بھی اس کے دکھ پر رو پڑا۔

☆☆☆

اب گھر میں اس کی شادی کی باتیں ہونے لگی۔

''بیٹا کب تک اس کی یاد کو سینے سے لگائے رکھو گے، میں مرنے سے پہلے تمہارا گھر آباد دیکھنا چاہتی ہوں، میں نے ایک دو لڑکیاں دیکھیں ہیں، تم کہو تو میں بات آگے چلاؤں۔'' اس کی ممی نے اس سے منت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ممی میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میری زندگی امامہ کے سوا کوئی دوسری لڑکی نہیں آئے گی، میری شادی ہو گی تو صرف امامہ سے اس کے علاوہ میں کسی سے شادی نہیں کرونگا۔'' ہریرہ نے حتمی انداز میں کہا۔

''اگر اس نے کہیں شادی کر لی ہو یا وہ زندہ بھی ہو یا پھر.....؟''

''نہیں ممی! خدا کے لئے ایسا مت کہیں وہ زندہ ہو گی، میرا دل کہتا ہے وہ ایک دن مجھے ضرور ملے گی۔'' اس نے تڑپ کر ممی کی بات درمیان میں ہی اچک کر کہا، یہ کہہ کر وہ رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر چلا گیا اور ممی اسے جاتا ہوا تاسف سے دیکھتی رہیں، اس کے بعد ممی، بھابھی اور عزیز بھائی نے اسے بہت سمجھایا، ہر طرح سے اسے قائل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے فیصلے سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔

دراصل بھابھی شروع سے ہی اسے اپنی بہن شائنہ کے لئے پسند کر چکی تھیں، ان کے گھر والوں اور خود شائنہ کی بھی یہ دلی خواہش تھی کہ اتنے وجیہہ اور ہینڈسم، پرکشش پروفیشن والے ہریرہ سے اس کی شادی ہو جائے لیکن جب بھابھی کو معلوم ہوا کہ وہ تو بچپن سے ہی اپنی کزن امامہ سے منسوب ہے تو وہ سخت کبیدہ خاطر ہوئیں، لیکن پھر امامہ کو اچھی اور نیک فطرت وہ عادت کی وجہ سے وہ جلد ہی اس کی دوست بن گئیں اللہ کے اس فیصلے کو دل سے مان گئیں اور جب امامہ نے ان کی پریگننسی کے دوران ان کا جس طرح خیال رکھا اور ان کی خدمت کی، تھوڑی بہت بھی ان کے دل میں اس کے لئے جو کدورت تھی وہ بھی دھل گیا مگر اب پھر سے، انہیں امید ہو چلی تھی کہ ہریرہ اور شائنہ کی شادی ہو سکتی ہے۔

اپنے شوہر اور ساس کو وہ شائنہ کے حق میں قائل کر چکی تھیں لیکن بقول ممی کے وہی مرغے کی ایک ٹانگ، وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ نہیں ہٹا، اب بھابھی نے بھی مایوس ہو کر اپنی کوششیں ترک کر دیں اور ہریرہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

☆☆☆

دسمبر کا مہینہ شروع ہو چکا تھا، آج وہ اسے بے طرح یاد آ رہی تھی گزشتہ تمام سالوں کے دسمبر کی آخری راتیں اس کی یاد میں کراس کی آنکھوں سے سیل رواں جاری کر رہی تھیں اور اس کا دل ان یخ بستہ چکرائی ہواؤں سے اس طرح سے فریاد کر رہا تھا اور سگریٹ پھونک پھونک کر دل جلا رہا تھا۔

اسے کہنا دسمبر آ گیا ہے

دسمبر کے گزرتے ہی برس اک اور ماضی کے گپھا میں ڈوب جائے گا

اسے کہنا دسمبر لوٹ آئے گا

مگر جو خون سو جائے گا جسموں میں نہ جاگے گا

اسے کہنا ہوائیں سرد ہیں اور زندگی کے کہر دیواروں میں لرزاں ہیں

اسے کہنا شگوفے ٹہنیوں میں سو رہے ہیں

اور ان پر برف کی چادر بچھی ہے

اسے کہنا کہ اگر سورج نہ نکلے گا

تو کیسے برف پگھلے گی

اسے کہنا کہ لوٹ آئے

☆☆☆

دو سال گزر گئے تھے ہریرہ کے فیصلے اور استدلال میں کوئی کمی نہ آئی، ممی اس کی حالت دیکھ کر کڑھتی رہتی تھیں، وہ کئی کئی دن شیو نہیں کرتا تھا اور اب تو اس نے سموکنگ بھی شروع کر دی تھی، ساری ساری رات اس کے کمرے کی لائٹ جلتی رہتی تھی، وہ بہت کم گو بھی ہو گیا تھا، ایک دن اس نے ممی کو بتایا کہ اسپیشلائزیشن کے لئے بیرون ملک جا رہا ہے اور تین سال بعد واپس آئے گا وہ حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہیں جو انہیں اجنبی لگ رہا تھا اور پھر وہ سب کو حیران چھوڑتا ہوا اپنی متاع جاں کی یادیں لے کر چلا گیا اور اس کی ممی کے دل میں امامہ کے لئے ملال سا آ گیا۔

☆☆☆

اب کے دسمبر کا مہینہ کا استقبال ہریرہ نے بیرون ملک ہی کیا، اس نے نئے سال پر اس کا چہرہ اپنے تخیل میں سموتے ہوئے اپنے احساسات سے آگاہ کیا تو محبت کا مرثیہ اپنے مخصوص انداز میں محسوس کیا۔

مجھے یاد ہے تم بہت منتظر ہو

اس ایک نظم کی

جو میں عہد محبت سے اب تک

نئے سال کی ابتداء پر تمہیں لکھ کر

ہر سال یہ بھیجتا ہوں

محبت کے ریشم سے

چاہت کے تاروں سے بن کر

وفاؤں کے پھولوں سے مہکی

مگر اس دفعہ جب ارادہ کیا

اور کاغذ اٹھایا

تو کاغذ پہ جانے کہاں سے

یہ تحریر ہوتا گیا

محبوب کو محبت کا مرثیہ لکھ کر بھیجوں

یہ چاہت کی کوئی روایت نہیں

چلو چاہتوں کی روایت کی

ہم زندگی کی دعائیں کریں

☆☆☆

ہریرہ کو گئے ہوئے تین سال ہو گئے، ہر دوسرے دن وہ ممی سے بات کر کے ان کی خیریت وغیرہ پوچھ لیتا تھا اور بھابھی اور عزیز بھائی سے بھی کبھی کبھار بات ہو جاتی تھی اور عزیز بھائی کا بیٹا حمزہ بھی تو اس سے چاچو چاچو کر کے باتیں کرتا تھا، اس کے ساتھ اس کے دو ساتھی جن کا تعلق دمام سے تھا، انہوں نے ہریرہ سے کہا کہ اب تم ہمارے ساتھ مکہ مکرمہ چلو اور عمرے کی سعادت حاصل کر لو، اس طرح تمہارے بیقرار دل کو بھی سکون مل جائے گا۔

ہریرہ کو ان کی یہ تجویز دل کو بھائی اور وہ تینوں نے جلدی جلدی سے اپنے تمام ضروری امور نبٹانے اور دمام پہنچ گئے، ان کے والدین گھر والوں سے ملنے کے بعد وہ مکہ پہنچ گئے انہوں نے نہایت ہی خشوع و خضوع سے عمرہ ادا کیا، ہریرہ نے آنسوؤں سے تر چہرہ کے ساتھ خانہ کعبہ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے کھڑے ہو کر بہت تڑپ تڑپ کر اپنے گناہوں کی بخشش اور اپنی ممی کے لئے ڈھیروں دعائیں اور فوت ہوئے لوگوں، خاص طور پر اپنے بابا کے لئے اور جنہوں نے دعاؤں کے لئے کہا تھا ان سب کے لئے بہت دعائیں مانگیں اور آخر میں بلک بلک کر امامہ کے مل جانے کی دعا مانگی اور زبان سے حمد کے ذریعے فریاد کرنے لگا۔

میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت
کریم تو ہی بات دے حساب کر دے مولا
کردے معاف مجھے اپنے رسول پاکؐ کے صدقے
میرے مالک دہائی ہے تجھے شہر لولاکؐ کے صدقے
رہا کر دے غموں سے کربلا کی خاک کے صدقے
میری توبہ میری توبہ میری توبہ
اندھیروں میں مجھ کو تابندگی دے دے مولا
نیا مجھ کو شعور زندگی دے دے مولا

اور اس کے بعد وہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے اور روضۂ مبارک پر حاضری دی، ہریرہ وہاں کے پرکیف نظاروں میں کھو گیا اور روضۂ مبارک کی جالیاں پکڑ پکڑ کر اور تڑپ تڑپ کر رو کر امامہ کو مانگا۔

ان سب کا خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ سے جدا ہونے کا دل ہی نہ چاہ رہا تھا لیکن ان کے جانے کے دن قریب آ رہے تھے وہ لوگ وہاں سے بہت سے نڈھال قدموں اور غمگین سے رخصت ہوئے، وہ سب سے پہلے دمام پہنچے، ایک دن آرام کیا اور دوسرے دن وہ ممی، عزیز بھائی، بھابھی اور حمزہ کے لئے اپنے کچھ دوستوں کے لئے تحائف کی غرض سے مارکیٹ آ گیا اور اس کا دوست قاسم بھی اس کے ہمراہ تھا۔

ابھی وہ وہاں پہنچے ہی تھے تو اچانک اس کی نگاہیں اٹھی کی اٹھی رہ گئیں، وہ دور کھڑی بچوں کی گارمنٹس کی شاپ سے کچھ خرید رہی تھی، اس کے ساتھ تقریباً دو ڈھائی سال کا بچہ بھی تھا وہ یقیناً امامہ تھی، کچھ ہی دیر بعد وہ مڑی اور بچے کا ہاتھ پکڑ کر بس سٹاپ کی طرف چلنے لگی۔

اُف بالکل وہی چال، وہی ڈھال، ہریرہ، قاسم کو ٹھہرنے کا اشارہ کر کے خود بھی اس بس میں سوار ہو گیا، بیس منٹ بعد بس رکی اور وہ لڑکی بچے کو گود میں لئے نیچے اتری، ہریرہ بھی آہستہ سے اترا اور دیگر لوگوں کے پیچھے ہو لیا، اس نے دیکھا کہ وہ لڑکی سامنے والی گلی کے چوتھے مکان پر ٹھہر گئی، کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ دونوں اندر چلے گئے، دروازہ بند ہو گیا۔

ہریرہ نے ایک پلر کی اوٹ سے وہ جگہ وہ مکان اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور دوسری بس سے واپس مارکیٹ میں اتر گیا، قاسم ابھی تک کھوجتی ہوئی پریشان نظروں سے اسی طرف دیکھ رہا تھا اسے دیکھ کر وہ بولا۔

''یار کہاں چلے گئے تھے، نئی جگہ ہے نئے راستے اگر کھو گئے تو خوامخواہ اخبار میں تمہاری تصویر چھپانی پڑتی؟'' وہ دونوں پھر مارکیٹ میں تھے لیکن ہریرہ بالکل غائب دماغی سے شاپنگ کی بلکہ قاسم نے ہی ساری اس کی شاپنگ کروائی، رات کو اس نے قاسم کو اصل بات بتائی اور کہا۔

''مجھے شبہ ہے کہ وہ امامہ ہی تھی، میرے ساتھ اس کے گھر چلو، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' ہریرہ نے بیقرار ہو کر قاسم سے کہا۔

''یہ کیا حماقت ہے بہت سے چہرے ملتے جلتے ہوتے ہیں، اس سے تم کیا کہو گے؟'' قاسم نے اس سے کہا۔

''تم نہیں سمجھ سکو گے دوست، اس کی چال ڈھال، سراپا، خدوخال رنگ و روپ امامہ جیسا تھا، میرا دل کہتا ہے کہ وہ امامہ تھی، کیونکہ امامہ اغواء ہوئی تھی، وہ کسی طرح یہاں آ گئی ہو گی

یا کوئی اسے لے آیا ہو گا، ملنے میں کیا حرج ہے اگر وہ نہ ہوئی تو سوری کر لیں گے کم سے کم شک تو نکل جائے گا۔'' ہریرہ نے اس سے تفصیلاً کہا۔

''ٹھیک ہے پھر کل چلتے ہیں۔'' قاسم نے اسے اطمینان دلایا۔

رات کو وہ دیر تک سوچتا رہا اور اگر واقعی وہ سونیا ہی ہوئی تو کیا ہو گا؟ یقیناً یہ بچہ اسی کا ہو گا اور اس کا شوہر؟ یہاں تک سوچ کر وہ بے چین ہو گیا جانے کس طرح رات گزری، صبح ناشتے کے بعد دونوں نکلے اور بس میں بیٹھ کر اسی اسٹاپ پر اتر گئے، مطلوبہ مکان سامنے ہی گلی میں نظر آ رہا تھا، ہریرہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے پر دستک دی، اندر سے ایک بڑی بی نکلیں۔

''کیا ہے بیٹا کس سے ملنا ہے؟'' انہوں نے اوپر سے نیچے تک انہیں دیکھ کر کہا۔

''وہ ماں جی! میں پاکستان سے آیا ہوں اور امامہ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کون ہے ماسی؟'' وہی آواز تھی، وہ ایک دم سامنے آ گئی، دونوں کی نگاہیں ملیں وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی اور جھجکتے ہوئے بولی۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میرا نام امامہ نہیں سمیعہ ہے۔''

''سمیعہ ہی سہی، ناموں میں کیا رکھا ہے میں پاکستان سے آیا ہوں۔'' ہریرہ نے اپنے دل پر قابو پاتے ہوئے کہا، اس نے بڑی بی سے کہا۔

''میں اجنبیوں سے بات نہیں کرتی، میرا پاکستان میں کوئی نہیں۔'' اس کی لرزتی اور آنسوؤں سے بھیگی آواز اسے صاف سنائی دے رہی تھی۔

''اچھا اماں! میں پھر آؤں گا شاید اس عرصے میں کسی اجنبی سے بات کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔'' ہریرہ نے کہتے ہوئے دل برداشتہ ہو کر قاسم کا ہاتھ پکڑ لیا، اگلے دن وہ تنہا ہی وہاں چلا گیا، دستک پر اسی بوڑھی خاتون نے دروازہ کھولا۔

''بیٹا! وہ تو فیکٹری گئی ہوئی ہے۔'' ان خاتون نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے، میں نے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں، مجھ سے ڈرو نہیں میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، مجھے اندر آنے دیں پلیز۔'' ہریرہ انہیں بتا کر ملتجی لہجے میں کہا۔

''آؤ بیٹا اندر آ جاؤ۔'' وہ اس کے پیچھے اندر آ گیا، خاتون نے اپنا نام صغریٰ بی بی بتایا بچہ سامنے ہی ایک صوفے پر سو رہا تھا۔

''ہاں کہو بیٹا کیا کہنا چاہتے ہو۔'' وہ بھی اس کے سامنے بیٹھ گئیں تب ہریرہ نے اپنا تعارف کرایا اور آہستہ آہستہ بتا کر کہا کہ

''یہ میری منگیتر امامہ ہے سمیعہ نہیں، وہ اغواء کر لی گئی تھی آج پانچ سال گزر چکے ہیں اس المناک حادثے کو ہوئے، میں یہاں عمرے کی غرض سے آیا تھا اور اپنے دوست کی وجہ سے دمام آنا پڑا، یہیں شاپنگ سینٹر میں امامہ کو دیکھا اور اس کے پیچھے یہاں تک آ گیا لیکن اس نے مجھ سے بات کرنا بھی گوارہ نہیں کی، آج میں صرف آپ سے ملنے آیا ہوں مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گی۔'' ہریرہ یہ کہہ کر چپ ہو گیا وہ پہلے تو کچھ سوچتی رہیں اور پھر بولیں۔

''بیٹا تم نے ٹھیک اندازہ لگا وہ واقعی سمیعہ نہیں بلکہ امامہ ہے مگر وہ انتہائی خوفزدہ ہے، ظالموں نے اس کے ساتھ بڑا ظلم ڈھایا تھا، امامہ جہانگیر کی راتوں رات کو لے کر لاہور آ گیا اور وہاں خفیہ ٹھکانے پر اتنے دن رکھا جتنے دنوں میں کاغذات تیار ہوئے پھر یہاں دمام پہنچ گیا، اس کا دوبئی کے امیر ترین عربوں کے ہاتھوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فروخت کرنے کا ارادہ تھا، جیسے ہی اس نے یہ مذموم حرکت کرنے کی کوشش کی، امامہ اس کے پیروں میں گر گئی اور اسے خدا اور اس کے رسولؐ کے واسطے دیے کہ مجھ سے نکاح کر لو، نجانے جہانگیر جیسے پتھر دل انسان کو کیا ہوا، پتہ نہیں امامہ کا معصوم حسن اسے گھائل کر گیا یا اس کی فریادیں اور واسطے کام کر گئے کہ اس نے امامہ سے نکاح کر کے باقاعدہ اپنی زوجیت میں لے لیا اور یہی رہائش اختیار کر لی، پھر علی اس کی زندگی میں آ گیا، جس دن علی پیدا ہوا، جہانگیر ایک ایکسیڈنٹ میں مر گیا۔''

''آپ کون ہیں اور یہاں کیسے پہنچی؟'' ہریرہ نے ان سے سوال کیا۔

جہانگیر نے مجھے امامہ کے لئے یہیں اسی فلیٹ میں کام کاج کے لئے پاکستان سے لایا تھا میرا کوئی نہیں، امامہ کو میں بیٹی کی طرح چاہتی ہوں، وہ بھی مجھے ماں کی طرح سمجھتی ہے، میرا خیال رکھتی ہے، تمہارے جانے کے بعد وہ بہت روئی تھی، میں نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ تمہارا چچا زاد اور منگیتر ہے اور تمہیں عزیز بھی بہت ہے، اس سے بڑھ کر تمہارا اپنا کون ہو سکتا ہے، مگر وہ کہتی ہے کہ اب میں ہریرہ کے قابل نہیں رہی میں ایک بیوہ عورت اور بچے کی ماں ہوں۔'' ان صغراں بی بی نے اسے تمام حقیقت بتائی جیسے سن کر وہ سن رہ گیا۔

''ٹھیک ہے اماں اس سے کہنا کہ وہ کل بھی میری امانت تھی اور آج بھی میری امانت ہے جو بھی ہوا اس میں کسی کا قصور نہیں یہ سارے قسمت کے کھیل ہیں وہ ہر حال میں مجھے قبول ہے، وہ بھیانک خواب سمجھ کر بھول جائے میں اسے یہاں سے لے جاؤں گا اور اماں اگر آپ بھی میرے ساتھ چلنا چاہیں تو چلنا میں دل و جان سے آپ کو اپنے ساتھ رکھوں گا کیونکہ آپ نے میری امامہ کا بہت ساتھ دیا ہے میں آپ کو ماں کی طرح عزت دوں گا اور امامہ کے بچے کو اپنا بچہ سمجھوں گا۔''

اسی اثناء میں امامہ آ گئی۔

''کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟'' بڑا اجنبی اور لاتعلق سا لہجہ تھا۔

''تمہیں لینے آیا ہوں، تم نے یقیناً سب سن لیا ہو گا جو بھی تھوڑی بہت اس قلیل عرصے میں تیاری کرنی ہو کر لو، میرا دوست قاسم ابھی نکاح خواں کو لے کر آتا ہی ہو گا کیونکہ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ تم میری امامہ ہی ہو اور اب کے میں تم سے نکاح کر کے ہی پاکستان جاؤں گا اور پھر وہاں سب کو ساری صورتحال بتا کر بڑی شان رخصت کرا کر لے جاؤں گا۔'' اس نے ایک ہی سانس میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

''میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' امامہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''کیا کہا تم نے؟'' ہریرہ انتہائی جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا، اس کی آنکھوں کی خونخواری نے امامہ کو خوفزدہ کر دیا، وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی اور منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر رونے لگی، ہریرہ نے ایک جھٹکے سے اس کے دونوں ہاتھ بڑی بے رحمی سے ہٹائے اور غصے میں دھاڑ کر بولا۔

''میں نے اپنی زندگی کے بہترین سال تمہارے تصور اور انتظار میں گنوا دیے تمہاری گمشدگی پر میں مر نہیں سکا لیکن مردوں سے بدتر ہو گیا اور زندگی بھر شادی نہ کرنے کا عہد کر کے بیرون ملک چلا گیا، تمہارے غم اور جدائی نے مجھے نڈھال کر دیا، کسی نہ کسی طرح تمہیں یہ اطلاع ہمیں پہنچانی چاہیے تھی کہ تم زندہ ہو، یہ میرے سچے جذبوں کی میراث تھی جس نے مجھے تم سے ملا دیا، کیا یہی میری محبت کا صلہ تھا جو تم نے مجھے دا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے، بولو، اب تم کیا چاہتی ہو۔'' ہریرہ نے اسے جھنجھوڑ ڈالا اور امامہ ہچکیاں لیتی ہوئی اس کے سینے سے لگ گئی۔

''تم کیا سمجھتی ہو امامہ کہ میں تمہیں ٹھکرا دونگا، مجھے گرا ہوا انسان سمجھ لیا تھا تم نے کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی یا اعتبار کرنے کا سلیقہ بھول گئیں؟'' وہ اسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے سرگوشیوں میں کہہ رہا تھا۔

ہریرہ کی ٹھوڑی اس کے سر پر ٹکی ہوئی تھی اور اس کے آنسو امامہ کے ریشمی بالوں میں جذب ہو رہے تھے، پھر اس نے اسے الگ کر کے اس کے آنسو پونچھے اپنی پلکیں خشک کیں اور اسے سامنے بٹھا کر خود بھی بیٹھ گیا اور پیار سے کہا۔

''امامہ! تم مجھے ہر روپ میں قبول ہو، تم جس اندیشے سے پریشان ہو اسے اپنے ذہن سے جھٹک دو، تمہارا بچہ میرا بچہ ہے، میں اسے باپ کا بھرپور پیار دونگا، خدا کے لئے امامہ اب مجھے کسی آزمائش میں نہ ڈالنا۔'' ہریرہ نے اس کے ہاتھ پکڑ کر کہا، مگر امامہ نے ہاتھ چھڑا کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیئے۔

''ہریرہ تم مجھے صدق دل سے معاف کر دو، میں نے بڑے دکھ اٹھائے ہیں، تقدیر نے جو مذاق میرے ساتھ کیا ہے، اس کے لئے تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' اس کے آنسو آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے، ہریرہ نے گھبرا کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''معاف تو انہیں کیا جاتا ہے امامہ! جو قصور وار یا گنہگار ہوں، تم نے کوئی خطا نہیں کی، پھر کسی معافی؟ پھر بھی میں نے اپنا دل صاف کر لیا ہے، ہر شکوے، شکایت، ہر دکھ سے مبرا ہو کر تجدید عہد کے لئے تمہاری طرف بڑھا ہوں، بس اپنے آنسو پونچھ لو، دیکھو ہمارا بیٹا علی آ گیا ہے۔'' ہریرہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

علی اچانک ان کے درمیان آ گیا تھا اور بڑی حیرانی سے کبھی امامہ کی طرف اور کبھی ہریرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''بیٹا یہ تمہارے بابا ہیں، انہیں سلام کرو۔''

''بابا۔'' بابا کہہ کر اسے سلام کیا اور ہریرہ بے تاب ہو کر اسے گود میں اٹھا لیا۔

''ہاں بیٹا! میں تمہارا بابا ہوں، تمہیں اور تمہاری ماما کو لینے آیا ہوں۔'' وہ بولا۔

اسی اثناء میں قاسم اور ابراہیم نکاح خواں اور گواہوں کو لے کر آ گئے اور تھوڑی دیر میں وہ دونوں نکاح ازدواج کے رشتے میں منسلک ہو گئے اور کچھ دیر بعد ہی ہریرہ کی پاکستان روانگی تھی، امامہ ابھی نہیں جا سکتی تھی۔

امامہ نے اس سے کہا کہ میری فون پر تائی امی وغیرہ سے بات کرا دیں تو ہریرہ نے کہا کہ میں ممی کو سرپرائز دونگا اور خود جا کر بتاؤں گا وہ سب بہت خوش ہونگے اور کچھ دن بعد تم لوگوں کو آ کر لے جاؤں گا اور اس کی پیشانی پہ اپنے پیار کی مہر ثبت کر کے امید و یقین اور عہد و پیماں باندھ کر رخصت ہو گیا۔

''قاسم اور ابراہیم نے گلے لگا کر امامہ کے ملنے اور اس سے نکاح کی مبارکباد دی اور کہا کہ اللہ پاک کے گھر حاضری کا تمہیں کتنا بڑا انعام عطا ہوا ہے اور نبی پاک کے طفیل تمہیں تمہاری امامہ مل گئی ہے، اب یہ بھول نہ جانا بلکہ اس سال حج کے لئے آنا۔''

''ضرور..... ضرور میں حج کے لئے اسی شال انشا اللہ آؤنگا کیونکہ مجھے ہر خوشی یہیں سے ملی ہے، میں یہ کیسے بھول سکتا ہوں۔'' ہریرہ نے فرط مسرت سے کہا۔

ان سب سے مل کر خوشی خوشی وہ روانہ ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا، جب وہ پاکستان اپنے گھر پہنچا تو بہت خوش تھا سب نے ہی اس کا یہ روپ محسوس کیا اور وہ بھی اسے ہشاش بشاش اور خوش دیکھ کر مطمئن ہوگئے، البتہ اپنی ممی کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا، یہ اس کی ممی تو نہ تھی، جب وہ بیرون ملک گیا تھا تو اس کی ممی بالکل صحت مند اور ٹھیک ٹھاک تھیں لیکن اب بہت زیادہ کمزور اور ضعیف لگ رہی تھیں، وہ تڑپ کر ان کے گلے لگ گیا۔

''ممی یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟'' اس نے بے حد بیقراری سے ان سے پوچھا۔

''تیری جدائی میں، میرا یہ حال ہوا ہے، لیکن اب ٹھیک ہو جاؤں گی کیونکہ اب تو جو آ گیا ہے۔'' انہوں نے فرط مسرت سے اسے چومتے ہوئے کہا۔

''ممی! میں نے آپ کو ایک خوشخبری سنانی ہے۔'' اس نے ممی کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

''خوشخبری بھی ضرور سنوں گی، پہلے یہ تو بتاؤ کہ مجھے چھوڑ کر تو نہیں جائے گا۔'' انہوں نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''نہیں ممی اب میں آپ سے دور کہیں نہیں جاؤں گا، بلکہ مستقل یہیں آپ کے پاس رہوں گا اور آپ کی بہو اور پوتے کو بھی یہیں لے آؤں گا۔'' آخر میں اس نے انہیں خوشخبری سناتے ہوئے ان کے چومتے ہوئے کہا۔

''کیا تو نے شادی بھی کر لی اور ایک بچے کا باپ بھی بن گیا اور ہمیں بتانا بھی گوارا نہ کیا۔'' انہوں نے نہایت سے دکھ سے کہا۔

عزیز بھائی اور بھابھی بھی اس کے اس انکشاف سے ششدر رہ گئیں۔

''لیکن ممی! یہ تو خوشی کی بات ہے کہ چلو اس نے اپنا گھر تو بسایا۔'' عزیز بھائی نے اسے گلے لگا کر مبارکباد دیتے ہوئے ممی سے کہا۔

''تھینک یو بھائی! لیکن آپ لوگ یہ نہیں پوچھیں گے کہ میں نے کس سے شادی کی ہے؟'' اس نے سسپنس پھیلاتے ہوئے کہا۔

''ارے ہمیں کیا، کی ہو گی کسی گوری میم سے شادی، اور ہاں واقعی تمہارا بھائی ٹھیک کہہ رہا ہے کہ چلو تو نے اپنا گھر تو بسایا، تو خوش تو ہم بھی خوش۔'' ممی نے بھی اس کی پیشانی چوم کر اپنی رضامندی دے دی۔

''اچھا ہریرہ اب بتاؤ بھی کہ کس سے شادی کی ہے اور ہماری دیورانی صاحبہ کیسی ہیں؟'' بھابھی نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات کر دیئے۔

''آپ کی دیورانی کوئی غیر نہیں بلکہ آپ سب کی اپنی امامہ ہے۔'' اس نے گویا ان سب کی ساعتوں پر بم پھوڑا۔

''کیا..... کیا کہا تم نے.....؟ امامہ۔'' ممی نے اٹک اٹک کر نہایت ہی حیرانی سے اپنا جملہ بھی مکمل نہ کر سکیں۔

عزیز بھائی اور بھابھی بھی سکتے میں آ گئے۔

''کیسا لگا میرا سرپرائز، ہو گئے نا حیران۔'' اس نے ان کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

''وہ تمہیں کہاں اور کیسے ملی؟'' ممی نے بدقت تمام اس سے پوچھا اور پھر ہریرہ نے انہیں امامہ کے ساتھ بیتے تمام حالات سچائی کے ساتھ بتا دیئے۔

''ایک مرتبہ پھر سب سناٹے میں آ گئے، لیکن ممی کا ردعمل بہت انوکھا اور تکلیف دہ تھا۔''

''یہ کیا بکواس کر رہے ہو، تمہیں پتہ ہے کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔'' ممی نے شدید دکھ اور غصے سے کہا۔

''اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا بات ہے،

آپ لوگوں کو تو خوش ہونا چاہیے کہ میری زندگی سنبھل گئی۔'' ہریرہ نے ممی کی طرف تاسف سے دیکھ کر کہا۔

''پہلے کی بات اور تھی ہریرہ، وہ ہماری نظروں کے سامنے پلی بڑھی، ہمیں اس کے ہر اچھے برے کا پتہ تھا، جب وہ معصوم تھی لیکن اب..... اب ہرگز نہیں۔'' ممی نے نہایت ہی درشتگی سے کہا۔

''آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟'' ہریرہ نے حیران ہو کر ان سے پوچھا۔

''ایک بیوہ اور ایک بچے کی ماں سے شادی رچالی اور ہمیں کیا پتہ کہ وہ ان گزشتہ سالوں میں کہاں کہاں منہ کالا کرتی رہی ہے اور اب پوچھ رہے ہو کہ کیوں؟'' ممی نے چیختے ہوئے کہا ان کی سانسیں اکھڑنے لگیں اور وہ بے دم سی ہو کر صوفے پر گر سی گئیں۔

''خدا کے لئے ممی چپ ہو جایئے، اتنا برا الزام، آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ امامہ کیسی لڑکی ہے، اس کا یہ بچہ جائز ہے، اس نے باقاعدہ نکاح کیا تھا اور آپ کو پتہ ہے اماہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔'' اس نے پہلے چیخ کر اور پھر ممی کے قدموں میں بیٹھ کر روتے ہوئے کہا۔

''بس کرو ہریرہ، اس کے لئے مجھے کسی صفائی کی ضرورت نہیں ہے، اسے اس گھر میں آئندہ لانے کا نام بھی مت لینا۔'' ممی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بولنے سے منع کیا۔

بھابھی نے بھی کچھ اسی طرح کا رسپانس دیا، ہریرہ ان کے رویوں سے بے حد دکھی اور دل برداشتہ ہوا۔

بھابھی ممی کو سہارے سے ان کے کمرے میں لے گئیں اور عزیز بھائی ڈاکٹر فون کرنے لگے، ڈاکٹر صاحب کے چیک اپ کے بعد تک بھی ہریرہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھا رہا اس کی پوزیشن میں رتی برابر فرق نہ آیا، رات کا اندھیرا پھیلنے لگا۔

''ہریرہ جاؤ، اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو، تمہیں سفر کی بھی تھکان ہو گئی۔'' عزیز بھائی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اس نے زخمی نظروں سے عزیز بھائی کی طرف دیکھا اور بوجھل قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا اتنے میں امامہ کی کال آ گئی وہ سب کے متعلق بے چینی سے پوچھنے لگی۔

''میری تائی امی اور بھابھی وغیرہ سے بات کروادو۔'' خوشی سے کانپتی آواز میں اس نے ہریرہ سے کہا۔

''وہ ایسا ہے کہ ممی تو دوائی لے کر ابھی سوئی ہیں اور عزیز بھائی اور بھابھی کسی ضروری کام سے باہر گئے ہیں۔'' اس نے امامہ کو سچ جھوٹ بتاتے ہوئے کہا۔

''کیوں کیا ہوا.....؟ تائی امی کو.....؟ وہ ٹھیک تو ہیں نا؟ پلیز ہریرہ مجھے جلدی سے بتاؤ۔'' امامہ نے انتہائی پریشانی اور فکرمندی سے ان کی خیریت کے متعلق پوچھا۔

ہریرہ نے بڑی مشکل سے اسے قائل کر کے مطمئن کیا، مزید کچھ باتیں کر کے فون بند کر دیا۔

فون بند کرتے ہی اس کو تاسف نے آ گھیرا کہ محبتوں سے گندھی اس لڑکی کے متعلق میرے گھر والے کس طرح کی سوچ رکھتے ہیں؟ اسی طرح کی سوچوں میں گھرا وہ نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

☆☆☆

دوسرے دن وہ ممی کے کمرے میں انہیں دیکھنے اور ان کی خیریت پوچھنے کے لئے گیا تو انہوں نے اسے دیکھ کر منہ موڑ لیا، وہ ان کی اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے رخی پر کٹ کر رہ گیا اور تڑپ کر انے کے نزدیک آیا۔

''ممی آپ کو تو امامہ بہت پیاری اور عزیز تھی، یہ اب آپ کا رویہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔'' اس نے انتہائی بے بسی سے کہا۔

''ہریرہ میرے سامنے آئندہ اس کا نام مت لینا اور اس سے اپنا تعلق توڑ لو، یہی میری مرضی اور خواہش ہے۔'' انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔

ان کی طبیعت کے پیش نظر اس نے اپنے آپ کو مزید کچھ کہنے سے روکا اور جھٹکے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''ہریرہ! ڈاکٹر صاحب کہہ رہے ہیں کہ ممی کو فوراً کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ اور ان کے ٹیسٹ کراؤ۔'' جونہی وہ ہال کمرے میں داخل ہوا تو عزیز بھائی نے اس سے کہا اور جو ٹیسٹ کرانے تھے وہ پرچی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تم ایک ڈاکٹر ہو اور ممی کی صحیح طور پر ٹریٹمنٹ تم ہی کر سکتے ہو، اب کل سے ممی کے تمام ٹیسٹ کروانا اور کسی اچھے سے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔'' عزیز بھائی نے ممی کے گزشتہ کرائے گئے ٹیسٹ اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے مزید کہا۔

عزیز بھائی کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ وہ انہیں چونک کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

''اور ہاں بھئی ہریرہ! اب ممی اور اس گھر کی آدھی ذمہ داری تم اٹھاؤ، تمہارے بھائی کئی سالوں سے یہ سب کچھ کر رہے ہیں، اب تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ تم گھر کے اخراجات اٹھانے میں ان کی مدد کرو۔'' بھابھی نے بھی روکھے لہجے میں اس سے کہا۔

اس نے گھٹک کر عزیز بھائی اور بھابھی کو دیکھا تو بھابھی تو کچن کی طرف چلی گئیں اور عزیز بھائی اس سے نگاہیں چراتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے، عزیز بھائی اور بھابھی کے تیور دیکھ کر وہ گنگ رہ گیا اور اس نے یہ تک نہ پوچھا کہ بابا کا اتنا بڑا کاروبار میں ہم دونوں کا حصہ ہے اس نے تو کبھی اپنا حصہ نہیں مانگا اور بیرون ملک بھی وہ پرائیویٹ ہسپتال میں جاب کر کے اپنا خرچہ اٹھاتا تھا، عزیز بھائی آپ اکیلے تو یہ اخراجات نہیں اٹھا رہے لیکن وہ یہ سب ان کے بڑے ہونے کے ناطے ان سے کہہ نہ سکا۔

''فی الحال اس کے پاس اتنا تو تھا کہ وہ ممی کو کسی اچھے سے ڈاکٹر کو دکھاتا اور ان کے ٹیسٹ وغیرہ کرا لیتا لیکن پھر اس کے بعد کیا ہو گا، اس کے لئے مجھے جلدی سے جاب کے لئے اپلائی کرنا ہو گا جس ہاسپٹل میں وہ بیرون ملک جانے سے پہلے تعینات تھا ان سے رابطہ کر کے وہیں جاب کر لی اور اب تو وہ اسپیشلسٹ تھا اس کی سیلری بھی زیادہ تھی اور دیگر سہولیات بھی دی گئیں تھیں۔''

دو دن بعد اس نے ممی کے تمام ٹیسٹ کرائے اور چیک اپ بھی کرایا، انہوں نے کچھ مزید ٹیسٹ کروانے کا کہا اور جب رپورٹ آئی تو اس کا دل دہلانے کے لئے کافی تھا، وہ یونہی نہیں کمزور ہو رہی تھیں انہیں جگر کا کینسر تھا لیکن جس سٹیج پر تھا وہ قابل علاج تھی، انہیں اعلیٰ ادویات متوازن خوراک مکمل ریسٹ اور معیاری علاج کی ضرورت تھی۔

اس نے امامہ اور اپنے بارے میں بہت سوچا، ممی اسے یہاں بلانے کے لئے بالکل تیار نہیں تھیں اور عزیز بھائی اور بھابھی کا رویہ اس کے ساتھ بہت بدل چکا تھا، عزیز بھائی اب بہت مصروف رہنے لگے تھے، صبح ہوتے ہی آفس چلے

جاتے اور رات گئے تک واپس آتے اور بہت تھکے ہوئے لگتے، اکثر ممی سے ملے بغیر ہی اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلے جاتے، بھابھی خود بھی ممی کے پاس بہت کم آتیں اور اپنے بیٹے کو بھی ان کے پاس جانے نہ دیتیں اور ان کے لئے اکثر پرہیزی کھانا بنانا بھول جاتیں یا جان کر خود سے یہ سب کچھ کر رہی تھیں یہ اس کی سمجھ سے باہر تھا، بہرحال ان کے یہ رویے دیکھ کر اس نے سب سے پہلے ممی کے لئے ایک کل وقتی ملازمہ کا انتظام کیا جو ان کا پرہیزی کھانا بھی بناتی تھی، ان کے بقیہ کام بھی اس کے ذمے تھے۔

اس نے سوچا کہ وہ یہاں سے چلا جائے گا، اتنے عرصے بعد تو اسے اس کا پیار ملا ہے جس کے لئے اس نے اتنے سالوں کا بن باس کاٹا، لیکن اب جب اسے ممی کی بیماری کا پتہ چلا اور ساتھ ہی عزیز بھائی اور بھابھی کا ممی سے گریز سے بہت کچھ سمجھ گیا اور اسے اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔

اب امامہ کو اس ساری صورتحال کا بتانا بہت ضروری ہو گیا، وہ بہانے بنا بنا کر تھک گیا تھا، امامہ کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

''اس نے دل کڑا کر کے امامہ فون کر کے تمام صورتحال سے آگاہ کر دیا۔''

امامہ یہ سن کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی، ہریرہ سے بھی ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

''اپنی پریشانیاں تو میں سہہ ہی لونگی ہریرہ، ان تائی امی کا سن کر مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے، وہ میری ماں کی طرح ہیں، اگر مجھے ان کی محبت کی ضرورت ہے تو انہیں بھی میری ضرورت ہے، مجھے اس وقت ان کی خدمت کرنی چاہیے، تمہیں بھی منانے کی کوشش کرنا، وہ ضرور مان جائیں گی، مجھے پتہ ہے وہ دل کی بری نہیں ہیں وہ مجھ سے اب بھی بہت محبت کرتی ہیں، ایک نہ ایک دن وہ خود مجھے بلائیں گی، مجھے اپ رب پر پورا بھروسہ ہے، جس نے مجھے میرے ہریرہ سے ملوا دیا وہ تائی امی کے دل میں بھی میرے لئے ضرور پرانی محبت ڈال دے گا اور ہاں ہریرہ! تم تائی امی کو چھوڑ کر میرے پاس نہیں آؤ گے، میں تمہارا پیار ضرور ہوں لیکن تمہاری جنت تمہاری ممی کے قدموں میں ہے، ان کی خوب دل لگا کر خدمت کرنا اور سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو، وہ بہت غفور الرحیم ہے وہ ضرور ہماری سنے گا، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہونا، میں کل بھی تمہاری تھی اور آئندہ بھی تمہاری ہی رہوں گی یہی میری مرضی اور خواہش ہے، اپنا اور تائی امی کا بہت خیال رکھنا، میری خاطر۔'' امامہ نے ایک ہی سانس میں اسے اپنی عظمت کا احساس دلایا۔

کاش اس کی ممی بھی امامہ کی عظمت کو پہچان لیں وہ یہ سوچ کر رہ گیا۔

''تھینک یو ویری مچ امامہ! مجھے پورا یقین تھا کہ میری امامہ کا دل بہت وسیع ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر ضرور دے گا۔'' بہت سی امیدیں باندھ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ سے اس آزمائش میں اپنے اور امامہ کے پورا ہونے کی صدق دل سے دعا مانگی اور لب خود بخود گنگنانے لگے۔

☆☆☆

ادھر امامہ پھر سے ماضی کی طرف گامزن ہو گئی، تائی امی بھابھی اور عزیز بھائی کے دل میں اپنے لئے بے انتہا محبت دیکھی تھی، یہ اب کیا ہو گیا، اسے اپنے رب سے شکوہ ہوا کہ۔

ہوش سنبھالتے ہی اسے اپنے کسی بھائی بہن کی شدت سے خواہش ہوئی جو پوری نہ ہو سکی، پھر مما بابا اس کی خوشیاں دیکھے بغیر ہی اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دنیا سے رخصت ہو گئے، پھر تائی امی اور بھابھی کی بیماریوں میں ہر ممکن خیال رکھا اور خدمت کی پھر جس سے سچا پیار کیا اس سے جدا ہو گئی اور جدا بھی کتنی رسوائیوں کے ساتھ ہوئی، تعلیم ادھوری رہ گئی۔

اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ ہریرہ کے علاوہ کوئی اور فرد اس کی زندگی میں آئے گا لیکن قسمت کی ستم ظریفی سے یہ زہر کا پیالہ اسے خود اپنے ہاتھوں سے پینے پر مجبور ہو گئی اور یہیں پر اس کی آزمائش ختم نہیں ہوئی بیوہ ہو گئی، کیسے کیسے کٹھن کٹھن حالات سے گزری، قدم قدم پر ٹھوکے بھیڑیے اسے نوچنے کھسوٹنے کے لئے کھڑے ہوئے، لیکن اس نے اپنی عزت کی بہت زیادہ حفاظت کی اور اسے بچانے میں کامیاب بھی ہو گئی، آخر کار اسے نوکری مل گئی دن میں کئی گھنٹے اس نے دن میں جاب کی اور اپنے اور اپنے بچوں کے اخراجات پورے کیئے علی کی خاطر اس نے جینا تھا، اب اسے کوئی پابندی نہیں تھی، وہ ہریرہ سے رابطہ کر سکتی تھی لیکن اب وہ اپنے آپ کو ہریرہ کے قابل نہ سمجھتی تھی اس لئے اپنے دل پر پتھر رکھ کر خاموش رہی، اس کی آزمائش پتہ نہیں اور کتنی آگے تک چلنی تھی کہ ایسے میں اس کا پیار اس کا محبوب، اس کے دل کا قرار ہریرہ اسے مل گیا اور یوں قسمت نے مہربانی کی اور وہ دونوں پھر سے ایک ہو گئے ابھی وہ خوشیوں کے ڈولے میں صحیح طریقے سے سوار بھی نہ ہوئی تھی کہ پھر سے اس کی آزمائش شروع ہو گئی، وہ انہی سوچوں میں غلطاں اور اللہ سے شکوہ کناں تھی کہ اذان کی آواز سنائی دی اس نے تمام سوچوں اور شکوؤں کو پرے دھکیلا اور وضو کر کے اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑی ہو گئی اور رو رو کر نماز ادا کی، اپنے رب سے دعا مانگی کہ۔

''اے اللہ! اے میرے پیارے پروردگار مجھے اس آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق فرما اور مجھ پر اپنا رحم کر مجھے شکوہ کرنے پر معاف فرما دے، میرے تمام کردہ ناکردہ گناہ معاف فرما دے، ہریرہ کو ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما میری تائی امی کو صحت و تندرستی عطا فرما دے، وہ مجھے خود اپنے پاس بلانے کی خواہش کریں، میں رشتوں کو ترسی ہوئی ہوں، مجھے میرے یہ رشتے ملا دے، میرے گناہوں کا تو کوئی کنارہ ہو لیکن تیری رحمت کا کوئی کنارہ نہیں، اپنی اسی بیکراں رحمت کے صدقے مجھے بخش دے اور اپنے پیارے حبیبؐ کے صدقے میں ہم پر اپنی مہربانی فرما دے (آمین ثم آمین)۔'' اس نے رو رو کر سجدے میں جا کر گڑگڑا کر اپنے رب سے صدق دل سے دعا مانگی اور پھر ہلکی پھلکی ہو گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ میری یہ دعائیں ضرور قبول ہوں گی رد نہیں ہوں گی۔

اسی امید اور یقین کے ساتھ وہ اٹھی اور اپنے روزمرہ کاموں کی طرف متوجہ ہو گئی، امامہ اس حوصلہ مند لڑکی کو دیکھ کر حیران رہ جاتیں اور اس کے حق میں دعا کرتیں۔

☆☆☆

دن بدن عزیز بھائی اور بھابھی کا رویہ بدصورت ہوتا جا رہا تھا۔

''تم اور تمہارا بچہ میرے پاس نہیں آیا کرو، گھڑی دو گھڑی آ کر بیٹھ جایا کرو۔'' ایک دن ممی نے حمزہ کو اپنی گود میں لے کر اس کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے بھابھی سے کہا۔

''آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو کینسر جیسی موذی مرض لاحق ہے اور پھر بھی آپ اس معصوم کو چھو رہی ہیں، پیار کر رہی ہیں۔'' بھابھی چیل کی طرح جھپٹ کر ان کی گود سے حمزہ کو

ہوئے کہا۔

ممی پر گویا کسی نے بم بلاسٹ کر دیا ہو اور ہکا بکا انتہائی صدمے سے اپنی وہمی بہو کو دیکھنے لگیں اور اندر داخل ہوتے ہریرہ نے بھی بھابھی کے یہ سیسہ پلائی آواز سن لئے۔

''آپ کو معلوم ہے میں نے ممی سے اس بیماری کو چھپایا ہے تاکہ وہ کوئی ٹینشن نہ لیں، آپ نے میری تمام محنت پر پل بھر میں پانی پھیر دیا۔'' ہریرہ دھاڑتے ہوئے بھابھی سے بولا۔

''ہاں تو ان کو کسی ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرو، اس خطرناک بیماری کے مریضوں کو گھروں میں نہیں رکھا جاتا۔'' بھابھی نے انتہائی بدتمیزی سے کہا۔

''آپ سے کس نے کہا کہ یہ ایک خطرناک مرض ہے اور اس کا علاج ممکن نہیں، ممی کا مرض پہلی سٹیج پر ہے اور ممی تیزی سے صحت یاب ہو رہی ہیں، یہ چھوت کا مرض نہیں ہے کہ چھونے سے لگ جائے گا۔'' ہریرہ نے بھی دوبدو کہا۔

دونوں میں خوب گرما گرم بحث ہوئی، بھابھی نے فون کر کے عزیز بھائی کو بلا لیا اور تمام قصہ خوب نمک مرچ لگا کر سنایا۔

''اب یہ جگہ ہمارے رہنے کے قابل نہیں ہے، ہم اب یہاں نہیں رہ سکتے۔'' بھابھی نے عزیز بھائی کے کندھے پر سر رکھ کر روتے ہوئے کہا۔

''میں نے کاغذات وغیرہ تیار کرا لئے ہیں اب ہم یہاں نہیں رہیں گے، ویزہ پاسپورٹ وغیرہ جیسے ہی کمپلیٹ ہوتے ہیں ہم بیرون ملک روانہ ہو جائیں گے اور میں نے تمام کاروبار وائنڈ اپ کر کے باہر شفٹ کر دیا ہے اور ہریرہ تمہارے حصے کی رقم میں نے بینک میں ٹرانسفر تمہارے اکاؤنٹ میں کرا دی ہے، جیسے ہی کاغذات وغیرہ مکمل ہوتے ہیں ہم یہاں سے چلے جائیں گے، روزانہ کی چخ چخ سے جان چھوٹے گی۔'' عزیز بھائی یہ روح فرسا خبر سنا کر ممی پر ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر دھپ دھپ کرتے اپنے کمرے میں چلے گئے اور ان کے پیچھے ہی بھابھی بھی حمزہ کو لئے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائے چل دیں، ہریرہ نے انتہائی دکھ اور صدمے کے ساتھ یہ سب کچھ سنا اور سر جھٹکتے ہوئے ممی کی طرف متوجہ ہوا جو صدمے سے گنگ ہو کر ایک طرف لڑھک گئی تھیں اس نے جلدی سے ممی کو اپنی بانہوں میں بھر کر گاڑی میں لٹا کر ہاسپٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

فوری ٹریٹمنٹ کی وجہ سے وہ نروس بریک ڈاؤن سے بچ گئیں۔

''انہیں کوئی ایسی صدمے والی بات نہیں بتانی جن سے ان کی حالت مزید خراب ہو جائے اور وہ اپنی جان سے چلی جائیں۔'' ڈاکٹر نے اسے سخت تاکید کرتے ہوئے کہا۔

ہریرہ ساری رات ان کے پاس رہا، فجر کے ٹائم وہ ذرا ہوش میں آئیں، انہوں نے اشارے سے ہریرہ کو اپنے قریب بلایا، ہریرہ بے تابی سے اٹھ کر ان کے پاس آ گیا۔

''مجھے معاف کر دو، امامہ سے کہو کہ مجھے معاف کر دے اور اسے یہاں میرے پاس بلا لو۔'' انہوں نے ہریرہ کو سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے پھولی سانسوں کے درمیان روتے ہوئے کہا۔

''ممی روئیں نہیں، مجھے آپ کے آنسوؤں سے تکلیف ہو رہی ہے۔'' اس نے ان کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول کر تڑپ کر کہا۔

''میں کتنی بدنصیب ہوں، پتھر اور ہیرے میں پہچان نہ کر سکی، امامہ تو میری ذرا سی تکلیف پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تڑپ جاتی تھی اور اپنی تمام تر مصروفیات چھوڑ کر میری خدمت میں جت جاتی تھی۔'' وہ اب ہچکیوں سے رونے لگی۔

''ممی مت روئیں اور کوئی ٹینشن نہیں لینی آپ نے ڈاکٹر نے زیادہ بولنے سے منع کیا ہے، اب بولیں نہیں۔'' ہریرہ نے انہیں تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہریرہ مجھے آج چپ نہیں کراؤ، بولنے دو، میرا غم ہلکا ہونے دو، میں نے امامہ کی قدر نہیں کی، بن ماں باپ کی بچی کے ساتھ یہ کیسا ظلم کیا ہے، پتہ نہیں وہ مجھے معاف بھی کرے گی یا نہیں، پلیز ہریرہ اسے بلا لو میں مرنے سے پہلے ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔'' انہوں نے بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے ہوئے کہا۔

''ایسا مت کہیں ممی وہ تو آپ کے لئے بہت دعائیں کرتی ہے، مجھے روز فون پر بتاتی ہے۔'' اور پھر اس نے امامہ کے بارے میں ان کے لئے کہے گئے الفاظ دہرا دیے ہریرہ انہیں یہ باتیں بتا کر چپ ہو گیا۔

یہ سب سن کر ان کے رونے میں مزید روانی آ گئی، وہ انہیں چپ کرا رہا تھا سسٹر آ گئی بدوقت تمام نرس کو ضروری ہدایات کر کے اور ان کو ان کی خواہش پر عمل کرنے کی اطلاع دیتا ہوا باہر آ گیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو گر گر کے تکیے میں جذب ہونے لگے۔

ممی کے کمرے سے باہر نکل کر اس نے سب سے پہلے امامہ کو فون کر کے یہ خوشخبری سنائی کہ۔

''ممی تمہیں خود اپنی خوشی سے بلا رہی ہیں، میں تھوڑی دیر میں ان کی تم سے بات کراؤں گا اور پلیز ان کے سامنے رونا مت، ڈاکٹر نے انہیں رونے اور زیادہ بولنے سے منع کیا ہے۔''

امامہ یہ سن کر خوشی سے جھوم اٹھی اور شکرانے کے نفل ادا کرنے کے لئے اپنے رب کے حضور جھک گئی۔

''بے شک وہی ہمیں تمام مصیبتوں اور آزمائشوں سے نکالنے والا ہے۔''

☆☆☆

اسی دن شام کو عزیز بھائی کھڑے کھڑے ممی کی خیریت پوچھنے آئے تھے اور سرسری سا پوچھ کر فوراً ہی چلے گئے اور بھابھی نے تو آنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی، ان کے جانے کے بعد ممی کی آنکھوں سے ساون بھادو کی جھڑی لگ گئی، ہریرہ نے انہیں بڑی مشکل سے چپ کرایا، ممی نے امامہ کے متعلق پوچھا تو ہریرہ نے امامہ کا نمبر ملایا اور اس سے سلام دعا کے بعد کہا کہ۔

''امامہ ممی تم سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔'' ہریرہ نے امامہ سے کہہ کر سیل فون ممی کے کان پر لگا دیا۔

''السلام علیکم تائی امی!'' امامہ نے نہایت ہی تابعداری سے انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! امامہ..... میری بیٹی..... میری بہو۔'' انہوں نے روتے ہوئے بدوقت تمام امامہ کے سلام کا جواب دیا اور مزید بولنے کی کوشش کی لیکن رونے کی وجہ سے ان کا گلا رندھ گیا اور ان سے آگے بولا نہیں گیا۔

دوسری طرف امامہ کا بھی کم و بیش یہی حال تھا۔

''امامہ..... بیٹی..... میں بہت اکیلی ہوں، لاچار ہوں میرے اور ہریرہ کے لئے جلدی یہاں آ جاؤ اور ہاں میرے پوتے کو ضرور لانا، یہاں ہم تمہارا بہت بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔'' انہوں نے سسکیوں کے درمیان اپنی بات مکمل

کی۔

''تائی امی! آپ نے بلایا ہے، اب میں جلد ہی پہنچنے کی کوشش کروں گی۔'' امامہ نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا۔

ہریرہ نے ان سے سیل لے لیا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

''ممی وہ جلدی ہی یہاں ہمارے پاس پہنچ جائے گی۔'' ہریرہ نے ممی کو یقین دلاتے ہوئے کہا اور ممی نے مطمئن ہو کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

رات کو ہریرہ نے امامہ سے جلد آنے کی بات کی اور ماسی کو بھی لانے کی تاکید کی کیونکہ ان کا اس بھری دنیا میں کوئی نہیں ہے اور پھر انہوں نے تمہارا بہت ساتھ دیا ہے، امامہ یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور اپنے جلد آنے کا بتایا، امامہ کے آنے کا سن کر ہریرہ کے لبوں پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ رینگ گئی اور اس کے لب خود بخود گنگنا اٹھے۔

تیرے آنے کی خوشی میں
میرا دم نکل نہ جائے

☆☆☆

اگلی صبح ممی کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا وہ ممی کو گھر لے کر آ گیا۔

گھر کے تمام ملازمین اپنی بیگم صاحبہ کے گھر خیریت سے آنے پر بہت خوش ہوئے، ہریرہ نے ممی کا صدقہ بھی دیا اور انہیں لے کر ان کے کمرے میں آ گیا اور ملازمین کو ان کا خصوصی خیال رکھنے کی تاکید کی اور ان کی ادویات اور خوراک وغیرہ کے متعلق بتایا کہ کب اور کیسے دینی ہے اور ممی کے ہاتھ پر بوسہ دیتا ہوا ہاسپٹل کے لئے جانے لگا۔

''امامہ کب پہنچ رہی ہے ہریرہ۔'' ممی نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ممی جونہی اس کے کاغذات وغیرہ بنتے ہیں وہ پہلی فلائٹ سے یہاں پہنچ جائے گی۔'' وہ مسکرا کر ممی کو جواب دیتا ہوا چلا گیا اور ممی محبت پاش نظروں سے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہیں۔

ممی کو گھر آئے ہوئے ایک گھنٹہ ہو گیا تھا لیکن بھابھی اور حمزہ ان سے ملنے نہیں آئے تھے، عزیز بھائی تو آفس گئے ہوئے تھے۔

انہوں نے ملازم سے ان کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ حمزہ بابا کو نوڈلز کھلا رہی ہیں۔

''تم لوگوں نے اسے میرے آنے کا بتایا ہے؟'' ممی نے نجانے کس امید کے تحت ملازمہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی بیگم صاحبہ! میں نے انہیں خود آپ کے آنے کا بتایا ہے۔'' ملازمہ نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

جس بہو کو اتنی چاہ سے لائی تھی اور جس پوتے کے لئے میں نے کتنی دعائیں مانگیں تھیں آج وہ کتنے اجنبی ہو گئے ہیں، یہ سوچ آتے ہی ان کے دل میں دکھ سا بھر گیا، دوپہر کو ہریرہ گھر آیا اور ملازم سے ان کی دوا اور خوراک وغیرہ کا پوچھا۔

''صاحب جی! یخنی اور دلیہ تو میں نے انہیں دے دیا تھا لیکن ابھی دوائی نہیں دی۔'' ملازم نے ادب سے کہا، ہریرہ نے اپنے ہاتھوں سے انہیں دوائی وغیرہ پلائی۔

شام کو عزیز بھائی بھابھی اور حمزہ ان کے کمرے میں آئے اجنبیوں کی طرح ان کی خیریت پوچھی، جتنی دیر وہ بیٹھے رہے بھابھی نے حمزہ کو گود سے نہیں اتارا حالانکہ وہ بار بار دادی کے پاس جانے کے لئے مچل رہا تھا، تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھ کر وہ لوگ چلے گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ممی کچھ دن بعد ہم لوگوں کی امریکہ کے لئے فلائٹ ہے۔'' دوسرے دن عزیز نے انہیں اپنی بھابھی اور حمزہ کے جانے کی روح فرسا خبر سنائی، ممی پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

''ارے ممی آپ پریشان ہو ہوں، ہریرہ ہے ناں آپ کے پاس اور پھر ہم لوگ فون پر رابطے میں رہیں گے اور تہواروں اور دیگر مواقع پر آتے رہیں گے۔'' عزیز نے اپنی طرف سے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔'' ممی نے دکھ سے بوجھل آواز میں کہا۔

ہریرہ کا دل بھی اپنے بھائی کے جانے سے بہت دکھی ہو رہا تھا لیکن وہ ممی کی وجہ سے ظاہر نہیں کر رہا تھا، جس دن ان لوگوں نے جانا تھا اتفاق سے اسی دن امامہ وغیرہ نے آنا تھا، لیکن اس نے ممی کو سرپرائز دینے کی وجہ سے بتایا نہیں اور بھائی بھابھی سے بھی ذکر نہیں کیا کہ نجانے امامہ کے آنے پر ان کا کیا ری ایکشن ہو، اس لئے وہ ابھی چپ ہی تھا، ممی عزیز بھائی وغیرہ کے جانے کا سن کر اب اکثر روتی پائی جاتی تھیں انہیں یہ دکھ بھی کھائے جا رہا تھا کہ اس بیماری کی حالت میں مجھے عزیز چھوڑ کر جا رہا ہے اور جب وہ یہاں آئے تو کیا پتہ میں یہاں ہوں یا نہ ہوں کم از کم میری زندگی میں تو میری نظروں سے دور نہ ہو، ہریرہ سے ممی کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔

''ممی اکثر لوگ بیرون ملک سیٹل ہوتے ہیں، اگر بھائی وہاں جا رہے ہیں تو کون سی انوکھی بات ہے اور پھر میں تو ہوں نا آپ کے پاس۔'' ہریرہ نے ممی کو تسلی دی حالانکہ اس کا اپنا دل بھی بہت اداس تھا۔

لیکن ممی کے رونے میں اور شدت آ گئی تو ان کی حالت دیکھ کر اس نے سوچا کہ ممی کو امامہ کے آنے کے بارے میں بتا دے تاکہ ان کا عزیز بھائی وغیرہ سے دھیان ہٹے۔

''ممی آپ کے لئے خوشخبری ہے، اگر آپ کی ایک بہو جا رہی ہے تو کیا ہوا دوسری آ بھی تو رہی ہے۔'' ہریرہ نے ان کے سوگوار چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کب آ رہی ہے میری امامہ؟'' انہوں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

''جس وقت عزیز بھائی وغیرہ روانہ ہونگے اسی وقت امامہ کو ہم ریسیو کریں گے، اب تو خوش ہیں نا آپ۔'' ہریرہ نے ان کے چہرے کی چمک جو کہ امامہ کا سن کر آئی تھی دیکھتے ہوئے کہا اور وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

☆☆☆

انہوں نے ہریرہ سے چھپا کر اپنے تئیں امامہ کے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں۔

وہ اس کا استقبال شاندار کرنا چاہ رہی تھیں آخر کار وہ دن بھی آن پہنچا جب عزیز بھائی وغیرہ کو رخصت ہونا تھا اور وہیں پر امامہ کو آنا تھا۔

عزیز بھائی وغیرہ ممی سے گلے مل کر رخصت ہوئے تو ممی کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو گیا عزیز بھائی بھی ممی کی اس حالت پر غمزدہ سے ہو گئے اور ان سے نظریں چرا کر گاڑی میں بیٹھ گئے، ہریرہ ہی انہیں چھوڑنے جا رہا تھا۔

''بیگم صاحبہ پھولوں کی پتیاں گجرے اور مٹھائیاں آ گئیں ہیں اور صدقے کے بکرے بھی آ گئے ہیں اور بیگم صاحبہ جی رشید کہہ رہا ہے کہ لائیٹس وغیرہ لگوا دیں۔'' ملازمہ نے آ کر کہا تو وہ چونکی۔

انہوں نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے اور

خود چل کر ساری تیاریاں دیکھیں رشید سے لائٹوں کے لئے کہا۔

''ساری کوٹھی کو دلہن کی طرح سجا دو، ہمارے پاس صرف دو گھنٹے ہیں۔'' انہوں نے تمام ملازمین کو اکٹھا کر کے انہیں چند ضروری ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

''جی بیگم صاحبہ! جو آپ کا حکم۔'' ملازمین نے نہایت ہی مسرور ہوتے ہوئے کہا۔

انہوں نے اپنے اور امامہ کی والدہ کے زیورات نکالے، انہوں نے امامہ کے آنے کا سن کر ہریرہ سے چھپ کر ڈرائیور کے ساتھ جا کر پالش کروا لئے تھے اور ان کی پیکنگ بھی کرائی تھی، یہ سب کچھ انہوں نے امامہ کو گفٹ کرنا تھا، جب ساری تیاری مکمل ہو گئی تو ان سے وقت کٹے نہیں کٹ رہا تھا۔

اور وہ سوچ رہی تھیں کہ اللہ کی شان ہے کہ ایک بیٹا دکھ دے کر گیا ہے اور دوسرا بیٹا میرے لئے خوشیوں کا باعث بن رہا ہے۔

انہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں کہ ملازم نے آ کر ہریرہ وغیرہ کے آنے کی اطلاع دی، وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ گیٹ تک آئیں ہریرہ باہر سے ہی کوٹھی کو دیکھ کر حیران رہ گیا، بابا کے نام کے بعد ''علی ولا'' کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی پوری کوٹھی بقعہ نور بنی ہوئی تھی، امامہ بھی یہ سج دھج دیکھ کر حیران رہ گئی، جیسے ہی وہ لوگ اندر داخل ہونے لگے، ممی نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے وہیں روک دیا اور صدقہ دیا پھر امامہ کے گلے لگ کر بے تحاشا روئیں اور امامہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی، ملازمین قطار بنا کر کھڑے تھے اور آنے والوں پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کر رہے تھے بہت ہی دلفریب منظر لگ رہا تھا۔

امامہ انہیں اپنے ساتھ لپٹائے ہوئے ہی اندر ہال میں آ گئی امامہ سے الگ ہو کر انہوں نے علی کو بانہوں میں بھر لیا اور خوب پیار کیا، ماسی سے بھی گلے لگ کر ملیں، یہ سارا منظر دیکھ کر ماسی بھی رو دیں اور ہریرہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

''امامہ میری بیٹی! مجھے معاف کر دینا، میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔'' انہوں نے امامہ کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں تائی امی! مجھے گناہ گار مت کریں اور آئندہ کبھی آپ یہ الفاظ نہیں کہیں گی۔'' امامہ نے ان کے ہاتھ کھولتے ہوئے تڑپ کر کہا اور ان سے لپٹ گئی۔

''میری بچی! تو واقعی بہت عظیم ہے۔'' انہوں نے روتے ہوئے امامہ سے کہا اور ان کے آنسو موتی کی طرح گرتے اس کے بالوں میں جذب ہونے لگے۔

''کیا سارا پیار بہو کے لئے ہے، میرے لئے بھی کچھ بچا کر رکھیں۔'' ہریرہ نے ماحول کو خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔

''میرا تو سارا پیار تم لوگوں کے لئے ہی ہے۔'' ممی نے ہریرہ کو بھی اپنے پاس بٹھا کر کہا، ہریرہ اور امامہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے، انہوں نے ملازمہ سے گفٹس لانے کے لئے کہا جو انہوں نے ان سب کے لئے خریدے تھے، امامہ کو انہوں نے اپنا اور اس کی مما کا تمام زیور دیا اور اپنے ہاتھ سے کنگن اتار کر اس کے ہاتھ میں پہنا دیے۔

امامہ نہ نہ کرتی رہ گئی لیکن انہوں نے اس کی ایک نہ سنی اور علی کو اپنی گود میں بٹھا کر پیار کر کے اسے بھی اس کے گفٹس دیے۔

مٹھائی کھلا کر ان سب کا منہ میٹھا کرایا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محبت صبر اور وفا

شائستہ ساجد

پوری کالونی میں مٹھائی تقسیم کی، تھوڑی دیر بعد کھانا لگا دیا بہت ساری ڈشز تھیں وہ بہت اصرار کر کے انہیں کھلا رہی تھیں، یہ سب دیکھ کر امامہ کی آنکھوں میں پھر سے آنسو آ گئے لیکن یہ آنسو خوشی کے آنسو تھے ماسی علی کو لے کر سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئیں، تمام ملازمین بھی کاموں سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کوارٹرز میں چلے گئے۔

رات کے تقریباً گیارہ بج چکے تھے، سردی بڑھتی جا رہی تھی، امامہ نے اچھی طرح سے گرم شال اپنے گرد لپیٹی ہوئی تھی۔

ہریرہ اور امامہ ممی کو اپنے ساتھ لگائے لگائے ان کے بیڈ روم میں لائے۔

''اب تم لوگ بھی اپنے کمرے میں جاؤ اور امامہ کو سفر کی وجہ سے تھکن ہو رہی ہو گی تم لوگ آرام کرو۔'' ممی نے تھوڑی دیر ان سے باتیں کرنے کے بعد کہا۔

''تائی امی مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی۔'' امامہ نے ہریرہ کی نظروں سے بچتے ہوئے کہا جو مسلسل اس کو دیکھے جا رہا تھا۔

''لیکن مجھے بہت نیند آ رہی ہے اور ہاں مجھے یاد آیا کہ ابھی ولیمے کی ڈیٹ بھی رکھنی ہے میرا خیال ہے کہ ایک ہفتہ بعد رکھ لیتے ہیں، خوب دھوم دھام سے ولیمہ ہو گا۔''

''لیکن ممی.....!'' ہریرہ نے کچھ کہنا چاہا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں بس جو میں نے کہہ دیا وہی ہو گا اب تم جاؤ۔'' انہوں نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

جونہی وہ دونوں اپنے بیڈ روم میں پہنچے پٹاخوں اور شور شرابے اور ڈھول بجنے کی آوازیں سنائی دی، آج دسمبر کی آخری رات تھی اور نیا سال شروع ہو گیا تھا۔

''نیا سال مبارک ہو۔'' یہ کہتے ہوئے ہریرہ نے امامہ کا نازک مرمریں ہاتھ کی انگلی میں ڈائمنڈ رنگ پہنائی اور اس کے ہاتھوں پر اپنے پیار کی مہر ثبت کی۔

''آپ کو بھی مبارک ہو۔'' امامہ نے اس کی والہانہ نظروں کی تپش سے بچنے کے لئے یہ کہتے ہوئے اس کے کشادہ سینے میں منہ چھپا لیا۔

ہریرہ ہولے ہولے اس کے کانوں میں شہد ٹپکانے لگا۔

سنو لوگو!

کہ اب کے سال سب کو ستاروں کی ضرورت ہے
بہاروں کی ضرورت ہے
ہم سب کو آپس کے سہاروں کی ضرورت ہے
چلو پھر آنے والی رتوں کا استقبال کرتے ہیں
محبت ہی محبت کاشت اب کے سال کرتے ہیں

اور وہ دونوں بے خود سے ہو کر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، ہریرہ اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور بیتے دنوں کی روداد اسے سناتے سناتے بہت عرصے بعد میٹھی اور پرسکون نیند سو گیا اس امید و یقین کے ساتھ کہ اب اللہ پاک ہمیں آئندہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ کرے گا۔

امامہ نے بہت احتیاط سے اس کا سر تکیے پر رکھا اور وضو کر کے اپنے پروردگار کے سامنے نئے سال کے خیر و عافیت سے گزرنے اور پیا ملن کے لئے شکرانے کے طور پر سجدہ ریز ہو گئی، اس کی اس ادا پر آسمان پر چمکتے ستاروں اور نئے سال کی ہواؤں نے بھی چپکے سے اس کی دائمی خوشیوں کی دعا کی کچھ دیر بعد ہر سو نیا سال کے پہلے سورج کی کرنیں دستک دینے لگی۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صحن میں ڈیلیا کے بڑے بڑے سرخ سفید اور کاسنی پھولوں کے بوجھ سے جھکی شاخیں بڑی خوبصورت لگ رہی تھیں، کمرے کی کھڑکی سے آنے والی مدھم روشنی میں چنبیلی کی سبز بیل میں سفید پھولوں کے بڑے بڑے گچھے لٹک رہے تھے، وہ چند لمحے صحن کے شفاف فرش پہ چنبیلی کے رقص کرتے سائے کو دیکھتی رہی، خوبصورت مہکتے صحن میں مکمل خاموشی تھی، وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی، اس کے قدموں میں لرزش تھی، کیونکہ آج اس نے وہ فیصلہ کیا تھا، جس کو کرتے ہوئے وہ انتہائی کرب سے گزری تھی، جانے کتنی ہی بار مری تھی، پھر جی اٹھی تھی، کمرے تک پہنچ کر اس نے گہری سانس لے کر خود کو نارمل کیا، کمرے کا دروازہ بند تھا، اس نے دھیرے سے دھکا دیا تو وہ کھل گیا، وہ بے آواز قدموں سے بیڈ کی طرف بڑھنے لگی، نائٹ بلب کی ملگجی سی روشنی میں یاسر کا چہرہ بھی زرد زرد لگ رہا تھا، یاسر اسے دیکھ کر مسکرایا تھا، پھر بولا۔

"آج کچن سمیٹتے سمیٹتے اتنی دیر کر دی۔" وہ چپ چاپ بیڈ کے کونے پہ بیٹھ کر پاؤں کے ناخن سے کارپٹ کو کریدنے لگ گئی۔

"صلہ وہاں کیوں بیٹھ گئی ادھر آؤ میرے پاس میں کب سے تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔" یاسر نے باقاعدہ ہاتھ بڑھا کر بہت پیار سے کہا۔

"یاسر! آپ دوسری شادی کر لیں۔"

"کیا؟" یاسر نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"آپ دوسری شادی کر لیں۔" صلہ نے اسی انداز میں بات دہرائی، یاسر اٹھا اور اس کے قریب آ کر نیچے کارپٹ پہ بیٹھ گیا اس کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر کہا۔

"صلہ تم ہوش میں تو ہو۔" اس نے خود کو چھڑوایا اور کھڑی ہو گئی منہ دوسری طرف پھیر کر بولی۔

"یاسر، اماں اور عاصمہ کی طرح میری بھی دلی خواہش ہے کہ اس گھر میں بچوں کی رونق ہو، دس سال ہو گئے ہمارا آنگن سونا ہے، بس اب آپ ہماری خواہش پوری کر دیں، کتنا اچھا لگے گا، چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے بچے ادھر ادھر شرارتیں کرتے بھاگتے پھرے گئیں، میں ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کر تھک جایا کرونگی اور..... اسٹاپ صلہ..... اسٹاپ....." یاسر اس کے سامنے آ کر بولا۔

"تم پاگل ہو گئی ہو، لیکن میں نہیں، اس لئے میں تم سے مزید بات کرنا نہیں چاہتا، چپ چاپ سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔"

"یاسر اس طرح مت کریں، اماں کی شدید خواہش ہے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی اولاد کو اپنی گود میں کھلائیں اور عاصمہ....."

"صلہ چپ ہو جاؤ۔" یاسر نے اسے ایک دفعہ پھر ٹوک دیا، صلہ خاموشی سے لب کاٹنے لگی، کچھ دیر خاموش رہی، پھر یاسر بہت نرمی سے بولا۔

"دیکھو صلہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا، میری قسمت میں اگر اولاد ہے تو خدا تم سے عطا کرے گا، دوسری شادی کے بارے میں، میں سوچ بھی نہیں سکتا، اس لئے یہ خیال دل سے نکال دو۔" پھر پیار سے اس کی گالوں کو چھو کر بولا۔

"صلہ نہ تم میرے بغیر رہ سکتی اور نہ میں تمہارے بغیر اس لئے تم اپنی محبت کو بانٹنے کا حوصلہ بھی نہیں رکھتی، بیکار کی کوششیں مت کرو، آؤ رات زیادہ ہو گئی ہے اب سو جاؤ۔" صلہ صرف گہری سانس لے کر رہ گئی۔

☆☆☆

"تم نے یاسر سے بات کی؟" یاسر کے آفس جاتے ہی اماں نے اس سے بہت تیز لہجے

میں پوچھا۔

"جی..... وہ..... کی تھی، لیکن وہ کسی صورت بھی نہیں مان رہے۔" صلہ نے دھیمی سی آواز میں کہا تو، کمرے سے نکلتی عاصمہ نے زور دار آواز میں کہا۔

"اماں جھوٹ بولتی ہیں یہ، انہوں نے بھائی سے بات ہی نہیں کی، یہ بھلا کیوں چاہیں گی کہ ان کی جگہ بھائی کسی اور کو دے دیں۔" صلہ کچھ نہ بولی، تو اماں شروع ہو گئی۔

"ارے میں تو شروع سے ہی نہیں چاہتی تھی کہ یہ میرے یاسر کی دولہن بنے، بس بیٹے کی ضد کے آگے ہار گئی تھی، لیکن اب میں کسی کی نہیں سنو گی، یاسر کی دوسری شادی کروا کر رہونگی، یہ منحوس تو اولاد دے نہ سکی، اب میں اپنے بیٹے کی نسل ختم ہوتے نہیں دیکھ سکتی، غضب خدا کا، کل کو کوئی ہمارا نام لینے والا نہ ہو یہ میں برداشت نہیں کر سکتی۔" عاصمہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی، صلہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ گئی اور روزمرہ کے کام نمٹانے لگ گئی اور خاموشی سے آنسو بھی بہاتی رہی۔

"یاسر میں تم سے کہہ دیتی ہوں اگر تم نے دوسری شادی سے انکار کیا تو میں صلہ کو چوٹی سے پکڑ کر اس گھر سے باہر کرونگی۔" رات کو یاسر کے آتے ہی اماں نے چیختے ہوئے کہا۔

کپ میں چائے ڈالتی صلہ کے ہاتھ کانپ گئے تھے، چائے چھلک کر باہر آ گئی تھی، یاسر نے کچھ دیر کو حیرانگی سے اماں کی طرف دیکھا، پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے اماں اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو میرا فیصلہ بھی سن لیں، صلہ کے ساتھ اس گھر سے میں بھی چلا جاؤں گا۔"

"یاسر تمہاری اس دھمکی سے ڈر کر میں نے صلہ کو بہو بنایا تھا لیکن اب میں ایسا نہیں کرونگی۔" اماں نے بھی فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اماں دس سال، دس سال صلہ نے آپ کی خدمت کی ہے، آپ کو یا عاصمہ کو اس نے گھر کا کوئی کام کرنے نہیں دیا، کبھی کوئی فرمائش نہیں کی اس نے، جو اسے لا کر دیا صبر شکر کر کے رکھ لیتی ہے، حالانکہ میں بینک میں اتنی اچھی پوسٹ پہ ہوں کہ ملازمہ بھی رکھ سکتا ہوں اور اپنی بیوی کی ہر فرمائش بھی پوری کر سکتا ہوں، لیکن اس نے آج تک کچھ کہا ہی نہیں، اماں صلہ کا صبر مت آزمائیں، مت آزمائیں۔" اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی، پھر وہ وہاں رکا نہیں۔

"یاسر جب مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تو آپ کیوں گھر میں اتنا ہنگامہ کر رہے ہیں۔" صلہ نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم پہ اماں کی طرف سے دباؤ ہے ورنہ کوئی بھی عورت اپنی مرضی سے سوتن لے کر نہیں آتی۔"

"فضول کی ضد چھوڑ دو، جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہو۔" یاسر نے نرمی سے اسے سمجھایا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتی، عاصمہ نے دروازہ ناک کر کے کہا کہ یاسر بھائی آپ کو اماں بلا رہی ہیں، یاسر اٹھنے لگے تو، صلہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"یہ روز روز کا جھگڑا آج ختم کر کے ہی آیئے گا اور یاد رکھیے گا، مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔" یاسر نے صرف سر ہلایا اور باہر چلے گئے۔

"جی اماں آپ نے مجھے بلایا تھا۔" یاسر نے بیڈ کی سامنے والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا، اماں نے عاصمہ کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا پھر یاسر کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"دیکھو یاسر میں نے آج تمہیں یہاں اس لئے بلایا ہے کہ تم سے فائنل بات کر سکوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کس سلسلے میں اماں؟" یاسر نے انجان بن کر پوچھا، تو وہ بولیں۔

"اتنے انجان مت بنو اور نہ ہی یہ سوچنا کہ میں بات کو بھول جاؤنگی، تم اچھی طرح جانتے ہو میں تمہاری دوسری شادی کی بات کر رہی ہوں، میرے ساتھ آج بات ختم کرو۔"

"اماں میرا پہلے بھی یہی جواب تھا اور آج بھی یہی ہے، میں دوسری شادی نہیں کرونگا۔" یاسر نے حتمی لہجے میں کہا تو اماں بڑے پرسکون لہجے میں بولیں۔

"ٹھیک ہے اگر تمہارا یہی فیصلہ ہے تو میرا فیصلہ بھی سن لو، میں اور عاصمہ کل ہی یہ گھر چھوڑ کر چلی جائیں گی، صلہ سے شادی پہ تو میں کسی نہ کسی طرح راضی ہو گئی تھی لیکن اب میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرونگی، اب تم صلہ کے ساتھ اس گھر میں رہنا، کیونکہ صلہ کو تم اس گھر سے جانے نہیں دو گے بس اب ماں اور بہن ہی جائیں گی۔" یاسر تڑپ اٹھا فوراً ان کے قریب بیٹھ کر بولا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں، آپ کہاں جائیں گی اور کیوں جائیں گی، یہ آپ کا گھر ہے۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولیں۔

"یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا گھر ہے، ہم ماں بیٹی کہیں نہ کہیں چلی ہی جائیں گی، لیکن یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"اماں مجھے مجبور مت کریں۔" یاسر بہت مشکل میں پھنس گیا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اماں ایسے بلیک میل کریں گی، پھر وہ کچھ وقت خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"ٹھیک ہے اماں مجھے سوچنے کا موقع دیں۔"

"نہیں آپ ابھی فیصلہ کریں ورنہ اماں اور عاصمہ کے ساتھ میں بھی اس گھر سے چلی جاؤنگی۔" صلہ جانے کب سے دروازے میں کھڑی تھی۔

"صلہ!" یاسر نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا، تو وہ ان کے قریب آ کر بولی۔

"جی میرا بھی آخری فیصلہ ہے۔"

"تو ٹھیک ہے تم سب جہاں مرضی جاؤ، میرا بھی آخری فیصلہ ہے میں دوسری شادی نہیں کرونگا۔" وہ غصے سے بھرا کمرے سے جانے لگا تو اماں کی گونجدار آواز آئی۔

"میں تمہیں اپنا دودھ نہیں بخشونگی۔" یاسر کو لگا اس کے پاؤں کسی زنجیر میں جکڑے گئے ہوں۔

☆☆☆

عائزہ اماں کی دور کی کزن کی بیٹی تھی، اماں کی کزن عائزہ کی شادی کے بارے میں بہت فکر مند تھیں، کیونکہ جب سے عائزہ کے والد کی ڈیتھ ہوئی تھی ان کے حالات بہت خراب تھے، عائزہ کے علاوہ ان کی اور کوئی اولاد نہیں تھی، سب رشتے دار منہ موڑ گئے تھے اس لئے جب اماں نے یاسر کے لئے بات کی تو انہوں نے ہاں کرنے میں دیر نہیں لگائی اس طرح بہت سادگی سے عائزہ دولہن بن کر ان کے گھر آ گئی، صلہ نے دولہن بنی عائزہ کو کمرے تک پہنچانے میں مدد کی، اسی کمرے میں جس میں کبھی وہ دولہن بن کر آئی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی کوئی اور اس کی محبت بانٹنے آ جائے گی، اماں کی ضد تھی کہ عائزہ اسی کمرے میں رہے گی جس میں پہلے صلہ رہ رہی تھی اور صلہ اپنے لئے کوئی اور کمرہ سیٹ کر لے گی، صلہ نے دبی دبی زبان میں احتجاج بھی کیا تھا لیکن اس کی کسی نے نہیں سنی، یاسر تو ویسے بھی چپ چپ تھے، وہ کچھ نہیں بولے، دولہن کو کمرے میں پہنچانے کے بعد وہ اوپر گیسٹ روم کے طور پر استعمال ہونے والے کمرے میں آ کر خوب روئی تھی، خدا سے شکوہ بھی کیا تھا کہ اگر مرا

کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہے تو پھر عورت کا دل اتنا وسیع کیوں نہیں کیا کہ وہ سوتن کا دکھ برداشت کر سکے، اس کا دل چاہا کہ وہ یہ گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلی جائے، لیکن وہ کہاں جاتی، ماں باپ کے بعد دونوں بھائی اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ خوش تھے، وہ ان کی پرسکون زندگی میں دخل دینا نہیں چاہتی تھی، اس رات وہ بہت روئی تھی، پھر صبح تک خود کو نارمل کر کے وہ کچن میں آ کر ناشتہ بنانے لگ گئی، چہرے پہ مسکراہٹ سجا کر وہ یاسر اور عائزہ کے لئے ناشتہ لے گئی، عائزہ بیڈ پر بیٹھی تھی، جبکہ یاسر کمرے میں نہیں تھے، شاید واش روم میں تھے۔

"کیسی ہو عائزہ؟" صلہ نے ناشتے کی ٹرے بیڈ پہ رکھتے ہوئے پوچھا، عائزہ کچھ نہ بولی، تو صلہ نے پوچھا۔

"یاسر کہاں ہیں؟"

"مجھے کیا پتہ۔" وہ ذرا روکھے لہجے میں بولی، صلہ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا پھر بولی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ رات کمرے میں نہیں آئے۔" عائزہ نے اسی لہجے میں کہا۔

صلہ فوراً باہر آئی، اماں اور عاصمہ تو ابھی تک سو رہی تھیں، وہ بھی اس کی طرح بے خبر تھیں، صلہ کی سمجھ میں نہیں آیا انہیں کہاں ڈھونڈے، پھر ایکدم اسے خیال آیا، اسٹور کے ساتھ بنی چھوٹی سی لائبریری کی طرف بھاگی، یاسر رات سونے سے پہلے کچھ وقت وہاں گزارتے تھے، یاسر ٹیبل پہ سر رکھ کر سو رہا تھا، صلہ کو وہ اس وقت معصوم بچے کی طرح لگا، وہ اس کے قریب آ گئی، آہٹ پا کر یاسر جاگ گیا، مسکرا کر صلہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں تمہاری جگہ کسی کو نہیں دے سکتا، میں نے تم سب کی ضد پہ شادی تو کر لی، لیکن اسے میں تمہاری جگہ نہیں دے سکتا۔"

"آپ سے کس نے کہا کہ اسے میری جگہ دیں، لیکن وہ آپ کی بیوی ہے، اس کا آپ پہ حق ہے، اس سارے معاملے میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے، اسے کس بات کی سزا دے رہے ہیں۔" صلہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"تم خود کو کس بات کی سزا دے رہی ہو۔" یاسر کے سوال پہ صلہ کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی، لیکن اس نے فوراً خود کو سنبھالا اور اس کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔

"جلدی چلیں آپ کی دولہن آپ کا انتظار کر رہی ہے۔" وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔

☆☆☆

یاسر بات کو سمجھ کر بھی عائزہ کو اس کا حق نہ دے سکا، صلہ اور اماں اسے جتنا بھی سمجھاتیں وہ خاموش رہتا، آفس سے واپس آ کر اسٹڈی روم میں بیٹھ جاتا اور وہیں سو جاتا، جبکہ کچھ ہی دنوں بعد عائزہ نے اپنا رنگ روپ دکھانا شروع کر دیا، وہ بہت منہ پھٹ بدلحاظ اور بدتمیز تھی، صلہ اور عاصمہ کو کچھ نہ کچھ کہتی رہتی تھی، حتیٰ کہ اماں کو بھی نہیں بخشتی تھی، صلہ یہ دیکھ کر حیران ہوتی تھی کہ وہ اماں کے آگے سے کچھ نہیں بولتی اور یاسر تو ویسے ہی خاموش تھے سب کچھ دیکھ کر بھی ایسے ہو جاتے جیسے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

"اماں میں آفس کے کام سے کچھ دنوں کے لئے اسلام آباد جا رہا ہوں، کنفرم تو نہیں لیکن ایک ہفتہ لگ سکتا ہے اس سے زیادہ دن بھی ہو سکتے ہیں آپ کو یا کسی کو کچھ چاہیے تو مجھے بتا دیں۔" اماں نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور بولیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''عائزہ کو ساتھ لے جاؤ، شادی کے بعد تم اسے کہیں بھی نہیں لے کر گئے اس کے بھی کچھ ارمان ہونگے۔''

''اماں اپنے بیٹے کے ارمانوں کا خون کر کے دوسروں کا خیال کر رہی ہیں وہ کہنا چاہتا تھا لیکن خاموش رہا۔'' پھر بولا۔

''نہیں اماں آفیشل کام ہے میں اسے نہیں لے جا سکتا۔'' صلہ چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے بولی۔

''اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ عائزہ کو لے جائیں، رہنا تو آپ نے ہوٹل میں ہے نا تو عائزہ بھی آپ کے ساتھ رہ لے گی، جب آپ فری ہو گئے تو مزید ایک ہفتہ لگا کر اسے گھما پھرا لیجئے گا۔'' یاسر خاموشی سے چائے پیتا رہا، اماں اور صلہ بھی خاموش رہیں پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''عائزہ کو کہنا پیکنگ کر لے کل صبح ہی نکلنا ہے۔'' اماں نے سکھ کا سانس لیا۔

☆☆☆

دس دن بعد عائزہ اور یاسر واپس آئے تو اماں نے ان کے چہرے پہ جو کچھ دیکھنا چاہا وہ نہ دیکھ کر کافی مایوس ہوئیں، لیکن کچھ ہی دنوں بعد جب یہ پتہ چلا کہ عائزہ امید سے ہے تو وہ مطمئن ہونے کے ساتھ ساتھ بہت خوش بھی ہوئیں، عاصمہ اور صلہ بھی خوش تھیں، لیکن عائزہ مزید بد لحاظ ہو گئی تھی۔

''چکن کی خوشبو میرا دل خراب کرتی ہے میں نے کتنی دفعہ منع کیا ہے یہ مت بنایا کریں۔'' عائزہ نے کافی اونچی آواز میں صلہ کے سر پہ کھڑے ہو کر کہا، چمچ ہلاتی صلہ نے سالن کو ڈھکا اور عائزہ کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بولی۔

''میں تمہارے لئے کچھ اور بنا دونگی، تم اتنی اچھی بن کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو، ہاں۔'' عائزہ نے کڑے تیوروں سے پوچھا، صلہ اس کے قریب آ کر بولی۔

''میں کچھ ثابت کرنا نہیں چاہ رہی، لیکن تمہیں یہ ضرور بتانا چاہتی ہوں کہ اس گھر میں تمہاری وہی حیثیت ہے جو میری ہے، وہی فرائض تمہارے ہیں جو میرے ہیں، میں تم سے یہ نہیں کہتی کہ تم اس گھر کی ذمہ داری اٹھا لو، صرف اتنا کہونگی کہ سب گھر والوں کے ساتھ پیار سے بات کر لیا کرو اور کچھ نہیں۔''

''اونہہ۔'' عائزہ نے منہ بنایا، پھر بولی۔

''میں جانتی ہوں تم سب لوگ مجھے کتنا چاہتے ہو، سب ڈرامے بازی ہے، سب کو بچہ چاہیے تھا، بچے کے لئے مجھے اس گھر میں لایا گیا، یاسر، جو شوہر ہے میرا، وہ صرف تم سے محبت کرتا ہے، جب وہ سوتا ہے تو اس کے لبوں پہ تمہارا نام ہوتا ہے، وہ میرے وجود میں تمہیں ڈھونڈتا ہے، لیکن میرا نام بھی عائزہ ہے، میں اپنی کھوئی ہوئی خوشیاں ضرور حاصل کرونگی۔'' پھر وہ وہاں رکی نہیں، صلہ کو اس کی بات سمجھ نہیں آئی وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر سر جھٹک کر کھانا بنانے میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

یاسر آفس کے کسی کام سے دوبارہ اسلام آباد گیا تھا، وہ ایک ہفتے بعد واپس آیا تو سب کے لئے گفٹ لایا تھے، کھلے صحن میں سب بیٹھے تھے، خلاف توقع عائزہ بھی ان کے ساتھ پرسکون حالت میں بیٹھی تھی، یاسر نے اماں اور عاصمہ کو سوٹ دینے کے بعد صلہ کو پنک کلر کا ایمبرائڈی سوٹ دینا چاہا تو عائزہ نے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا اور بولی۔

''اتنا خوبصورت سوٹ مجھے یہ کلر بہت پسند ہے۔'' یاسر بولا۔

''یہ صلہ کے لئے ہے، تمہارے لئے اور ہے۔'' عائزہ نے اپنے سوٹ والا شاپر بھی اٹھا لیا

اور وہاں سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''تو کیا ہوا، میں دونوں ہی رکھ لیتی ہوں۔''

''عائزہ!'' یاسر اس کے پیچھے جانے لگا تو صلہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا اور بولی۔

''یاسر جب تمہاری محبت میں نے ہنسی خوشی بانٹ لی تو ان بے جان چیزوں میں کیا رکھا ہے، آپ عائزہ کو کچھ نہیں کہیں گے۔'' سب نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں نمی ہے لیکن وہ کمال مہارت سے چھپاتے ہوئے بولی۔

''لو میں بھول ہی گئی، چائے دم پہ رکھ کر آئی تھی، ابھی سب کے لئے لاتی ہوں۔'' اس کے جانے کے بعد یاسر نے اماں کی طرف شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا، تو اماں کے ساتھ ساتھ عاصمہ بھی نظریں چرا گئی۔

☆☆☆

''تمہیں پتہ ہے نہ کہ یہ میرے سونے کا ٹائم ہے پھر بھی تم نے ٹیپ ریکارڈ اتنی اونچی آواز میں لگایا۔'' عائزہ کی گرجتی ہوئی آواز پہ عاصمہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی، جلدی سے ریکارڈر آف کر کے بولی۔

''وہ..... بھابھی..... کیا بھابھی..... ہاں..... تمہیں..... ذرا بھی عقل نہیں ہے کہ کس وقت کیا کرنا ہے، سارا دن فارغ پڑی رہتی ہو، ٹھونس ٹھونس کر کھانا کھا لیا، پھر یا تو ٹی وی دیکھ لیا، یا پھر یہ فضول ریکارڈر سنتی رہتی ہو، جینا حرام کر کے رکھ دیا ہے تم سب نے میرا۔'' شور سن کر اماں اور صلہ بھاگتی ہوئی آئیں تھی۔

''کیا ہوا بیٹی؟'' اماں نے آنسو صاف کرتی عاصمہ سے پوچھا تو عائزہ بولی۔

''اپنی بیٹی ہے نا، اس لئے اس سے پوچھو گی کہ کیا ہوا ہے۔'' اماں کو غصہ تو بہت آیا لیکن وہ عائزہ کی حالت کے پیش نظر برداشت کرتے ہوئے بولیں۔

''عائزہ بیٹی، عاصمہ تو پرایا دھن ہے اس نے تو ایک دن اس گھر سے رخصت ہو جانا ہے، میری بیٹیاں تو، تم اور صلہ ہو اور.....''

''بس اماں، بس۔'' عائزہ بات کاٹ کر بولی۔

''اگر صلہ کو تم بیٹی سمجھتی نا، تو اس پہ سوتن نہ ڈالتی۔'' پھر وہ پیر پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی، اماں سر جھکا کر کھڑی تھی، صلہ ان کے قریب آ کر بولی۔

''اماں آپ کوئی بھی بات دل پہ مت لیں عائزہ کی تو عادت ہے۔'' اماں نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا پھر بولیں۔

''یاسر ٹھیک کہتا تھا صلہ جیسی بیٹی بہو، مجھے کبھی نہ ملتی، بیٹی میں تم سے شرمندہ ہوں۔'' صلہ نے ان کے ہاتھ پیار سے تھامے اور بولی۔

''بیٹیاں ماں کی باتوں کا برا نہیں مانتیں اور نہ ہی مائیں بیٹوں کے آگے سر جھکاتی ہیں۔'' پھر عاصمہ کے قریب جا کر بولی۔

''اماں ہماری عاصمہ اب بڑی ہو گئی ہے پھر اس کی تعلیم بھی مکمل ہو گئی، تو یہ اس گھر میں رہ کر بھابھی کی باتیں کیوں سنے ہمیں اس کی شادی کے لئے اب سوچنا چاہیے۔'' اماں نے آگے بڑھ کر صلہ کو گلے سے لگایا اور بولی۔

''تم واقعی میری بیٹی ہو۔'' عاصمہ کی آنکھوں میں مزید آنسو آ گئے، جبکہ دروازے میں کھڑا یاسر سب کچھ سن اور دیکھ کر بھی وہاں سے ایسے ہٹ گیا، اس کے دل میں درد کی لہر سی اٹھی تھی، اس نے ماں کی جذباتی بلیک میلنگ اور صلہ کی فضول کی ضد میں آ کر زیادتی کی تھی، لیکن وہ اب کر بھی کیا سکتا تھا اس لئے خاموشی سے اپنے روم میں چلا گیا۔

عاصمہ کے لئے اچھے رشتے تو آ رہے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان میں سے انہیں اور یاسر کو جو زیادہ اچھا لگا اسے۔ انہوں نے فوراً قبول کر لیا، لڑکے والوں کو بھی جلدی تھی، اس لئے جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا، اماں خاصی پرسکون ہو گئی تھی، پھر عائزہ کے دن بھی قریب آئے تو اس کی اماں اسے اپنے گھر لے گئیں، جبکہ صلہ، یاسر اور ایاں نے کافی روکا تھا، لیکن عائزہ خود جانا چاہ رہی تھی، اس لئے وہ خاموش ہو گئے، عائزہ کے جانے کے بعد صلہ نے غیر ارادی طور پر ہی گھر میں سکون سا محسوس کیا اور انجانی سی خوشی بھی محسوس کر رہی تھی، کیونکہ عائزہ کے ہوتے ہوئے وہ یاسر سے نہ تو ٹھیک سے مل پاتی تھی اور: کوئی بات کرتی تھی وہ جب بھی صلہ کے پاس آتا، عائزہ کوئی نہ کوئی ایسا ہنگامہ کھڑا کرتی کہ یاسر کئی کئی روز اس کے کمرے میں نہ آتا، اب وہ آزادی محسوس کر رہی تھی، وہ یاسر سے شکوہ بھی نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ جو ہوا اس میں اس کی رضا مندی بھی شامل تھی، چاہے وہ اماں کے دباؤ کی وجہ سے ہی تھی، وہ صحن میں بچھی چارپائی پہ بیٹھی ان سوچوں میں گم تھی جب یاسر اس کے کان میں سرگوشی کرنے والے انداز میں بولا۔

"آئی لو یو۔" صلہ ایکدم چونکی، نم آنکھوں سے یاسر کی طرف دیکھا وہ کتنے عرصے بعد اپنی پرانی ٹون میں واپس آیا تھا، یاسر اس کے قریب بیٹھ گیا اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تم نے اپنے ساتھ تو زیادتی کی ہے ساتھ مجھے بھی نہیں بخشا، میں تو تم سے بہت پیار کرتا ہوں، پھر تم نے مجھے کس بات کی سزا دی، صلہ بولو، کس جرم کی سزا پا رہا ہوں میں، ہر وقت تمہاری خوشبو مجھے اپنے حصار میں لیے رکھتی ہے، وہ سکون جو تمہاری پاس مجھے ملتا ہے، اس سکون کے لئے ترس گیا ہوں میں، اگر عائزہ کو اس کا حق نہیں دیتا تو گناہ گار ہوتا ہوں کیونکہ وہ میرے نکاح میں ہے، تمہیں تمہارا حق نہیں مل رہا تو بھی گناہ گار ہوں، کیونکہ تم تو پچھلے دس سالوں سے میرے نکاح میں ہو، صلہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

صلہ نے اپنے ہاتھوں پہ نمی محسوس کی، پھر یاسر کی آنکھوں میں جھانکا تو اس کا دل لرز گیا، وہ رو رہا تھا۔

"یاسر! آپ کی آنکھوں میں آنسو۔" اس نے تڑپ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں لے لیا، یاسر بھیگی بھیگی آواز میں بولا۔

"آج تم بھی رو لو، اتنے دنوں سے جو تمہارے اندر دکھ کا غبار چھپا ہے نا اسے دھو ڈالو، صلہ آؤ مل کر دل کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔" اور صلہ خود پہ قابو نہ رکھ سکی اس کے کندھے پہ سر رکھ کر بچوں کی طرح رو دی تھی۔

☆☆☆

عاصمہ بہت دنوں بعد رہنے کے لئے آئی تھی، اس کے خوشی سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر اماں نے سکون کی سانس لی تھی، صلہ کچن میں کھانے پینے کا اہتمام کر رہی تھی، جب عاصمہ اس کے قریب آ کر بولی۔

"بھابھی لائیں میں کچھ ہیلپ کر دوں۔"

صلہ نے اس کے ہاتھ سے چھری پکڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں تم اماں کے پاس جا کر بیٹھو، صرف سلاد رہ گیا ہے میں بنا لیتی ہوں۔" وہ سلاد بنانے لگی تو عاصمہ بولی۔

"عائزہ بھابھی کیسی ہیں؟" تو وہ بولی۔

"ڈاکٹر نے آج کل کی ڈیٹ دی ہوئی ہے، اللہ خیر خیریت کا وقت لائے، عائزہ اور بچہ تندرست ہوں۔" عاصمہ نے ان کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا، جہاں ہمیشہ کی طرح سکون تھا اور عائزہ کے لئے دعا کرتے ہوئے ان کے لہجے میں ڈھیروں خلوص تھا، وہ بولی۔

"بھابھی! میں نے آپ کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا میں بہت دنوں سے کوشش کر رہی ہوں کہ آپ سے معافی مانگ لوں۔"

"ارے....." صلہ نے چھری اور پلیٹ ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

"پاگل نہ ہو تو، تم میری چھوٹی بہن ہو اور ایسی کون سی بہن ہے جن میں لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا تم صرف اپنے شوہر اور گھر پہ توجہ دو اور کچھ مت سوچو۔"

"لیکن بھابھی!"

"بس..... چپ..... یاسر آنے والے ہیں چلو باہر میں کھانا لگاتی ہوں، بلکہ تم کہہ رہی تھی نا کہ میری ہیلپ کرنا چاہ رہی ہو تو کھانا لگوانے میں ہیلپ کرو۔" عاصمہ نے دل میں اپنی پرخلوص بھابھی کے لئے ڈھیروں دعائیں دے ڈالی تھیں۔

"اماں صلہ..... عاصمہ..... ارے کہاں ہو سب۔" یاسر خوش سے دمکتے چہرے کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا، وہ تینوں ایک ساتھ باہر آ گئیں۔

"کیا ہوا بیٹا؟" وہ اماں کے قریب آ کر بولا۔

"اماں عائزہ کا فون آیا تھا، خدا نے آپ کو ایک ساتھ پوتے اور پوتی کی خوشی دی ہے۔"

"کیا جڑواں بچے۔" صاعمہ تو خوشی سے اچھل پڑی تھی، جبکہ صلہ نے خوشی اور فکرمند لہجے میں پوچھا۔

"عائزہ کیسی ہے؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔" پھر وہ بولا۔

"میں مٹھائی لے کر آتا ہوں۔"

"ارے رکو۔" اماں نے اسے روکا اور بولی۔

"ارے ہم تینوں کو عائزہ کے پاس لے جاؤ۔" اس بات سے یاسر کا رنگ ایک دم فق ہو گیا تھا، کیونکہ عائزہ نے کہا تھا وہ بچوں کو دیکھنے اکیلا ہی آئے کوئی اور آیا تو وہ بچے دیکھنے نہیں دے گی، اب عائزہ نے ایسا کیوں کہا، یہ بات تو اس سے مل کر ہی پتہ چلتی، لیکن فی الحال یاسر ان سب کو یہ بات بتا کر پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے جلدی سے بولا۔

"میں پہلے مٹھائی تو لے آؤں، خالی ہاتھ تو ہم سب نہیں جائیں گے نا، ہاں یہ ٹھیک ہے۔" اماں کے ساتھ ساتھ عاصمہ اور صلہ نے بھی اتفاق کیا۔

☆☆☆

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی، یاسر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا، اماں اور عاصمہ تو سو گئی تھیں جانتی تھیں یاسر اکیلا ہی چلا گیا ہو گا، پھر عائزہ کے رویے کے بارے میں بھی جانتی تھیں، لیکن صلہ کو ایک پل بھی سکون نہیں تھا، دل میں عجیب عجیب سے واہمے آ رہے تھے، یاسر کا نمبر بہت دفعہ ٹرائی کیا، وہ کال کاٹ دیتا تھا یا پھر نمبر ہی آف کر دیا تھا، وہ کمرے میں ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی، جب دروازے پہ بیل ہوئی تو وہ بھاگ کر دروازے تک گئی، یاسر تھکے تھکے قدموں سے اندر آیا، کمرے میں آ کر ڈھے جانے والے انداز میں گر گیا۔

"کھانا گرم کروں آپ کے لئے۔" یاسر نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا، پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے قریب بلایا، پھر خود ہی اٹھ کر بیٹھ گیا، صلہ کے ہاتھ تھام کر بولا۔

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری زندگی میں کبھی کوئی ایسا موڑ آ جائے گا کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی میں خود کو تہی دامن محسوس کرونگا۔" صلہ نے یاسر کی آنکھوں میں شدید کرب دیکھا اور تڑپ کر بولی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ، آج تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے لئے خوشی کا دن ہے، ایسی خوشی جس کے بارے میں ہم ناامید ہو چکے تھے بہت ساری خوشیاں بھی کبھی اپنے پیچھے غم کا طوفان لئے ہوتی ہیں۔'' یاسر نے اسی لہجے میں کہا، صلہ ناسمجھی والے انداز میں بولی۔

''آپ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں، مجھے صاف صاف بتائیں، عائزہ اور بچے تو ٹھیک ہیں نا۔'' یاسر نے ہاں میں ایسے جواب دیا جیسے وہ دور کہیں خیالوں میں گم ہو، صلہ اٹھ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور بولی۔

''مجھے مزید پریشان مت کریں اصل بات بتائیں آخر ہوا کیا ہے۔'' یاسر کچھ نہ بولا، صلہ کی طرف خاموشی سے دیکھتا رہا، صلہ بولی۔

''میں سمجھ گئی، عائزہ نے ضرور علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کی ہوگی اور آپ پریشان ہو گئے، اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، ایسی ڈیمانڈز اس کا حق ہے آپ اسے علیحدہ گھر لے دیں، ہم اس کے کسی بھی کام میں مداخلت نہیں کریں گی، مجھے یقین ہے اماں بھی کچھ نہیں بولیں گی، اگر انہیں اعتراض ہوا تو میں سمجھا دونگی اور جہاں تک بچوں کی بات ہے وہ آپ ہم سے ملوانے لے آیا کیجئے گا، بس اتنی سی بات تھی، آپ ایسے ہی پریشان ہو رہے ہیں۔'' صلہ خاموش ہوئی تو یاسر نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کو بہت غور سے دیکھا اور بولا۔

''صلہ بات یہیں تک ہوتی تو میں بھی مینج کر لیتا، لیکن.....''

''لیکن کیا۔'' صلہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''عائزہ کی ڈیمانڈ ہے کہ وہ اس وقت تک اس گھر میں قدم نہیں رکھے گی جب تک میں تمہیں طلاق نہیں دے دیتا۔'' یاسر کی بات پہ صلہ ایسے اچھلی جیسے کرنٹ لگ گیا ہو، یاسر نے بات جاری رکھی اور بولا۔

''اور تب تک وہ کسی کو اپنے بچے بھی نہیں دکھائے گی، مجھے اس نے بچوں کی صرف ایک جھلک دکھائی، میں تڑپ اٹھا، لیکن اس نے مجھے گود میں اٹھانے نہیں دیے اور نہ پیار کرنے دیا، صلہ میں نے ایک جھلک ہی دیکھی، لیکن بیٹی بالکل تمہارے جیسی ہے، عائزہ کی بیٹی تو لگتی ہی نہیں اور بیٹا ایسا لگا جسے میں اپنا بچپن دیکھ رہا ہوں، صلہ تم نے میری تصویریں دیکھی ہے نا بچپن کی بس بیٹا بالکل ویسا ہے۔'' یاسر اور بھی کچھ بولتا رہا لیکن صلہ کا وجود تو زلزلوں کی زد میں تھا، اسے لگا چاروں طرف سناٹا ہی سناٹا ہے، پھر اسے یاسر بھی خاموش دکھائی دینے لگا۔

اماں اور عاصمہ نے جب سنا تو انہیں بھی خاموشی کا ہی دورہ پڑا تھا، گھر میں سناٹا تھا، گھر کا ہر فرد ایک دوسرے سے ہی نظریں چراتا پھر رہا تھا، صلہ چپ چاپ گھر میں ادھر ادھر پھرتی رہتی، جیسے وہ کچھ دنوں کی مہمان ہے، وہ اپنے بیڈ روم میں آ کر ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھ رہی تھی، جہاں اس نے یاسر کے ساتھ دس سال گزارے تھے، ایک ایک لمحہ انہوں نے ایسے گزارا تھا جیسے آج ہی شادی کا پہلا دن ہو، وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کبھی زندگی میں ایسا موڑ بھی آ جائے گا، دیوار پہ لگی تصویر جس میں وہ دلہن بنی تھی اور یاسر بہت پیار سے اسے دیکھ رہا تھا، وہ اس کے قریب آ کر ٹھہر گئی، عائزہ نے بہت شور مچایا تھا کہ یہ تصویر یہاں سے ہٹا دی جائے، لیکن یاسر نے نہیں اتارنے دی، صلہ نے یاسر کی تصویر پہ بہت پیار سے ہاتھ پھیرا، اس کا دل کیا، وہ رو رو کر یاسر کو کہے کہ مجھے طلاق مت دینا میں ایک کونے میں پڑی رہونگی، لیکن اپنا نام مت چھیننا، پھر ایکدم اسے یاسر کا وہ کھلا کھلا سا چہرہ یاد آ گیا، جو بچوں کی پیدائش پہ اس نے دیکھا تھا، وہ تڑپ گی آ گئی جب وہ اپنے بچوں کا ذکر کر رہا تھا تو اس کے لہجے

میں تھی، نہیں نہیں میں یاسر کو نہیں روکونگی، اسے اس کے بچوں سے دور نہیں کرونگی، میں یاسر سے کہونگی وہ مجھے طلاق دے کر اس گھر میں اپنے بچوں کو لے آئے، اچانک اس نے اپنے کندھے پر کسی کا دباؤ محسوس کیا، مڑ کر دیکھا تو یاسر آنکھوں میں نمی لیے کھڑا تھا، صلہ بے اختیار ہی اس کے سینے سے لگ گئی تھی، وہ بولا۔

''صلہ تمہیں اپنے یاسر پہ اعتبار نہیں ہے کیا، تم کیا سمجھتی ہوں میں تمہیں چھوڑ دونگا، نہیں کبھی نہیں صلہ میں نے مجبور ہو کر دوسری شادی کا فیصلہ تو کر لیا لیکن اب کسی بھی مجبوری یا دباؤ کے تحت تمہیں نہیں چھوڑونگا۔'' صلہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''بچے۔'' یاسر بولا۔

''بچے تو میرے ہی رہیں گے، چاہے میں عائزہ کو چھوڑ دوں۔''

''نہیں یاسر آپ ایسا کچھ نہیں کرینگے۔'' صلہ نے گھبرا کر کہا، تو وہ بولا۔

''میں نے طلاق کے پیپرز تیار کروا لئے ہے، عائزہ کو طلاق آج ہی مل جائے گی، پھر میں بچوں کے لئے کیس کر دونگا، مجھے میرے بچوں سے ملنے کے لئے کوئی نہیں روک سکتا، پھر جب وہ بڑے ہو جائیں گے تو ہمارے پاس آ جائیں گے۔''

''یاسر آپ ایسا کچھ نہیں کرینگے، عائزہ آپ کی بیوی ہے اور آپ کے بچوں کی ماں ہے، پھر وہ بھی ایک عورت ہے۔'' یاسر نے صلہ کو خود سے دور کیا آرام سے بیٹھتے ہوئے بولا۔

''میں عائزہ کو طلاق دینا نہیں چاہتا تھا میرا ارادہ تھا اسے آرام سے پیار سے سمجھاؤنگا، علیحدہ گھر لے دونگا اور جو کچھ بھی کہے میں کرونگا، لیکن وہ میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی خام خواہ بہانے بنا رہی ہے، مجھے کہتی کہ اگر میں صلہ کو طلاق نہیں دینا چاہتا تو وہ اسے دے دوں، میں نے بہت سمجھایا اسے، لیکن وہ کہتی ہے کہ وہ خلع کا کیس کر دے گی، صلہ تب میں نے بہت غور کیا اور میں اس نتیجے پہ پہنچا کہ وہ میرے ساتھ شادی پہ خوش ہی نہیں تھی، اب اس کے پیچھے کیا وجہ ہے یہ میں نہیں جانتا، لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ آج اسے طلاق مل جائے گی۔'' صلہ اس کے قریب ہی بیٹھ کر بولی۔

''یہ سب ٹھیک نہیں ہے، آپ غلط کر رہے ہیں، پہلے جو تم نے اور اماں نے کروایا وہ ٹھیک تھا کیا۔'' یاسر کا لہجہ سخت تھا، اس لئے صلہ مزید کچھ نہ بول سکی، یاسر آنکھوں پہ بازو رکھ کر لیٹ گیا، صلہ کچھ سوچتے ہوئے باہر آ گئی۔

یاسر کے سونے کے بعد صلہ اماں کو بتا کر عائزہ کے گھر چل دی، اس کی اماں اتنے اخلاق سے ملی کہ صلہ کو گمان ہونے لگا کہ یہ عائزہ کی سگی ماں نہیں ہو سکتی، سلام دعا کے بعد صلہ نے عائزہ کا پوچھا تو وہ بولیں۔

''رات بھر بچے جگائے رکھتے ہیں اسے، ابھی وہ بچوں کے ساتھ ہی سو رہی ہے، میں اٹھاتی ہوں۔'' وہ اٹھنے لگیں تو صلہ نے منع کر دیا، اتنے میں عائزہ خود ہی آ گئی۔

''کون آیا ہے اماں۔'' ہاتھ سے جمائی روکتے ہوئے وہ صلہ کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی، پھر ایکدم اس کا موڈ بدل گیا، غصے سے بولی۔

''اماں میں نے منع کیا تھا آپ کو یاسر کے گھر سے کوئی بھی آئے، انہیں گھر مت گھسنے دینا، پھر یہ کس طرح آ گئی۔'' صلہ آگے بڑھ کر بولی۔

''عائزہ میں تم سے ملنے آئی ہوں ایک دفعہ سکون سے بیٹھ کر میری بات سن لو۔''

''میں نے کسی کی کوئی بات نہیں سننی، میں نے جو کہہ دیا بس وہ کافی ہے۔'' عائزہ پھر اس لہجے میں بولی، صلہ نرمی سے بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"عائزہ میں نہیں چاہتی کہ ہم میں سے کسی کا بھی گھر ٹوٹے۔"

"بس کرو صلہ بی بی، یہ تمہارا بڑا پن یاسر یا اس کے گھر والے دیکھتے ہونگے، مجھے کچھ نہیں سننا۔"

"عائزہ بیٹی وہ بڑی ہیں تم سے ایک دفعہ ان کی بات تو سن لو۔" اس کی اماں نے بھی سمجھانے والے انداز میں کہا، لیکن عائزہ نے نہ کچھ سننا تھا اور نہ ہی سنا، کھٹ سے اپنے کمرے کا دروازہ بند کرلیا، عائزہ کی اماں صلہ کے قریب آکر بولیں۔

"یہ تو میری نہیں سنتی تو تمہاری کہاں سنے گی۔" صلہ نے محسوس کیا ان کی آنکھیں بھیگ گئی ہیں، صلہ مزید رک نہیں سکتی تھی، اگر یاسر کو پتہ چلتا تو برا مان جاتے اس لئے اس کی اماں کو یہ بات کہہ کر چل دی کہ خدا سب ٹھیک کرے گا۔

☆☆☆

"چائے۔" صلہ کے کہنے پہ یاسر خیالوں سے باہر آگیا، مسکرا کر چائے کا کپ پکڑا، صحن میں ڈالی کرسیوں پہ یاسر کے سامنے والی کرسی وہ خود بھی بیٹھ گئی اور بولی۔

"عائزہ کو طلاق دے کر آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

"پلیز صلہ..... میں تمہیں کتنی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ اس گھر میں عائزہ کا ذکر مت کرو بھول جاؤ کہ عائزہ نام کی لڑکی ہمارا سکھ چین برباد کرنے کے لئے آئی تھی، وہ لڑکی یہاں رہنا ہی نہیں چاہتی تھی اسی لئے ایسی حرکتیں کرتی تھی کہ میں اسے چھوڑ دوں، خیر میں بھی اسے بھول جانا چاہتا ہوں، لیکن بچوں سے ملنے کے لئے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا، اب میں تم اماں اور عاصمہ ایک ساتھ بچوں سے ملنے جائیں گے، تم لوگوں نے تو انہیں دیکھا ہی نہیں ہے، بہت پیارے بچے ہیں، میرا ارادہ ہے کہ چائلڈ کسٹڈی کا کیس کر دوں تو شاید بچے ہمارے پاس آجائیں۔"

"یاسر وہ ابھی بہت چھوٹے ہیں۔" صلہ نے چائے کا سپ بھرتے ہوئے کہا۔

"ہاں جانتا ہوں کچھ بڑے ہو جائیں تو ہی کیس کرونگا، عائزہ کی اماں بہت اچھی ہیں، لگتا ہی نہیں عائزہ ان کی بیٹی ہے، مجھے کہہ رہی تھیں کہ بچوں کو سب سے ملوانے گھر لے جاؤں، لیکن وہ بہت چھوٹے ہیں اس لئے میں نے کہا کہ میں سب کو یہاں لے آؤنگا۔" صلہ بولی۔

"آپ بچوں کو گھر ہی لے آئیں، میں سنبھال لونگی، شام کو چھوڑ آیئے گا۔" صلہ کے چہرے پہ ایسی خوشی تھی کہ یاسر کا دل اداس سا ہو گیا، وہ سوچنے لگا کہ تھا خدا صلہ کی گود میں یہ دونوں پھول کھلاتا تو زندگی سے کوئی گلہ نہ رہتا۔

"کیا سوچنے لگے چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" صلہ کے ٹوکنے پہ یاسر چائے پینے لگا اور بولا۔

"ٹھیک ہے میں بچوں کو لے آؤنگا، خدا کا شکر ہے عائزہ بچوں سے ملنے سے منع نہیں کرتی امید ہے وہ گھر لانے پہ بھی اعتراض نہیں کرے گی۔" صلہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا، یاسر نے اثبات میں سر ہلایا، پھر وہ دونوں خاموشی سے چائے ختم کرنے لگ گئے۔

☆☆☆

"یاسر بیٹا کیا کہہ رہے ہو تم، عائزہ نے ایسا کیوں کیا، وہ بھلا، ایسا کیوں کرے گی۔" اماں نے حیران پریشان ہو کر یاسر کی طرف دیکھ کر سوال کیا، یاسر خاموشی سے برآمدے میں بچھے تخت پہ بیٹھا تھا، صلہ بھی خاموشی سے فرش کو دیکھ رہی تھی، پھر یاسر کی طرف نظر اٹھا کر بولی۔

"بتائیں، ایسا کیسے ہو گیا۔" یاسر ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔

"آفس سے واپسی پہ جب میں بچوں سے

سے اس کی گود میں ڈال دی۔" پھر ٹھنڈی آہ بھری اور دوبارہ بولیں۔

"ایک میری بدنصیب بیٹی تھی، جس میں نہ صبر تھا نہ حوصلہ اور نہ ہی عقل، میں اسے سمجھاتی رہتی تھی لیکن اس نے کبھی بھی میری نہیں سنی تھی اور آج وہ منوں مٹی تلے دب گئی۔" وہ رونے لگی، یاسر نے آگے بڑھ کر انہیں حوصلہ دیا، سب خاموش تھے، کیونکہ عائزہ کی خودکشی ان کے لئے ایک معمہ تھا، جو اس کی اماں ہی حل کر سکتی تھیں، عائزہ کی اماں کچھ دیر رونے کے بعد بولیں۔

"ہمارے گھر کے سامنے عمر نامی ایک لڑکا رہتا تھا، جانے کیسے میں عائزہ سے لاپرواہ ہوئی تو وہ عمر کی باتوں میں آگئی، دونوں کے میل ملاقات کی خبر مجھے محلے داروں سے ملی، تو میں بہت ڈر گئی ہمارے سر پر کون سا مرد کا سایہ تھا، اس لئے میں نے عائزہ کے لئے رشتہ ڈھونڈنا شروع کر دیا، لیکن وہ کہتی تھی شادی کرے گی تو عمر سے ورنہ زہر کھا کر مر جائے گی، میں نے بہت سمجھایا، لیکن اس نے ایک نہ سنی، پھر کسی کیس میں عمر جیل چلا گیا تو یاسر کا رشتہ آگیا، میں نے شادی میں دیر نہیں کی، عائزہ بھی خاموش تھی، میں نے شکر ادا کیا، تو عائزہ کو یقین ہو گیا کہ یاسر نے شادی صرف بچے کے لئے کی ہے، پھر ایک دفعہ مجھ سے ملنے آئی تو، اس نے دیکھا عمر جیل سے رہا ہو چکا ہے، وہ پھر اس کی باتوں میں آنے لگی میں نے ڈانٹا، ڈپٹا، لیکن باز نہیں آئی، اس نے آپ سب لوگوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا تاکہ یاسر تنگ آکر اسے چھوڑ دے، پھر خدا نے جب بچے دیے تو اس نے جان بوجھ کر طلاق کی شرط رکھی وہ جانتی تھی یاسر اسے چھوڑ سکتا ہے لیکن صلہ کو نہیں، طلاق کے بعد عمر نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر ایک اچھا انسان بن کر اس سے شادی کرلے گا اور اس کے بچوں کو اپنے بچے سمجھے گا،

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب ..... ☆
خمار گندم ..... ☆
دنیا گول ہے ..... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری ..... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں ..... ☆
چلتے ہو تو چین کو چلئے ..... ☆
نگری نگری پھرا مسافر ..... ☆
خط انشا جی کے ..... ☆
بستی کے اک کوچے میں ..... ☆
چاند نگر ..... ☆
دل وحشی ..... ☆
آپ سے کیا پردہ ..... ☆

ڈاکٹر مولوی عبدالحق
قواعد اردو ..... ☆
انتخاب کلام میر ..... ☆

ڈاکٹر سید عبداللہ
طیف نثر ..... ☆
طیف غزل ..... ☆
طیف اقبال ..... ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملنے کے لئے گیا تو ان کے گھر عورتیں جا رہی تھیں، بہت رش سا تھا، میں بھی سیدھا اندر چلا گیا، تو دیکھا عائزہ چارپائی پہ بے سدھ لیٹی ہے اور آنٹی اونچی اونچی رو رہی تھیں، عورتیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ عائزہ نے خودکشی کر لی، تو بس میں واپس آ گیا۔" صلہ کی آنکھوں سے آنسو پھسل کر زمین پہ گر گئے جو بھی تھا اور جیسا بھی تھا، صلہ نے اسے چھوٹی بہنوں کی طرح سمجھا تھا، اماں ؟ بولیں۔

عائزہ کے جانے کے بعد کچھ دن تو وہ لوگ اداس رہے، لیکن زندگی پھر معمول پہ آ گئی، اماں اُٹھتے بیٹھتے یاسر سے کہتی کہ چلو بچوں کو لے آئیں، لیکن یاسر کہتا اماں ابھی کچھ دن ٹھہر جائیں، عائزہ کی اماں کیا سوچیں گی، کہ ہمیں اتنی جلدی بچوں کی پڑ گئی، وہ ہمارے ہیں اور ہمارے پاس ہی رہیں گے کچھ دن رک جائیں۔

اگلے دن صبح صبح ہی عاصمہ آ گئی تھی، شام کو اس کے شوہر نے اسے لینے آنا تھا، اس لئے صلہ کھانے پہ کافی اہتمام کر رہی تھی، یاسر بھی جلدی آ گیا تھا، برآمدے میں اماں اور عاصمہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے، داخلی دروازے پہ بیل کی آواز پہ یاسر اٹھ کر گیا، جب واپس آیا تو ان کے ساتھ عائزہ کی اماں اور بچوں کو دیکھ کر سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے، عائزہ کی اماں نے سب سے مل کر صلہ کو اپنے پاس بلایا، بچے اس کی گود میں ڈال دیئے، یاسر سچ کہتا تھا، بیٹی بالکل صلہ جیسی تھی اور بیٹے نے یاسر کے نین نقش چرائے تھے، اماں تو نہال ہی ہو گئی، عاصمہ کی خوشی بھی دیکھنے کے لائق تھی، عائزہ کی اماں نم لہجے میں بولیں۔

"خدا صلہ جیسی بیٹی ہر ماں کو دے، بہت صبر اور حوصلے والی بچی ہے اور اس کا یہی صبر خدا کو پسند آیا اور اس نے ایک ساتھ نعمت اور رحمت

لیکن عدت ختم ہونے کے بعد عمر نے کہا عائزہ نے اس سے بے وفائی کر کے کسی اور سے شادی کی تھی، اسے طلاق دلوا کر میں نے بدلہ لیا ہے، اب میں کبھی اس سے شادی نہیں کرونگا، اب عائزہ کو پچھتاوا تھا، مرنے سے ایک دن پہلے وہ مجھے کہتی اماں میری طرف سے صلہ اور سب گھر والوں سے معافی مانگنا، یہ بچے صلہ کے حوالے کر کے کہنا، ان کو کبھی مت بتانا کہ ان کی ماں کون تھی اور کیسی تھی۔" پھر وہ بہت روئی میں سمجھ ہی نہیں پائی کہ وہ خودکشی جیسا قدم اٹھانے جا رہی ہے ورنہ اسے روک لیتی۔

"صرف عائزہ کا قصور نہیں تھا میرا بھی تھا، شادی کی پہلی رات لڑکی کے بہت ارمان اور خواب ہوتے ہیں جو میں نے عائزہ کے کچل کر رکھ دیئے تھے، میں اس کے پاس ہوتا تھا، لیکن اس کا کبھی نہیں تھا، اگر میں اسے یقین دلواتا کہ تم بھی میرے لئے اتنی اہم ہو جتنی صلہ تو وہ کبھی نہ بھٹکتی اسے تو ہم نے معاف کر دیا، خدا بھی اسے معاف کرے اور ہم سب کو بھی۔"

عائزہ کی اماں تو چلی گئیں لیکن اس گھر کی خوشیاں لوٹ آئی تھیں، بچوں کی ہنسی ان کی قلقاریاں، صلہ اور یاسر خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتے تھے، لیکن عائزہ وہ کبھی نہیں بھولے تھے، صلہ نے دولہن بنی عائزہ کی بڑی پیاری تصویر کمرے میں لگائی تھی اور یاسر سے کہتی تھی۔

"جب بچے بڑے ہو گئے تو میں انہیں بتاؤنگی ان کی ماں بہت اچھی تھی، پھر ہمارے ساتھ ساتھ بچے بھی عائزہ کا وجود اس گھر میں محسوس کریں گے۔" یاسر مسکرا کر اس کی ہاں میں ہاں ملاتا اور اماں انہیں ہنستے مسکراتے دیکھ کر ان کی دائمی خوشیوں کے لئے دعا مانگتی رہتیں۔

☆☆☆

اللہ کے نام

سباس گل

"فیصلہ ہو گیا ہے فیض بی بی، ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، رہیں گی تو ایک دوسرے پہ چلتی رہیں گی، ایک دوجے کو کاٹتی رہیں گی، ہری بھری کھیتی سب کو بھاتی ہے جبکہ بے برگ وثمر پیڑ کسی کو لبھا سکتا ہے نہ کوئی نفع دے سکتا ہے، تم اس حویلی کا وہ پیڑ ہو جس پہ پھل بھی لگا ہے اور پھول، پتے بھی، بات آئینے کی طرح صاف ہے کہ اس حویلی میں کسے رہنا ہے اور کسے حویلی چھوڑ کے چلے جانا ہے۔" سردار مکرم علی خان نے اپنی بڑی بہو کو دیکھتے ہوئے بارعب لہجے میں کہا چھوٹی بہو شائلہ ہاشم علی خان سمیت حویلی کے سبھی مکین وہاں موجود تھے اور سردار مکرم علی خان کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کیے کھڑے تھے، ان کے فیصلے سے سرتابی کی جرأت

کبھی کسی کو نہیں ہوئی تھی، ان کے ایک اشارہ ابرو پہ یک جنبش لب پہ بڑے بڑوں کا پتا پانی ہو جاتا تھا، جن کی حویلی میں اور زندگی میں عورت صرف دل کی تسکین کا سامان اور حویلی کے وارث پیدا کرنے کی مشین تھی اس کے سوا کچھ نہیں، ان کا وہی معاملہ تھا کے گھوڑا اگر زخمی ہو کر چلنے پھرنے سے رہ جائے تو اسے ناکارہ سمجھ کر گولی مار دی جاتی ہے، یہی سلوک وہ اپنی عورتوں کے ساتھ روا رکھتے تھے، تین تین چار چار شادیاں تو کر لیتے تھے مگر دل بھر جانے پر بیوی کو کسی فالتو سامان یا شے کی طرح حویلی کے کسی کونے کھدرے میں ڈال دیتے تھے، بیٹے پیدا کرنے والی بیوی چہیتی اور لاڈلی ہوتی، بیٹی کو جنم دینے والی طعنے تشنے سنتی دھتکار اس کا مقدر بنتی، اس بڑی سی حویلی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب نفع نہ دینے والوں کے لئے کوئی جگہ نہ رہی تھی پرانی چیزیں ہٹا کر نئی چیزیں سجائی جا رہی تھیں، سردار مکرم علی خان بہت بڑے جاگیردار تھے، تین شادیاں کیں تھیں انہوں نے ان کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، سبھی کی شادیاں ہو چکی تھیں۔

سردار ہاشم علی خان منجھلے بیٹے تھے ان کی شادی ان سے عمر میں دس سال بڑی ان کی ماموں زاد فیض بی بی کے ساتھ ہوئی تھی، فیض بی بی بہت ہی اللہ لوک خاتون تھیں، صابر شاکر، صوم وصلوۃ کی پابند، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ڈر، خوف اور محبت دل میں رکھنے والی، سردار ہاشم علی خان کو ان کی سادگی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری نے اپنا گرویدہ بنالیا تھا، فیض بی بی میں ایسا کچھ تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی فیض بی بی کے ساتھ ایک خوشگوار ازدواجی تعلق قائم کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے، حالانکہ وہ شہر میں رہنے کی وجہ سے وہاں کی شہری لڑکی شمائلہ کی زلفوں کے اسیر ہو گئے تھے، شمائلہ بھی ان کو بہت چاہتی تھیں، شمائلہ ایک مل اونر کی بیٹی تھیں، سردار ہاشم علی خان نے سردار مکرم علی خان کو ہمت کر کے اپنی پسند اور محبت کے بارے میں بتایا تو انہوں نے شمائلہ کا خاندانی پس منظر، شجرہ نسب جاننے کے بعد انہیں شمائلہ سے شادی کی اجازت دے دی، کیونکہ ان کے ہاں کے مرد تو ایک سے زائد شادیاں کیا کرتے تھے اس لئے ان کے لئے یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔

سردار ہاشم علی خان نے فیض بی بی کو اپنی دوسری شادی کے بارے میں بتایا تو وہ کہنے لگیں۔

''جو میرے رب سوہنے کی مرضی، جیسے میرے سرتاج سائیں کی خوشی، اللہ آپ کو دوسری شادی کا سکھ دے، میری طرف سے آپ کو پوری اجازت ہے آپ شمائلہ بی بی سے دوسری شادی کرلیں۔''

''تم مجھے اجازت دے رہی ہو کیوں؟ میں نے تو تم سے دوسری شادی کی اجازت نہیں مانگی فیض بی بی! ہمارے ہاں کے مرد اپنی عورتوں سے دوسری شادی کی اجازت نہیں مانگتے۔'' سردار ہاشم علی خان کی طنزیہ اور سپاٹ لہجے میں کہا تو فیض بی بی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''غلط کرتے ہیں اجازت تو مانگنی چاہیے کیونکہ ہمارے مذہب اور قانون میں مردوں کو دوسری شادی کے سلسلے میں اپنی پہلی بیوی سے اجازت لینے کا حکم دیا گیا ہے اور...... آپ نے نہیں مانگی اجازت کوئی بات نہیں، میں نے آپ کو اجازت دی دوسری شادی کی۔''

''مجھ سے عمر میں بڑی ہو تو کیا یہ ضروری ہے کہ باتیں بھی بڑی بڑی کرو؟'' سردار ہاشم علی خان نے چیخ کر استفسار کیا۔

''معافی چاہتی ہوں سائیں! ایک بات پوچھوں سائیں، آپ کو اس لڑکی سے محبت ہو گئی ہے کیا؟'' فیض بی بی کے چہرے پر سکون اور ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان تھی اور سردار ہاشم علی خان حیران تھے کہ یہ کیسی عورت ہے جو اتنے سکون و اطمینان سے اپنے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت اور خوشیوں کی دعا دے رہی تھی۔

''ہاں ہم شمائلہ سے محبت کرتے ہیں نہیں رہ سکتے شمائلہ کے بغیر۔'' سردار ہاشم علی خان نے دل سے اعتراف کیا۔

''تعجب ہے ایک سردار مرد ایک عورت کے بغیر خود کو اتنا بے بس اور کمزور سمجھتا ہے۔''

''عورت، ہمیشہ مرد کی کمزوری رہی ہے یہ تم اچھی طرح جانتی اور سمجھتی ہو۔''

''جی سائیں!'' فیض بی بی نے سر اور نظر جھکا کر کہا۔

''شمائلہ ہم سے دس سال چھوٹی ہے ہمارے ساتھ جچے گی بھی، تم ہم سے دس برس بڑی ہو فیض بی بی اور دو چار سال اور گزریں گے تو تم...... ہماری بیوی کی بجائے ماں لگنے لگو گی اور ماں تم ہمارے بچوں کی ہی لگو تو بہتر ہے، مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا جبکہ عورت وقت سے پہلے بڑھاپے کی دہلیز کو چھونے لگتی ہے۔'' سردار ہاشم علی خان سپاٹ تیز اور سنجیدہ لہجے میں بولے۔

''بجا سائیں، ایک بات پوچھوں سائیں!'' فیض بی بی نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا اور ان کے اپنی طرف متوجہ ہونے پر استفسار کیا۔

''سائیں! کیا آپ کو مجھ سے کبھی محبت ہوئی ہے؟''

''فیض بی بی، میاں بیوی کا رشتہ ایسا ہے کہ اللہ خود بخود محبت پیدا کر دیتا ہے، دو دلوں میں تم میرے تین بیٹوں کی ماں ہو، تم نے مجھے میرے خاندان کو وارث دیئے ہیں تو ظاہر ہے محبت تو ہو گی، لیکن محبت سے زیادہ میرے دل میں تمہاری عزت ہے اور یہ بات ہمارے خاندان کے مردوں کے مزاج کے خلاف ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو عزت دیں، عورت ان کے نزدیک تسکین نفس کا سامان ہے اور بس ایک سے دل بھر گیا تو دوسری بیاہ لائے، لیکن تم میں کچھ خاص ہے فیض بی بی کے میں آج تک تم سے بیزار نہیں ہوا تھا، عمروں کا فرق بھی کبھی محسوس نہیں ہوا کہ تم نے ہمیشہ میرا خیال رکھا، میری پسند ناپسند کا ہر ضرورت کا، ہر خواہش کا خیال رکھا ہے، لیکن......''

''لیکن......!'' فیض بی بی نے اطمینان بخش لہجے میں چونک کر استفسار کیا۔

''لیکن شمائلہ بیگم جب سے ملی ہیں لگتا ہے زندگی میں کہیں بہت بڑی کمی رہ گئی ہے جسے صرف شمائلہ ہی دور کر سکتی ہے، دل اس کی طرف آپ ہی آپ ہمکتا ہے، اس کو پانے کے لئے تڑپتا ہے، بلاشبہ وہ بہت حسین ہے، کشش رکھتی ہے اپنے اندر ہمیں اس سے محبت ہو گئی ہے اور اس سے شادی کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔'' سردار ہاشم علی خان نے سنجیدگی سے کہا تو وہ گہرا سانس لے کر رسان سے بولی۔

''ٹھیک ہے سائیں آپ دوسری شادی کر لیں، میرے لئے تو یہی بہت ہے کہ میں آپ کے بچوں کی ماں ہوں، بس اتنی گزارش کرنا چاہتی ہوں آپ سے کہ میرے بچوں کے ساتھ کبھی سوتیلا پن نہ ہونے دیجئے گا، شمائلہ بی بی صرف ماں بن کر رہے میرے بچوں کے ساتھ، سوتیلی ماں نہ بنے ان کی۔''

''فکر نہ کرو فیض بی بی! وہ میرے بھی بچے ہیں، ان کی طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت کرے گا تو ان کی آنکھیں نکال دوں گا، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔'' سردار ہاشم علی خان نے مضبوط لہجے میں کہا تو فیض بی بی کے لبوں پر مطمئن اور مسروری مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

سردار ہاشم علی خان کی شمائلہ سے شادی کو پانچ برس ہو گئے تھے، شمائلہ کی گود اب تک خالی تھی، شمائلہ نے حویلی پر راج کرنے کے لئے حویلی رہنا قبول کیا تھا، وہ شوہر کے ساتھ شہر میں بھی رہتی اور حویلی میں بھی خوشی خوشی آ کر رہتی اور بڑے سردار مکرم علی خان کی خدمت کر کے ان کا دل جیتنے کی کوشش کرتی، مگر فیض بی بی سے وہ خود کو برتر ظاہر کرنے کی کوشش کرتی، ان کے لباس میں نشست و برخاست میں مین میخ نکالتی، اپنی شہری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تعلیم کا رعب جماتی جبکہ فیض بی بی اس کی باتوں پر بس مسکراتی رہتی یا ایسا جواب دیتیں کہ شائلہ لاجواب ہو جاتی اور شرمندہ بھی۔

فیض بی بی ساڑھے پانچ فٹ کی گوری چٹی خوش شکل عورت تھی، اب جب پانچ برس ہونے کو آئے تھے اور شائلہ ایک بچے کی بھی ماں نہیں بن سکی تھی اور ڈاکٹرز کے مطابق وہ بانجھ تھی، کبھی ماں نہیں بن سکتی تھی، اس کی خالی خولی خدمت و خوشامد سے بڑے سردار مکرم علی خان متاثر ہونے والے نہیں تھے وہ سمجھتے تھے کہ شائلہ کی یہ خدمت محض دکھاوا ہے، نہ اس کے وجود سے ان کے خاندان کو کوئی فائدہ ملنے والا ہے نہ اس کی شہری حیثیت ان کے کسی کام کی تھی، ان کے نزدیک اب وہ پرانے فرنیچر کی طرح تھی، جسے سردار ہاشم علی خان کو اپنے بیڈ روم سے ہٹا کر نیا فرنیچر سجانے کی ضرورت تھی۔

شائلہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کی زندگی میں کبھی کوئی ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ اس کے سر سے چھت اور پیروں تلے سے زمین کھینچ لی جائے گی، خود سردار ہاشم علی خان بھی حق دق رہ گئے تھے، اپنے باپ کی اس فیصلے پر سردار ہاشم علی خان چونکہ شہر میں بھی رہائش پذیر تھے، پڑھے لکھے تھے، اس لئے ان کی سوچ ذرا مختلف تھی اپنے باپ اور بھائیوں کے مقابلے میں، وہ شائلہ سے اب بھی بہت محبت کرتے تھے، شائلہ نے انہیں پوری طرح اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا، بس وجہ تھی کہ وہ شائلہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔

''بابا سائیں! شائلہ میری بیوی ہے میں سے کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟'' سردار ہاشم علی خان نے جرأت کر کے باپ کے سامنے زبان کھولی۔

''یہ اس خاندان کے لئے بیکار ہے، بانجھ ہے اور ہاشم علی خان بنجر زمین اور بانجھ عورت پر وقت، محنت اور محبت کوئی ضائع نہیں کرتا، زمین وہی اچھی ہوتی ہے جس میں ہل چلاؤ بیج ڈالو تو وہ سونا اگلنے لگتی ہے، ہریالی ہی ہریالی کر دیتی ہے چار سو، کلر اور بنجر زمین کس کام کی؟''

''لیکن بابا سائیں! مجھے اولاد کی ضرورت نہیں ہے تین بیٹے ہیں ناں میرے میں پیار کرتا ہوں شائلہ سے اسے نہیں چھوڑ سکتا۔'' سردار ہاشم علی خان نے باپ کی بات سن کر کہا تو وہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑے اور تمسخرانہ انداز میں کہنے لگے۔

''مرد کا پیار سورج کی طرح ہوتا ہے شام ہوتے ہی ڈھل جاتا ہے سورج کے ساتھ غروب ہو جاتا ہے، تم نے ایک ہی پتھر کو محبوب بنا رکھا ہے واہ ہاشم علی خان واہ جواب نہیں تمہارے پیار کا، خیر ہم نے جو کہہ دیا ہے اس پر عمل ہوگا، ایک میان میں اب دو تلواریں نہیں رہیں گی۔''

''بابا سائیں! شائلہ حویلی کی عزت ہے، سائیں ہاشم علی خان کی عزت ہے اور عزت کا تو خیال رکھا جاتا ہے اسے ایسے زندگی سے نہیں نکالا جاتا اور کیا خبر کہ کل کو اللہ سائیں اپنا کرم کر دے اور شائلہ بین (بہن) کو اولاد سے نواز دے، موسم بدلنے پر تو ٹنڈ منڈ درختوں پہ بھی پھل پھول نکل آتے ہیں۔'' فیض بی بی نے سنجیدگی اور رسانیت سے کہا آج پہلی بار شائلہ نے فیض بی بی کو محبت اور عزت بھری نظروں سے دیکھا تھا وہ اس کے حق میں جو بول رہی تھیں۔

''جب جڑ کو دیمک لگی ہو تو درخت پہ پھل پھول نہیں لگتے فیض بی بی اور تم اپنی سوتن کی حمایت کر رہی ہو کمال ہے۔'' سردار مکرم علی خان نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بابا سائیں! اس میں شائلہ بین (بہن) کا تو کوئی قصور نہیں ہے نا یہ تو اللہ سائیں کا کام ہے اور کیا کہتی ہے یہ بے چاری یہاں رہ کر اسے

سائیں کی زندگی سے نہ نکالیں۔'' فیض بی بی نے ہمت کر کے کہا سردار مکرم علی خان نے انہیں گھور کر دیکھا اور تلخی سے بولے۔

''تو تمہیں نکال دیں۔''

''جی!'' فیض بی بی نے حیرت زدہ ہو کر ان کا چہرہ دیکھا۔

''تم اس عورت کے لئے جو تمہاری سوتن ہے اس کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ سکتی ہو، نہیں نا، پھر کیوں اس بیکار عورت کے حق میں بولتی ہو جاؤ جا کے آرام کرو، یہ معاملہ ہاشم علی خان اور شائلہ بیگم ہے وہی حل کریں گے۔''

''میں نے کہا نا بابا سائیں! میں شائلہ کو طلاق نہیں دے سکتا۔'' سردار ہاشم علی خان نے ہمت کر کے کہا تو سردار مکرم علی خان نے طیش میں آتے ہوئے کہا۔

''ہماری حکم عدولی کی سزا موت ہے جانتے ہو نا۔''

''جی بابا سائیں!''

''تو کیا ان دونوں عورتوں کو بیوہ اور اپنے بچوں کو یتیم کرنا چاہتے ہو۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا سائیں!'' سردار ناظم علی خان (بڑے بیٹے) نے بھی تڑپ کر زبان کھولی۔

''تم خاموش رہو ہم نے جو کہا ہے وہی ہوگا اب فیصلہ یہ خود کر لے کے اسے ذرخیز زمین زیادہ پیاری ہے یا بنجر زمین پر یہ ساری زندگی ہل چلانا چاہتا ہے، دونوں میں سے ایک کو چھوڑ دے، شائلہ کو رکھنا چاہتا ہے تو فیض بی بی کو چھوڑ دے اور پھر اس حویلی سے اپنا تعلق ختم سمجھے۔'' سردار مکرم علی خان کے اس عجیب حکم نے سب کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا، سردار مکرم علی خان کو یقین تھا کہ فیض بی بی کو اپنے بیٹوں اور حویلی کو ہاشم علی خان نہیں چھوڑ سکتا اسی لئے یہ کہا تھا، حویلی میں سب کچھ تھا اور شائلہ کے پاس سوائے دل کی تسکین و محبت کے سمجھ نہیں تھا۔

''بابا سائیں! یہ بہت معمولی بات ہے ہاشم علی خان کوئی بے اولاد تو نہیں ہے نا ماشاء اللہ تین بیٹے ہیں اس کے پھر اگر دوسری بیوی بانجھ ہے تو کیا ہوا؟ فیض بی بی ٹھیک کہتی ہے، شائلہ عزت ہے اسی خاندان اور حویلی کی، ہاشم علی خان کی عزت ہے۔'' سردار ناظم علی خان نے اس بے تکے فیصلے پر احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

''عزت تو فیض بی بی ہے یہ ہمارے خاندان کی لڑکی ہے۔'' سردار مکرم علی خان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''بابا سائیں! شائلہ بھی اب آپ کے خاندان کا حصہ ہے، عزت ہے آپ کے خاندان کی، بیوی عزت ہوتی ہے سائیں اور عزت کو کوئی اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر سے نہیں نکالتا۔'' فیض بی بی نے کہا تو سردار مکرم علی خان نے غصیلے اور درشت لہجے میں کہا۔

''ہمیں انکار سننے کی عادت نہیں ہے صبح تک کا وقت ہے تم لوگوں کے پاس، فیض بی بی یا شائلہ، شائلہ غیر خاندان کی عورت ہے کبھی ہمارے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتی، پھر بھی اگر تم اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہو تو اسے ماں کے رتبے پہ فائز ہونا پڑے گا۔''

''یا اللہ! رحم کر مالک، مجھے معاف کر دے میں نے بہت غلط سوچا، فیض بی بی کے لئے جبھی تو آج مجھے یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔'' شائلہ روتے ہوئے دل میں اللہ کے سامنے اعتراف کر رہی تھیں۔

سردار مکرم علی خان اپنی بات مکمل کر کے چلے گئے تھے، باقی سب بھی ایک ایک کر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے، فیض بی بی اپنے کمرے میں آئیں، عشاء کی نماز ادا کر کے دعا مانگی، وہ جائے نماز پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں، جب شائلہ اور ہاشم علی خان کمرے میں چلے آئے، شائلہ بری طرح رو رہی تھی، سراور ہاشم علی خان کے چہرے پر پریشانی دکھ اور بے بسی رقم تھی۔

"فیض بی بی! مجھے بچالو، میرا گھر اجڑنے سے بچالو، اللہ کے نام پہ میرا سہاگ بچالو، تمہیں تمہارے بچوں کا واسطہ ہے، اللہ کا واسطہ ہے مجھے اجڑنے سے بچالو۔" شائلہ نے نیچے بیٹھ کر فیض بی بی کے پاؤں پکڑ کر روتے ہوئے بھیگی لہجے میں تڑپ تڑپ کر کہا تو فیض بی بی نے اس کے ہاتھ اپنے پاؤں سے ہٹائے اور نرمی سے بولیں۔

"کیا کر رہی ہو شائلہ مجھے کیوں گناہ گار کر رہی ہو، میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں؟"

"تم چاہو تو مجھے ہاشم سے جدا ہونے سے بچا سکتی ہو، میں ہاشم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی میں مر جاؤں گی ہاشم سے طلاق لے کر، مجھے ہاشم کی جدائی جیتے جی مار دے گی، میں بہت محبت کرتی ہوں ہاشم سے، ساری زندگی ہاشم کے نام پہ گزارنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن میں۔" فیض بی بی نے الجھن آمیز لہجے میں کچھ کہنا چاہا تو شائلہ ان کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"میں جانتی ہوں کہ میرا رویہ تمہارے ساتھ کبھی بھی اچھا نہیں رہا، مجھے معاف کر دو پلیز اور مجھے میرا سہاگ بخش دو۔"

"یہ تم کو بابا سائیں سے کہنا چاہیے تھا مجھے کیوں کہہ رہی ہو؟"

"بابا سائیں تو اپنا فیصلہ سنا چکے ہیں انہیں کل صبح تک اپنے حکم کی تعمیل چاہیے، میں ایک رات میں ماں کیسے بن سکتی ہوں، بانجھ ہوں نا، لیکن تم مجھے ماں بنا سکتی ہو، ماں کا رتبہ دلوا سکتی ہو، میرا سہاگ مجھے ہمیشہ کے لئے سونپ سکتی ہو، میرا گھر مجھ سے چھن جانے سے تم ہی بچا سکتی ہو فیض بی بی۔" شائلہ نے روتے ہوئے کہا تو انجھے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگیں۔

"وہ کیسے؟"

"تم، فیض بی بی، تم اپنا گھر شوہر اور اولاد مجھے سونپ دو۔" شائلہ نے روتے ہوئے جھجکتے ہوئے کہا تو فیض بی بی کے سر پہ جیسے چھت آ گری، پل بھر کو تو وہ سن سی ہو گئیں تھیں، اس وقت وہ انہیں انتہائی خود غرض عورت محسوس ہو رہی تھی۔

"فیض بی بی! بابا سائیں کا حکم تم نے بھی سنا ہے میں اگر شائلہ کو نہیں چھوڑوں گا تو، بابا سائیں یا تو مجھے مروا دیں گے یا پھر حویلی سے جائیداد سے بے دخل اور عاق کر دیں گے، ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں، ہم علیحدہ نہیں ہونا چاہتے اگر میں نہ رہا تو ہمارے بچے بن باپ کے کیسے پروان چڑھیں گے، ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں ایک یہ کے ہم ہمیشہ کے لئے حویلی اور تم سب کی زندگیوں سے دور چلے جائیں پھر بھی بابا سائیں ہمیں زندہ تو نہیں رہنے دیں ناں اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ شائلہ تمہارے بچوں کی ماں بن کر ان کی پرورش کرے اور تم حویلی چھوڑ جاؤ، جانتا ہوں یہ غلط ہے، ناانصافی ہے، مگر..... میں شائلہ کو نہیں چھوڑنا چاہتا، بابا سائیں نے تم دونوں میں سے ایک کو حویلی سے جانے کا کہا ہے۔" سردار ہاشم علی خان نے قدرے شرمندگی سے پر لہجے میں کہا۔

"دونوں میں سے ایک کو نہیں، شائلہ کو جانے کا حکم دیا ہے اور اس کی وجہ بھی آپ جانتے ہیں سائیں، میں کیسے اپنا بھرا پورا گھر چھوڑ کے

چلی جاؤں، میں کوئی گری پڑی عورت نہیں ہوں، مربعوں کی مالک ہوں، کسی شے کی کمی نہیں ہے مجھے رب کے فضل سے۔" فیض بی بی نے سنجیدگی سے کہا تو وہ دونوں چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئے، پھر سردار ہاشم علی خان نے فیض بی بی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ تم تو کہیں بھی آرام سے رہ لو گی اپنی زمینوں کی آمدنی پہ ساری زندگی گزار سکتی ہو، میں تمہیں طلاق نہیں دینا چاہتا۔"

"دے بھی نہیں سکتے سائیں! فیض بی بی کا میکہ گھر برداشت نہیں کرے گا یہ بات، پھر تو کچھ بھی نہیں بچے گا نہ حویلی نہ حویلی میں رہنے والے۔" فیض بی بی نے کہا تو شائلہ اور اونچی اونچی رونے لگی۔

"ٹھیک ہے پھر ایک بیوہ کی حیثیت سے زندگی گزارنا اس حویلی میں، میں موت سے نہیں ڈرتا ہوں مگر محبت کے بغیر جینے سے ڈرتا ہوں۔" سردار ہاشم علی خان نے بارعب لہجے میں کہا، فیض بی بی کا تو دل تڑپ کر رہ گیا، وہ تو ان سے محبت کرتی تھیں، ساری حیاتی ان کے نام پہ گزارنا چاہتی تھیں، وہ کیسے انہیں ناخوش یا مرتا ہوا دیکھ سکتی تھیں، وہ ان سے زیادہ شائلہ سے پیار کرتے تھے اور شاید ان کے لئے محبت تھی ہی نہیں سردار ہاشم علی خان کے دل میں جبھی تو اتنی آسانی سے انہیں حویلی سے اپنی زندگی سے چلے جانے کا کہہ دیا تھا، کتنے خود غرض تھے وہ، کتنی بڑی قربانی مانگنے آئے تھے ان سے اور فیض بی بی ٹھہریں سدا کی جانثار خاتون، اپنی ایثار پسندی سے مجبور ہو کر وہ ان کی بات مان لیں گے اس کا یقین سردار ہاشم علی خان کو سو فیصد تھا۔

"تو آپ کو مجھ سے تو محبت نہیں تھی نا سائیں۔" فیض بی بی نے آزردگی سے کہا تو وہ خجالت سے نظریں چرا کر بولے۔

"تھی، بہت تھی مگر۔"

"آپ کی محبت تو شائلہ ہے نا سائیں، آج رب نے میرے ہاتھ میں دیا ہے کہ میں آپ کو، آپ کو محبت بخش دوں یا، کل آپ کو دوسری شادی کرنے کے لئے میری اجازت کی ضرورت نہیں تھی اور آج آپ اپنی اسی دوسری شادی کو محبت کو بچانے کے لئے میرے پاس آئے ہیں، یہی قسمت کا کھیل ہے سائیں، اللہ اپنی قدرت اور طاقت دکھاتا ہے تو انسان منہ کی کھاتا ہے، زمین پہ اکڑ کے چلنے والے مٹی کا ڈھیر ہو جاتے ہیں۔" فیض بی بی نے رسانیت سے کہا تو سردار ہاشم علی خان پیچ و تاب کھا کر رہ گئے اور فیصلے سخت لہجے میں غرائے۔

"اگر تم چاہتی ہو کے میں بابا سائیں کے فیصلے سے سرتابی کر کے مارا جاؤں تو ٹھیک ہے مجھے منظور ہے، میں اپنی زندگی کے لئے ایک عورت سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا ایک عورت کے لئے دوسری عورت کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکوں گا، چلو شائلہ بیگم ہمیں ابھی حویلی چھوڑنا ہو گی۔"

"نہیں ہاشم علی خان، بابا سائیں ہمیں مار دیں گے میں زندہ رہنا چاہتی ہوں، آپ کے ساتھ، آپ کے بچوں کے ساتھ جینا چاہتی ہوں، فیض بی بی ہم سب کو برباد ہونے سے بچا سکتی ہے۔" شائلہ نے روتے ہوئے کہا تو فیض بی بی کی روح لرز اٹھی اپنے گھر، شوہر اور بچوں سے دور جانا ان کے لئے سوہان روح ہی تو تھا ایک ان کے جانے سے سب کچھ بچ جاتا، مگر سردار ہاشم علی خان کے جانے سے حویلی کا سکھ چین، ان کا بچوں کا مستقبل سب کچھ تباہ ہو جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فیض بی بی! تم تو ایک عورت ہونا، عورت کا درد سمجھ سکتی ہو، میں بانجھ ہوں اور اس پر اگر مجھے طلاق بھی ہوگئی تو، میں کہاں جاؤں گی کیسے جیوں گی، کیا کروں گی؟ ایک بانجھ اور طلاق یافتہ عورت کی ہمارے معاشرے میں کوئی جگہ نہیں ہے، کوئی عزت نہیں ہے، سب مجھ ہنسیں گے، طعنے تشنے دے دے کر میرا جینا حرام کر، دیں گے، میں تو بھرے بازار میں رل جاؤں گی فیض بی بی، لوگوں کی سنگ باری میری روح کو چھلنی کے رکھ دے گی، مجھے بے وقعت اور بے عزت ہونے، سے بچالو فیض بی بی، تمہیں اللہ کا واسطہ ہے، مجھے برباد ہونے سے بچالو، میں تمہارا یہ احسان مرتے دم تک نہیں بھولوں گی، تمہارے بیٹوں کو سگی ماں سے بڑھ کے پیار دوں گی، ان کی بہت، اعلیٰ تربیت، کروں گی مجھے اپنا مقام سونپ دو، تم یہاں سے چلی جاؤ فیض بی بی۔'' شائلہ نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر فیض بی بی سے ملتجی اور بھیگتے لہجے میں فریاد کی۔

''اپنا مقام تمہیں سونپ دوں اور یہاں سے چلی جاؤں۔'' فیض بی بی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تو وہ تڑپ کر بولی۔

''ہاں فیض بی بی! تمہیں اللہ کا واسطہ ہے، اللہ کے نام پہ مجھے اپنا مقام سونپ دو۔''

''اللہ کے نام پہ'' فیض بی بی کے وجود میں کرنٹ سا دوڑ گیا، آہستگی سے لب ہلے۔

''ہاں فیض بی بی! اللہ کے نام پہ، حویلی چھوڑ دو، اللہ کے نام پہ اپنا رتبہ اپنی جگہ اپنی اولاد مجھے سونپ دو میں۔''

''ٹھیک ہے اللہ کے نام پہ میں نے تمہیں سونپا، اپنا مقام، اپنی اولاد، اپنا سہاگ، اللہ کے نام پہ تو سب کچھ قربان کرسکتی ہے فیض بی بی، جاؤ خوش رہو اللہ کے نام پہ سب رشتے تمہیں دان کیے، جاؤ تمہیں تمہارا سہاگ، تمہارا پیار، تمہارا گھر مبارک ہو، فیض بی بی اللہ کے نام پہ، یہاں سے چلی جائے گی۔'' فیض بی بی نے مسکراتے ہوئے بہت سنجیدہ مگر پرسکون لہجے میں کہا تو وہ دونوں خوشگوار حیرت سے فیض بی بی کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''شکریہ فیض بی بی! تم بہت عظیم ہو۔'' شائلہ ان کے گلے لگ کر خوشی سے رو پڑی، سردار ہاشم علی خان کے ہونٹوں پر بھی اطمینان بخش مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

فیض بی بی نے اپنی محبت اللہ کے نام پہ شائلہ کی جھولی میں ڈال دی اور اللہ کے نام پہ دی گئی کوئی بھی چیز واپس تھوڑی لی جاتی ہے، جاؤ خوش رہو اب میرا شوہر، گھر اور اولاد صرف تمہاری ہے، اللہ کے نام پہ تم جان بھی مانگتی تو دے دیتی، یہ سب تو دنیاوی رشتے ناطے اور چیزیں ہیں، دنیا میں دی جانے والی قربانیاں آخرت میں رب کی مہربانیاں بن کر ہم کو واپس مل جاتی ہیں، محبت کے بدلے مہربانی عزت اطاعت وعبادت کے بدلے میں جنت کا سودا برا تو نہیں ہے اور دوسروں کو خوشی اور سکھ دینے سے تو اللہ بھی خوش اور راضی ہوتا ہے، یہ بھی سچ ہے میں جنت کے لالچ یا دوزخ کے خوف سے اس کی عبادت نہیں کرتی، اس کی مرضی پہ نہیں چلتی، بلکہ اس لئے اس کی مرضی میں راضی رہنے کی کوشش کرتی ہوں کہ اس سے وہ (اللہ) خوش ہوتا ہے، عبادت اس لئے کرتی ہوں کہ وہ اس لائق ہے۔

فیض بی بی ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر بیٹھی دل ہی دل میں اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھیں، وہ حویلی سے اپنے ساتھ صرف سردار ہاشم علی خان کا نام لائی تھیں، اپنی زمینیں اپنے

بیٹوں کے نام کرآئی تھیں۔

صبح سردار مکرم علی خان کو فیض بی بی کا ایک مختصر سا خط ملا تھا جس میں ٹوٹی پھوٹی اردو میں چند سطریں لکھی تھیں۔

''بابا سائیں!''

''میں نے اللہ کے نام پہ شائلہ اور سردار ہاشم علی خان کو اپنا سب کچھ بخش دیا ہے، سونپ دیا ہے، آپ بھی انہیں اللہ کے نام پہ زندگی اور اپنی محبت بخش دیں گے کہ وہ آپ کے اولاد ہیں، مجھے یقین ہے کہ اللہ کے نام پہ دی گئی میری یہ قربانی رائیگاں نہیں جائے گی انشااللہ۔''

فقط

فیض بی بی زوجہ سردار ہاشم علی خان اور سردار مکرم علی خان یہ خط پڑھتے ہی ڈھے سے گئے تھے، فیض بی بی اتنی بڑی قربانی، اتنی آسانی سے دے جائے گی ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا اور وہ سوچ رہے تھے کہ انشااللہ اور یقیناً فیض بی بی کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔

''بی بی، اللہ کے نام پہ ایک روپیہ دیدے۔'' فقیر کی صدا نے پلیٹ فارم کے لکڑی کے بینچ پر بیٹھی فیض بی بی کو چونکا دیا۔

''صرف ایک روپیہ۔'' فیض بی بی نے زیر لب کہا۔

''بی بی، اللہ کے نام پہ ایک روپیہ دیدے۔'' فقیر نے اپنی مانگ پھر سے دہرائی تو فیض بی بی نے مسکراتے ہوئے اپنے بٹوے میں سے ایک روپے کا سکہ نکال کر فقیر کی طرف بڑھا دیا، وہ تو اللہ کے نام پہ اپنا پورا گھر چھوڑ آئی تھیں سب کچھ دے آئی تھیں اور یہ فقیر تو صرف ایک روپیہ مانگ رہا تھا، سچ ہی تو ہے ہر انسان کی اپنی اپنی ضرورت، حاجت اور اپنی اپنی مانگ ہے جسے جو چاہیے وہ، وہی مانگتا ہے۔

''لے بابا۔'' فیض بی بی نے فقیر کو سکہ دیتے ہوئے مخاطب کیا تو فقیر بابا ایک روپیہ لے کر دعائیں دینے لگا۔

''اللہ تیرے بچے سلامت رکھے، تیری اولاد کو نیک بنائے تیرا سہاگ سلامت رکھے۔''

''آمین!'' فیض بی بی نے دل سے کہا۔

''ایک روپیہ اللہ کے نام کا ایک روپیہ فیض بی بی کے مکن کی دعا، تمنا، چاہ اور صدا کو فقیر کی زبان تک لے آیا تھا، دعا کی صورت، فیض بی کو اللہ سے، زندگی سے اب یہی تو چاہیے تھا، گھر، گھر والا، اس کا سہاگ، اس کی اولاد سلامت رہیں نیک بنیں، خواہ وہ ان کے ساتھ نہ رہے کہ اللہ کے نام پہ وہ انہیں اپنی سوتن کو سونپ آئی تھی، لیکن وہ سب سلامت اور خوش رہیں بس یہی دعا تھی اب اس کی۔''

ریل گاڑی پلیٹ فارم پر آرکی تھی، سائرن کی آواز مسافروں کے شور نے فیض بی بی کو سوچوں کے گرداب سے باہر نکالا تو وہ جلدی سے اپنا سامان اٹھا کر ریل گاڑی میں سوار ہوگئیں، یہ ریل گاڑی کہاں جارہی تھی ان کو پروا نہیں تھی وہ تو اس سفر میں یہ سوچ کر مطمئن تھیں کہ وہ اللہ کے نام پہ اپنا سب کچھ تیاگ آئی تھی، فقیر کی آواز اب بھی ان کے کانوں میں آرہی تھی، شاید وہ بھی ٹرین میں سوار ہوگیا تھا اور یہ آواز اڑتیس سالہ فیض بی بی کو حوصلہ دے رہی تھی۔

''اللہ کے نام پہ۔''

''اللہ کے نام پہ۔''

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

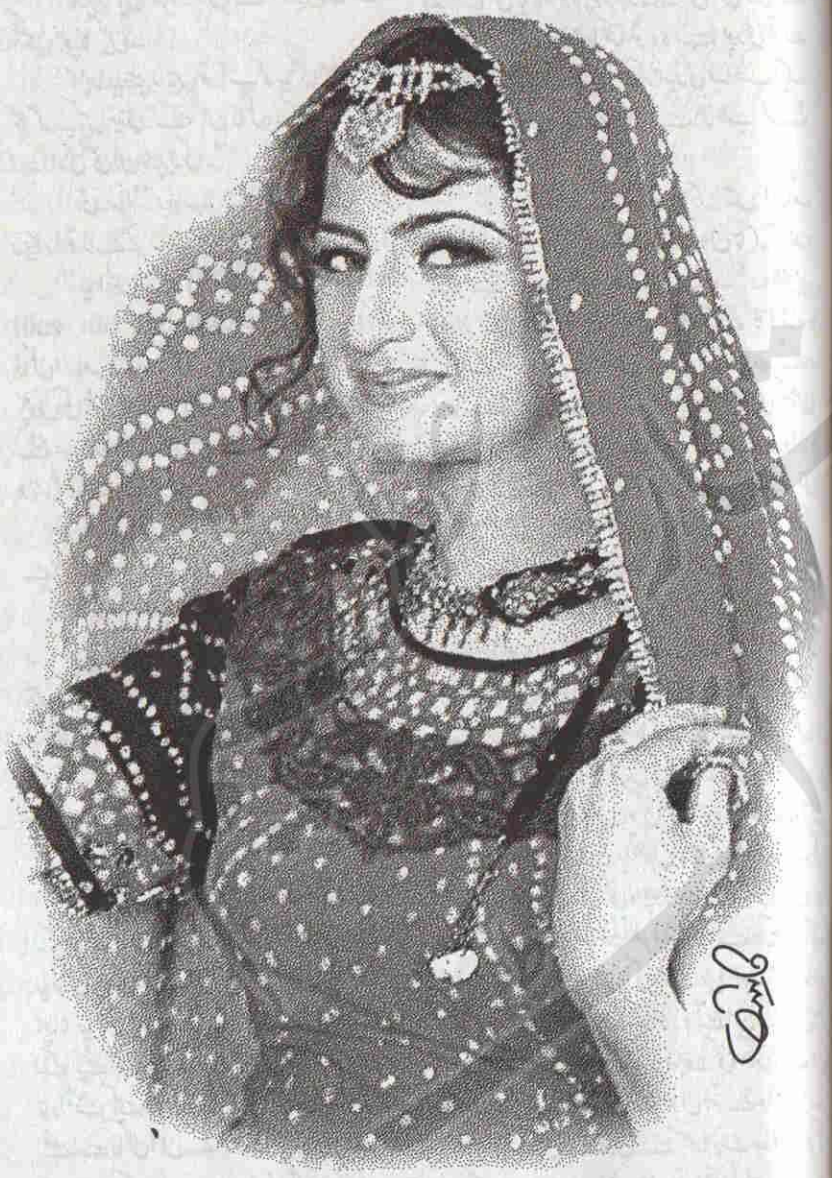

تازہ گلاب

مبشرہ ناز

ٹیبل پہ پھیلے کاغذات اور فائلز جتنی تیزی سے اس کے ہاتھ سمیٹ رہے تھے اتنی ہی تیزی سے اس کی زبان اسامہ لغاری کی شان میں مستقل قصیدے پڑھ رہی تھی، وجہ وہ تمام فائلز تھیں جو اسامہ نے خود مکمل کرنے کے بجائے اسے بھجوا دی تھیں یہ کہہ کر اس کے سر میں شدید درد ہے اس لئے براہ مہربانی یہ فریضہ رحاب ادا کر کے حمید لغاری کی ٹیبل تک پہنچا دے تاکہ اس کا امیج خراب ہونے سے بچ جائے۔

فراٹے بھرتی زبان، تیزی سے سمیٹتی فائلز اور دارازوں کو کھولتے اور بند کرتے ہوئے اسے کیبن کے باہر گونجتی آواز پر حمیدی صاحب کا گمان ہوا تو اس نے ہاتھ روک کر بغور آواز کو سنا۔

''آپ کو یہاں کس مقصد کے لئے رکھا گیا ہے۔'' نہ جانے وہ مظلوم کون تھا جسے وہ مقصد حیات یاد دلا رہے تھے، رحاب نے بے اختیار

ناولٹ

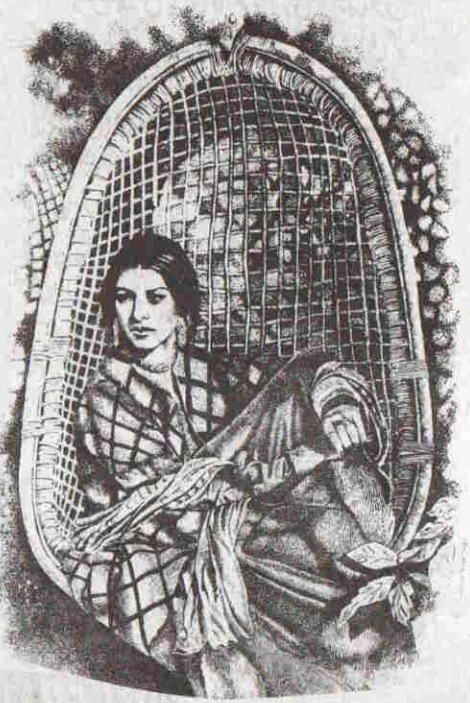

جل تو جلال تو کا ورد شروع کر دیا مگر افسوس تیر کمان سے نکل چکا تھا سامنے ہی حمیدی صاحب کھڑے تھے ماتھے پر ڈھیروں بل و غصے میں پھولے ہوئے نتھنے، لال سرخ منہ رحاب کو لگا جیسے وہ بل فائٹنگ کے اکھاڑے میں کھڑی ہے اور سامنے ہی اس ٹکر مارنے کے لئے بل (Bull) اپنے پنجوں میں زمین رگڑ رہا ہے، ان کے غصے سے بچنے کے لئے رحاب نے لاشعوری طور پر (ایس کے بی زیڈ) ٹینڈر کی فائل ایک جھٹکے سے اٹھائی اور نتیجتاً فائل میں رکھے پیپرز قید سے نکلے پنچھی کی طرح پھڑ پھڑاتے ہوئے حمیدی صاحب کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے فائل کی اس حالت پر جہاں رحاب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے وہیں حمیدی صاحب کے ماتھے کے بل کسی میٹر کی طرح تیزی سے بڑھنے لگے، حمیدی صاحب نے جھک کر ان پیپرز کو اٹھا لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کیا ہے؟" انہوں نے ہاتھ میں تھمے پیپرز کو لہرایا۔

"پیپرز ہیں سر!" اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اچھا یہ پیپرز ہیں تو آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ یہ کس ٹینڈر کے، کس فائل کے اور کس کی ذمہ داری تھی ان پیپرز کی۔"

"جی سر!" رحاب نے فرمانبرداری کے ریکارڈ توڑے۔

"یہ ایس کے بی زیڈ (Shaikh khalifa bin zaid) کا ٹینڈر تھا سر اور یہ فائل اسامہ کے ذمہ تھی۔" اس نے کلاس ون کے بچوں کی طرح فرمانبرداری سے شاباش لینے کے لئے سر جھکا لیا مگر ان کے اگلے سوال پر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"تو یہ فائل آپ کے پاس کیا کر رہی ہے؟"

"سر!.....وہ۔" وہ یکدم ہکلا گئی۔

"مس رحاب! اسامہ لغاری خود کہاں ہیں۔" انہوں نے غراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"سر! وہ اسامہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو یہ فائل....." انہوں نے اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"اسامہ صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ان کے سر میں درد ہے اس لئے از راہ ہمدردی آپ یہ فائل پوری کر کے ان کا امیج خراب ہونے سے بچانا چاہتی ہیں یہ جانے بغیر کہ میں بھی اس الو کے پٹھے کا باپ ہوں، تو اس کے حربوں سے ناواقف کیسے ہو سکتا ہوں۔" حمیدی صاحب نے غصے سے فائل اس کے سامنے پٹخی دوسرے معنوں میں اس کے منہ پر دے ماری تھی وہ خوف سے پیچھے ہو گئی کیونکہ یہ حقیقت تھی کہ اسامہ لغاری کی ہمدردی میں اس نے یہ فائل قبول کی تھی اب یہ ہمدردی تھی یا پھر وہ چور جذبہ جو کبھی کبھی دل کے ایوانوں میں سے جھانکتا تو وہ اسے پوری قوت سے جھٹلا دیتی، اسے گم دیکھ کر حمیدی صاحب ایک لمحے کو خاموش ہوئے پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"آیئے میرے ساتھ تاکہ میں اسامہ لغاری کو سر درد کی ایک ڈوز دے دوں تاکہ آئندہ کے لئے آپ کو بھی یاد دہانی رہے۔" وہ طنزیہ انداز میں کہتے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے اسامہ کے کیبن کی طرف بڑھ گئے، رحاب خاموشی سے ان کے پیچھے چل دی کیبن کے پاس پہنچ کر انہوں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تو رحاب حیرت زدہ رہ گئی، سامنے ہی اسامہ کرسی پر بیٹھا ٹیبل پہ دونوں ٹانگیں رکھ کر کانوں میں ہیڈ فون لگا ہوا تھا ٹیبل پہ چپس سے بھری پلیٹ اور کافی کا مگ بھی رکھا ہوا تھا، رحاب کے ساتھ والد محترم حمید لغاری کو دیکھ کر وہ حقیقی معنوں میں بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ میں ٹانگیں نیچے کرتے ہوئے کافی کا مگ ٹیبل سے گر کر گل و گلزار بنا چکا تھا جبکہ چپس کی پلیٹ اس کی ٹانگوں سے ٹکرا کر زمین بوس ہو گئی تھی اس کی حالت اس چور کی سی تھی جو رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو رحاب کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی، چوڑیوں سی کھنکتی ہنسی اسامہ نے بے ساختہ نظر اٹھا کر اسے دیکھا جبکہ حمید لغاری بھی اس کی بے ریا اور معصومانہ کھلکھلاہٹ پر اسے دیکھ کر رہ گئے ان کے دیکھ پر وہ خفیف سی ہو کر نظریں جھکا گئی، مگر بہت دیر اسامہ کی حمید لغاری کے ہاتھوں ہونے والی عزت افزائی پر اس کے لبوں سے مسکراہٹ جدا نہ ہو سکی تھی اور اسامہ اپنی عزت افزائی پر اس کی

مسکراہٹ دیکھ کر اپنی جگہ بل کھا کر رہ گیا۔

☆☆☆

آسمان کے نیلاہٹ آہستہ آہستہ زرد رنگ میں بدلنے لگی تھی، وہ نہ جانے آسمان پہ کیا تلاش کر رہی تھیں اور تلاش کے اس عمل میں نجانے اسے کتنا وقت بیت گیا اس کو بچپن سے رات کو آسمان پہ تارے گننا اور صبح رنگ بدلتے آسمان کو دیکھنے کا شوق تھا، اس وقت بھی اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا جبھی اس کی نظر گھڑی پہ پڑ گئی جہاں آٹھ بجنے میں صرف چند منٹ باقی تھے اور ان چند منٹوں میں اسے وہ سب کچھ کرنا تھا جو اتنے تھوڑے وقت میں ناممکن تھا، وہ جلدی سے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گئی، شاور لے کر جلدی جلدی بالوں میں ہاتھ چلا کر انہیں کیچر میں قید کیا اور حسب عادت اسکارف چہرے کے گرد لپیٹ کر دوپٹہ شانوں پہ ڈالا اور باہر آ گئی کمرے سے باہر آ کر اس نے کچن میں ہونے والی کھٹر پٹر کو بغور سنا پھر بی جان کی کچن میں موجودگی کا یقین کر کے باہر کی طرف بڑھ گئی اسے معلوم تھا یوں بغیر ناشتہ اور دعائیں لئے باہر نکل جانے پر بی جان کتنی خفا ہوں گی لیکن ان کی ناراضگی برداشت کرنا حمیدی صاحب کے غصے سے بہتر تھا کیونکہ کل اسامہ کی حمیدی صاحب کے ہاتھوں ہونے والی عزت افزائی اسے یاد تھی، وہ جوں ہی آفس میں داخل ہوئی اس کی نظر سامنے سے آتے فراز پہ پڑ گئی جس کے چہرے کی خوشگواریت بتا رہی تھی کہ ابھی حمیدی صاحب کی آمد نہیں ہوئی اس نے حسب عادت اس کی طرف ایک خوشگوار مسکراہٹ اچھالی اور اپنے کیبن کی طرف بڑھ گئی، ان کے آفس کا ماحول بہت دوستانہ اور خوشگوار تھا، سب کولیگز آپس میں ایک دوسرے سے عزت و احترام اور مل جل کر کام کرتے تھے مگر یہ خوشگواریت اور مسکراہٹ حمیدی صاحب کو دیکھتے ہی سب کے چہرے سے غائب ہو جاتی حمید لغاری فطرتاً برے نہیں تھے موقع محل دیکھ کر ہنس بول لیتے تھے مگر یہ موقع سال میں ایک آدھ بار ہی ہوتا تھا۔

اور اس وقت بھی سب کے چہرے پر مسکراہٹیں تھیں مرد حضرات تو قہقہے بھی لگا رہے تھے وہ اپنی ادھوری رہ جانے والی فائلز کو مکمل کرنے میں مصروف تھیں جبھی اسے اپنے اوپر کسی کی نظروں کی تپش کا احساس ہوا، اس نے سر اٹھا کر دیکھا سامنے ہی اسامہ کھڑا ہوا تھا اس کے دیکھنے پر وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا غبارے کی طرح پھولا اس کا منہ دیکھ کر رحاب کے چہرے پہ بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی، اس نے فوراً اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا مبادا اسامہ کی نظر نہ پڑ جائے مگر اسامہ کے بغور نظریں جمائے رہنے پر وہ یکدم پزل ہو گئی۔

"خیریت کیا کل انکل کی ڈانٹ کی وجہ سے اب تک بے حواس ہو۔" رحاب نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تو اسامہ نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے انٹر کام اٹھا کر چائے اور سینڈوچز کا آرڈر کر دیا، تھوڑی دیر بعد جب چائے اور اسنیکس آ گئے تب اسامہ نے کہا۔

"رحاب میرا خیال ہے اب ہم کو شادی کر لینی چاہیے۔" اور رحاب جو چائے کی پیالی اٹھا کر گھونٹ لینے ہی والی تھی اس کا ہاتھ یکدم چھلک گیا۔

"میرا خیال ہے اسامہ انکل کی ڈانٹ نے تمہارے دماغ پہ کچھ زیادہ ہی اثر کر دیا ہے۔" اس نے اسنیکس کے ساتھ رکھا چیز سینڈوچ اٹھایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"(پاپا کی ڈانٹ نے نہیں بلکہ تمہارے چہرے کی پاکیزگی اور ہنسی کی کھنک نے میرے دل پہ اثر کر دیا ہے)۔" وہ دل میں سوچ کر رہ گیا۔

"کیوں مجھ میں کیا کمی ہے، جو میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"تم میں کوئی خوبی بھی تو نہیں۔" رحاب نے صاف گوئی سے کہا تو اسامہ سلگ کر رہ گیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے۔" اسامہ نے دفاعی انداز اپنایا۔

"بھئی دیکھو ناں اول تو ابھی میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں اور پھر میری شادی کے لئے بی جان کو جن کوالٹیز والا بندہ چاہیے وہ تم میں ایک بھی نہیں ہے۔" رحاب نے شرارت سے کہہ کر نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔

"کیا مطلب کیا ان کو کسی بھی مینی فیکچرنگ فالٹ کے بغیر بندہ چاہیے۔" اسامہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو اسے معصومیت سے پلکیں جھپکیں اس کی معصومیت پر اسامہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

"کیا تم بتانا پسند کرو گی کہ بی جان کو کس قسم کی کوالٹیز درکار ہیں۔" اسامہ نے دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

"ہاں!" رحاب نے ایک مرتبہ پھر اسے شرارت سے دیکھا۔

"ایجوکیٹڈ ہو، فنانشی اسٹرانگ ہو، کیئرنگ ہو، مجھ سے محبت کرتا ہو، پانچوں وقت کا نمازی ہو، حافظ قرآن ہو اور حج بھی کر چکا ہو۔" شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے مستقل ہنسی روکنے کے چکر میں رحاب کا چہرہ سرخ ہو گیا جبکہ اسامہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اتنی کوالٹیز؟"

"ہاں مگر بدقسمتی سے تم میں اس میں سے کوئی بھی خوبی موجود نہیں اور ہاں ایک اور خوبی سب سے بڑھکر محبِ وطن ہو۔" رحاب نے سنجیدگی سے کہا، اسامہ شاکڈ تھا، اس وقت وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں تھا، اسے یہ تو پتا تھا کہ وہ مذاق کر رہی ہے کیونکہ شرارت اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی، مگر وہ اس کی بی جان کو بھی اچھی طرح جانتا تھا وہ یقیناً ان چیزوں کی ڈیمانڈ کر سکتی تھیں کیونکہ وہ ان کی اکلوتی پوتی تھی۔

"اور آنٹی کیسی ہیں انکل بھی نہیں آئے اب تک خیریت۔" اس نے حمید لغاری اور مسز حمید کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے بات کو پلٹا۔

"ہاں ٹھیک ہیں وہ بھی اور پاپا رات کی فلائٹ سے جاپان چلے گئے ہیں۔" اسامہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

"خیریت انکل نے کل تک تو کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں بس وہ ارجنٹ میٹنگ اٹینڈ کرنی پڑ گئی پھر وہ ایک ٹینڈر کے سلسلے میں بھی جانا چاہ رہے تھے، اچھا میں چلتا ہوں تم اپنا کام مکمل کرو بیسٹ آف لک۔" وہ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھا کر کھڑا ہو گیا تو رحاب بھی کھڑی ہو گئی اس کے جانے کے بعد وہ کرسی پہ گر گئی۔

"تم کیا جانو اسامہ راہ میں کتنی مشکلات ہیں اور تم ان مشکلات سے انجان ہو یا انجان بن جانا چاہتے ہو مگر میں نہ انجان ہوں اور نہ انجان بننا چاہتی ہوں۔" وہ تصور میں اس سے مخاطب ہوئی اور آنکھ میں آئی نمی کو پیچھے دھکیل کر سامنے رکھی فائل پہ جھک گئی۔

☆☆☆

سیاہ کارتول پھیلی سورج کی الوداعی کرنیں نرم بادلوں کے پیچھے اپنی چھب دکھا کر چھپنے لگی تھیں آسمان پہ پھیلے سیاہ بادلوں کے باوجود حبس بڑھ رہا تھا، سیاہ لینڈ کروزر سڑک پہ تیزی سے بھاگ رہی تھی، تھوڑی ہی دیر میں لینڈ کروزر لغاری لاج میں داخل ہو گئی، اسامہ لغاری نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اندر کا رخ کیا۔

"اماں بی..... اماں بی کہاں ہیں آپ۔" وہ اماں بی کی تان لگاتا لاؤنج میں رکھے صوفوں پہ ڈھیر ہو گیا۔

"کبھی اتنی بے تابی اپنی ماں کے لئے بھی دکھا لیا کرو بیٹا!" حنا لغاری نے طنز سے بیٹے کو دیکھا۔

"خیریت مام آج آپ کو کیسے خیال آ گیا کہ آپ میری ماں ہیں۔" اسامہ بھی ان ہی کا بیٹا تھا ان کے طنز کا جواب انہی کے انداز میں لوٹایا تو وہ اپنی جگہ چوری بن ہو گئیں کیونکہ مسز لغاری کا شمار ان عورتوں میں ہوتا تھا جو صرف اولاد کو پیدا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں باقی اس کی پرورش سے نہ انہیں کوئی سروکار ہوتا ہے اور نہ مطلب مگر جب یہی اولاد جوان ہو جائے تو اسے کیش کروانے کا انہیں فوراً خیال آ جاتا ہے۔

"اسامہ تمہاری زبان کچھ زیادہ آزاد نہیں ہوتی جا رہی۔" مسز لغاری نے اس کے طنز پر سنبھل کر کہا۔

"تو بیٹا کس کا ہوں مام جان!"

"سکینہ و سکینہ۔" اسامہ نے انہیں جواب دے کر ملازمہ کو آواز دی تو کچن میں ماں بیٹے کی تکرار سنتی سکینہ لپک کر باہر آئی تھی۔

"جی صاحب!"

"اماں بی کہاں ہیں ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" سکینہ نے اس کی بات پر سر جھکا لیا۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب.....
خمار گندم.....
دنیا گول ہے.....
آوارہ گرد کی ڈائری.....
ابن بطوطہ کے تعاقب میں.....
چلتے ہو تو چین کو چلیئے.....
نگری نگری پھرا مسافر.....
خط انشا جی کے.....
بستی کے اک کوچے میں.....
چاند نگر.....
دل وحشی.....
آپ سے کیا پردہ.....

ڈاکٹر مولوی عبدالحق
قواعد اردو.....
انتخاب کلام میر.....

ڈاکٹر سید عبداللہ
طیف نثر.....
طیف غزل.....
طیف اقبال.....

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہاری لاپروائیاں دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہیں ایسا نہ ہو پاپا سے کہہ کر تمہیں فارغ کروانا پڑے۔'' اسامہ نے اس کے اضطراری انداز کو بغور دیکھتے ہوئے کہا جبھی اس کی نظر حنا لغاری پہ چلی گئی جس کے چہرے پہ اضطراب صاف نظر آرہا تھا اس نے ٹھٹک کر ان دونوں کو دیکھا اسے یکدم کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا اس نے بغور لاؤنج کا جائزہ لیا اس کی نظر لاؤنج میں اترنے والی سیڑھیوں کے نیچے بنے کمرے کے کھلے دروازے پہ چلی گئیں، وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا، کمرے میں داخل ہو کر اس نے دیکھا کمرے کے وسط میں ایک سلائی مشین رکھی ہوئی تھی جو سلائی مشین کے اردگرد کپڑا بکھرا ہوا تھا، قینچی اور دیگر سلائی کے آلات بھی اس کے ساتھ زمین پہ بے یارومددگار پڑے ہوئے تھے اور اپنی ناقدری کے ساتھ محبت سے سینت سینت کر رکھنے والے وجود کی ناقدری پہ رو رہے تھے، تب ہی اسے یکدم کچھ یاد آیا۔

وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ گر گیا کچھ انہونی کا احساس ہوتے ہوئے اس نے پوری قوت سے ملازمہ کو آواز دی۔

''سکینہ!''

''جی صاحب!'' سکینہ ڈرتے ڈرتے کمرے میں داخل ہوئی۔

''یہ سب کیا ہے اور اماں بی کہاں ہیں۔'' وہ خاموش کھڑی رہی جبھی اس کے پیچھے کھڑی مسز لغاری لپک کر اس کے قریب آئیں۔

''بیٹا تم آرام کرو اماں بی سے بھی مل لینا پھر۔'' انہوں نے مصنوعی انداز میں اس کو پچکارا تو وہ انہیں نظر انداز کر کے دوبارہ ملازمہ سے مخاطب ہوا۔

''اگر تم نے مجھے صاف صاف نہیں بتایا تو بہتر ہے کہ اس گھر سے تم اپنا سامان سمیٹ لو۔''

''نہیں صاحب ایسا مت کرو۔'' سکینہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس گھر سے بے سائبان ہو گئی تو دو معصوم بچوں کے ساتھ اسے کہیں سائبان نہ ملے گا۔

''بڑی بیگم صاحب گھر چھوڑ کر چلی گئیں۔'' بالآخر اس نے حقیقت بتا دی۔

''واٹ؟'' اسامہ دم بخود رہ گیا۔

''سچ بتاؤ وہ خود گھر چھوڑ کر گئیں ہیں یا پھر.....'' اس نے توقف کیا۔

''ماما نے انہیں گھر سے نکالا ہے۔'' اس نے مسز لغاری کو گھورتے ہوئے کہا مگر وہ خاموش رہی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' اس نے اسے جانے کی اجازت دے دی وہ پلٹ کر ممنون ہوتی واپس کچن میں چلی گئی۔

''تو آپ آخر کامیاب ہو گئیں کیا بگاڑا تھا ماما آپ کا انہوں نے نہ ان کا گھر سے واسطہ تھا نہ کچن سے صرف میری ذات میں ہی تو ان کی پوری دنیا سمائی ہوئی تھی پاپا تک تو وہ آپ کو سونپ چکی تھیں مگر آپ جیسی عورتیں جو کسی کی اولاد اس کی آنکھوں کے سامنے چھین لیتی ہیں تو یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ آپ کی اولاد کو بھی کوئی چھین سکتا ہے، کیا ہوا اگر مجھے چھیننے والی اب تک اس گھر میں نہیں آئی میں اپنے وجود سے تو آپ کو محروم کر ہی سکتا ہوں ناں اب میں اس گھر میں صرف اسی وقت آؤں گا جب اماں بی آئیں آپ کو یہ عالیشان خالی محل بہت مبارک ہو۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا لاؤنج سے نکلتا چلا گیا اور مسز لغاری اپنی بازی پلٹتے دیکھ کر وہیں سر تھام کر رہ گئیں۔

☆☆☆

شام کے سائے دھیرے دھیرے پر پھیلانے لگے تھے، سبک ہوا کے جھونکے جسم سے ٹکرا رہے تھے، وہ دھیرے دھیرے چلتی اس پارک میں داخل ہو کر اپنے مخصوص گوشے کی طرف بڑھ گئی مگر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا پارک کے اس ویران تاریک گوشے میں ایک عمر رسیدہ نسوانی وجود پہلے سے موجود تھا اس نے اپنے قدموں کو پلٹنے کی کوشش کی مگر پھر اس نسوانی وجود کو دھیرے دھیرے ہلتے دیکھ کر وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس بینچ کی طرف بڑھ گئی۔

''ایکسکیوزمی کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔''

اس نے جھک کر اجازت چاہی تو اس کی آواز پر یکدم وہ ڈر گئیں پھر سرعت سے آنکھیں پونچھتے ہوئے انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا، اس نے خاموشی سے کاندھے سے بیگ اتار کر اپنے اور ان کے درمیان بینچ میں موجود خالی جگہ پر رکھ دیا گلابی دوپٹے کے ہالے میں ان کا سرخ و سفید چہرہ چاند کی طرح لگ رہا تھا، اپنی عمر کے پچیسویں سال میں بھی وہ انتہائی چاک و چوبند لگ رہی تھیں، چہرے کی رعنائی اور دلفریبی بھی قابل دید تھی مگر اداس بھیگی آنکھوں میں نہ جانے کون سا دکھ ہلکورے لے رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس عمر میں یہ اتنی خوبصورت لگ رہی ہیں تو جوانی میں کس قیامت خیز حسن کی مالک ہوں گی اور اپنی سوچ پر اسے بے اختیار ہنسی آ گئی اس کے چہرے پہ بکھری مسکراہٹ کو انہوں نے تعجب سے دیکھا تو وہ خفیف سی ہو گئی۔

''آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں آئی مین، میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' اس نے سوال کیا تو اس کے سوال پر انہوں نے نظریں جھکا لیں۔

''تیز آندھی میں جلتے دیئے کی حفاظت کرنے والا سائبان جب نہ رہے تو وہ دیا آہستہ آہستہ ٹمٹمانے لگتا ہے اور پھر بالآخر اپنی زندگی کی مدت پوری کر کے بجھ جاتا ہے میں بھی ایک ایسا دیا ہوں بیٹا جو اب زندگی کی آخری سرحد پر ٹمٹما رہا ہے کیونکہ ہر طرف بے حسی، دولت، دشمنی اور سب سے بڑھ کر نفرت کی آندھی بڑھ گئی ہے بس انتظار ہے کہ یہ دیا کب بجھتا ہے مگر آرزو بھی ہے کہ اپنے ٹمٹماتے وجود کا ایک قطرہ کسی کو دان کر سکوں تاکہ وہ میرے مرنے کے بعد بھی جلتا رہے۔'' انہوں نے آنکھ میں آنے والے آنسو کو اس سے چھپانے کے لئے نظریں جھکا لیں۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔'' رحاب نے الجھ کر کہا اس سے پہلے کہ وہ اسے جواب دیتیں اپنے قریب آتے گارڈ کو دیکھ کر وہ دونوں چونک گئیں۔

''بی بی ہنگامی حالات کی وجہ سے پارک بند کیا جا رہا ہے اس لئے براہ مہربانی آپ بھی پارک خالی کر دیں تاکہ گیٹ بند کیا جا سکے۔'' گارڈ نے قریب آنے کے بعد وجہ بتائی تو رحاب کاندھے اچکا کر رہ گئی جبھی اس کی نظر خوف سے پیلے پڑتے ان کے چہرے پہ پڑ گئی۔

''آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔'' اس نے فکرمندی سے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اس کے سہارے سے پارک کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

''آپ کو کہاں جانا ہے میں آپ کو چھوڑ دیتی ہوں۔'' مین سڑک پر آ کے رحاب نے ان سے پتا پوچھا تو انہوں نے خوف و شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔

''دادی جان آپ کو کہاں جانا ہے۔'' اس نے بے اختیار ان کو دادی جان کہا تو وہ حیرت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اسے دیکھنے لگیں اب انہوں نے اسے بغور دیکھا بلیو جینز پہ سفید کرتا پہنے بلیو ہی اسکارف پہنے ایک ہاتھ میں سفید اور نیلی چوڑیاں اور دوسرے ہاتھ میں بریسلٹ پہنے کاندھے پہ بیگ لٹکائے وہ چہرے پہ فکرمندی سمیٹے معصومیت سے ان سے پوچھ رہی تھی جبکہ رحاب ان کے بغور دیکھنے پر شرمندہ ہونے لگی۔

''بیٹی اگر دار الامان، پتہ ہے تو مجھے وہاں تک پہنچا دو تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔'' انہوں نے اس سے عاجزی سے کہا تو وہ شاکڈ رہ گئی، شناسائی کی جو لہر انہیں دیکھ کر اٹھی تھی وہ ان کے لفظوں سے معدوم ہونے لگی تھی وہ سوچنے لگی۔

''کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے ان کے بڑھاپے کا خیال نہ کرتے ہوئے انہیں دار الامان جانے پر مجبور کر دیا۔'' اس نے چند لمحے سوچ کر فیصلہ کیا اور ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

''آپ میرے لئے دادی جیسی محترم ہیں اور پوتی کے ہوتے ہوئے دادی ایک دار الامان میں جا بسے یہ ناممکن ہے آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں، میرے گھر میں صرف میں اور میری بی جان رہتی ہیں میرا گھر آپ کے گھر جیسا شاہان شان تو نہیں مگر عزت و محبت اور احترام آپ کو مجھ سے اور میری بی جان سے ضرور ملے گا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' رحاب نے ان کے بہتے آنسو پونچھ کر انہیں یقین دلاتے ہوئے سہارا دیا اور پاس سے گزرتی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روک لیا تھوڑی دیر بعد ٹیکسی ان کی مطلوبہ منزل کی طرف رواں تھی۔

''ٹھک ٹھک ٹھک۔'' دروازے پہ ہونے والی ٹھک ٹھک پہ رفعت جہاں نے ہاتھ میں پکڑا ادھ چھلا آلو ٹوکری میں رکھا اور دروازہ کی طرف بڑھ گئیں دروازہ کھول کر انہیں سامنے کھڑی رحاب کی ساتھ اجنبی صورت نظر آئی تو ان کے قدم رک گئے۔

''السلام علیکم بی جان!'' اس نے محبت سے سلام کر کے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں تو انہوں نے کاندھوں سے تھام کے اس کی پیشانی چوم لی ان سے الگ ہو کر رحاب نے اپنے ساتھ آنے والی اجنبی نفوس کا تعارف کروایا۔

''بی جان آپ کو تنہائی کا شکوہ رہتا تھا ناں میں آپ کے لئے دوست لے کے آئی ہوں آیئے دادی جان۔'' اس نے ان کا ہاتھ تھام کر آگے کیا تو وہ اجنبی نفوس آگے بڑھا بی جان کی نظریں ہنوز ان پر تھیں جبکہ آنے والے کی آنکھ میں الجھن تھی کیونکہ دونوں شناسائی اور بے شناسائی کے دوراہے پہ تھیں جیسے دونوں ایک دوسرے کے چہروں میں کسی اپنے کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

''بی جان مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' رحاب کے بھوک کا شور مچانے پر وہ ان دونوں کو صحن میں رکھے تخت پہ بیٹھنے کا اشارہ کرتی کچن کی طرف بڑھ گئیں، تھوڑی دیر میں رحاب نہا دھو کر واپس آئی تو رفعت جہاں اس کی پسند کے دال چاول کے ساتھ مصالحے والے آلو بھی تیار کر چکی تھیں اس دوران اجنبی کی نظریں صحن میں آتی جاتی رفعت جہاں پر گویا جم سی گئی تھیں، بڑے سے صحن میں دستر خوان بچھا کر کھانا ترتیب دیا گیا تو اجنبی کے ذہن پہ لگا قفل ایک جھٹکے سے کھل گیا اور قفل کھلتے ہی بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

''تم رفعت ہو ناں حاجی صاحب کی رفی۔''

ان کے منہ سے نکلے لفظوں پر کچن سے دال کا ڈونگا لاتی رفعت جہاں کے قدم ساکت ہو گئے۔

''تم۔'' انہوں نے الجھن بھری نظروں

سے انہیں دیکھا۔

''میں ساجدہ ہوں حیات چورن والوں کی بہو تو مجھے پہچانی نہیں رفی۔''

''بہو۔'' وہ دال کا ڈونگا تیزی سے دستر خوان پر رکھ کر ان کے قریب آئیں اور پھر دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر زار و قطار رو دیں جبکہ رحاب اس انوکھے انجان رشتے پر نافہم انداز میں ان دونوں کو روتے دیکھ رہی تھی جو ہر چیز سے بے پرواہ نہ جانے اپنے بچھڑنے پہ رو رہی تھیں یا بچھڑ کر مل جانے پر رحاب کافی دیر تک ان دونوں کو روتے دیکھتی رہی پھر پہلے اس نے بی جان کو شانوں سے تھام کر الگ کیا اور ان کے رخسار پر پہلے آنسوؤں کو محبت سے صاف کر کے انہیں صحن میں بچھے تخت پر بٹھایا پھر وہ پلٹ کر ساجدہ کی طرف بڑھی اس نے ان کے آنسوؤں کو بھی محبت سے پونچھا اور فرط محبت سے لپٹ گئی، ان کی آنکھوں میں اتری اداسی اسے اپنے رگ و پے میں اترتی محسوس ہو رہی تھی اور رحاب کی اس درجہ محبت پر وہ ایک بار پھر رو دیں، وہ ان کے لئے پہلے اجنبی تھی مگر وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ وہ اس کے لئے اجنبی نہیں ہیں رحاب نے نہ صرف ان سے بلکہ رفعت جہاں سے بھی یہ بات پوشیدہ رکھی تھی کہ وہ انہیں جانتی ہے۔

☆☆☆

رات ہو چکی تھی، اسامہ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک چکا تھا ہر ہاسپٹل، دار الامان حتیٰ کہ اس نے دل میں اٹھتے خدشے کے پیش نظر مردہ خانے بھی دیکھ لئے تھے، مگر اسے اماں بی کہیں نہیں ملی تھیں رات کے بارہ بج گئے تھے اس نے دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا اور اس وقت بھی وہ بھوک پیاس سے بیگانہ پچھلے چھ گھنٹے سے مستقل گاڑی لے کے گھوم رہا تھا بالآخر اس نے تھک ہار کر گاڑی ایک ہوٹل کے آگے روک دی، لغاری ہاؤس جانے کے بجائے وہ پی سی میں آ گیا وہ اپنی بے بسی حنا لغاری کی نظروں میں نہیں لانا چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں ہر رشتہ کو بھلا کر صرف اسے ساجدہ لغاری (اماں بی) کے حوالے سے ٹارچر کریں گی اور وہ اس وقت صرف تنہائی چاہتا تھا، ریسپشن سے کمرہ بک کروا کے وہ اوپر کی سیڑھیاں چڑھ گیا کمرے کا دروازہ کھول کے وہ اندر داخل ہوا اور جوتوں سمیت ہی بیڈ پہ دراز ہو گیا، بے بسی آنسوؤں کی صورت اب باہر نکلنے لگی تھی وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے اماں بی کو یاد کرتے کرتے نجانے کب سو گیا۔

☆☆☆

رات کے دس بج رہے تھے وہ کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی جبکہ سامنے ہی لاؤنج میں رکھے تخت پہ ساجدہ لغاری اور رفعت جہاں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں اس نے ایک نظر انہیں دیکھا برتن دھو کر ریک میں لگائے چولہے اور سلیب وغیرہ صاف کر کے لائٹ آف کی اور واش روم کی طرف بڑھ گئی وضو کر کے اس نے عشاء کی نماز ادا کی نماز ادا کر کے جب وہ باہر آئی تو وہ دونوں باتوں میں مصروف تھیں۔

''بی جان گیارہ بجنے والے ہیں اب تک آپ نے نماز بھی ادا نہیں کی۔'' اس نے دوپٹہ کی تہیں کھولتے ہوئے رفعت جہاں کو وقت گزرنے کا احساس دلایا تو وہ گھڑی پہ نظر ڈال کے ساجدہ لغاری کو سونے کی ہدایت کرتی نماز پڑھنے کے لئے اٹھ گئیں، کیونکہ نماز کے بعد ان کی تسبیحات طویل ہوتی تھیں اس لئے وہ احتیاطاً تاکید کر کے اٹھیں تھیں مبادا ساجدہ لغاری ان کے انتظار میں نہ بیٹھی رہیں ان کے جانے کے بعد ساجدہ لغاری نے رحاب سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بیٹا! میں اتنا تو جان چکی ہوں میں کہ تم مجھے جانتی ہوں لیکن یہ مجھے نہیں معلوم کہ کس حوالے سے اور کب سے جانتی ہو۔" ان کے پوچھنے پر رحاب نے انہیں مسکرا کر دیکھا پھر بولی۔

"پہلے آپ یہ بتائیں کہ اگر میں غلطی پہ نہیں ہوں تو آپ اسامہ کی اماں بی اور لغاری ٹریڈیشنل والے حمید لغاری کی والدہ ہیں، ہاں۔" انہوں نے مسکرا کر تائید کی۔

"اسامہ میرا یونیورسٹی فرینڈ ہے اور لغاری انکل بابا کے بہت اچھے دوست تھے میں انہی کے آفس میں کام کرتی ہوں آپ کو شاید یاد نہ ہو مگر لاسٹ ائیر نیو ائیر پارٹی میں اسامہ نے مجھے آپ سے ملوایا تھا اس لئے میں آپ کو دیکھتے ہی پہچان گئی تھی مگر میں نے قصداً آپ کو نہیں بتایا تھا اور اب تو بی جان کے حوالے سے آپ سے ایک اور رشتہ بھی نکل آیا ہے۔" اس نے محبت سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کے ان کی پیشانی چوم لی تو اس کی محبت پر انہوں نے فرط محبت سے اسے لپٹا لیا ان سے الگ ہو کر اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"دادی جان اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں۔"

"ہاں بیٹی پوچھو اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔" ساجدہ لغاری تو اس کے محبتوں کے انداز پر نہال ہو گئی تھی۔

"آپ کل کہہ رہی تھیں ناں کہ اگر سائبان نہ رہے تو....." اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑی۔

"کیا وجہ تھی کہ آپ اس طرح بے یارو مددگار کھڑی تھی، کیا لغاری انکل کا رویہ آپ کے ساتھ خراب ہے یا پھر....."

"نہیں بیٹا اس بے چارے نے کیا کہنا ہے وہ تو بس ایسے ہی۔" انہوں نے ٹالنا چاہا۔

"بتائیں ناں دادی جان۔" رحاب نے اصرار کیا وہ ان سے ضد کرنے لگی۔

"اچھا بتاتی ہوں اپنے بارے میں سب کچھ کیونکہ تمہاری بات تو میں کبھی نہ ٹال سکوں گی مگر پہلے ایک چیز بتاتی ہوں جس سے تم کو بھید بھری کہانی کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔" اس کی محبت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے انہوں نے اور پھر نظر سناتے سناتے وہ اپنے ماضی میں کھو گئیں ماضی جو انسان کو کبھی بھولتا نہیں۔

جلتی بجھتی شمعیں ہیں ماہ و سال میرے
ڈھلتا سورج میرے ماضی کی لحد کا کتبہ
ریگ صحرا کی لکیریں ہیں خدوخال میرے
چاند میرے تن پہ ہے مجروح سنگ اعزاز
دھوپ چھاؤں میرے صد چاک، لبادے کا خراج

سب ستارے میری پوشاک کے پیوند نحیف
میرے آنسو میرا ورثہ میری آنکھوں کا مزاج
آج کی شام کہ ہر سال اسی شام کے ساتھ
میری اکھڑی ہوئی سانسوں میں گرہ لگتی ہے
آسمان وقت کے آنچل پہ دھنک بنتا ہے
ساری دھرتی تن عریاں کی زرہ لگتی ہے
آج کی شام کہ ہر سال مرے زخم نواز
مسکراتے ہوئے کچھ پھول عطا کرتے ہیں
کچھ مسیحا میرے خاطر میرا دل رکھنے کو
خط میں جینے کی دعا بھیج دیا کرتے ہیں
سالہا سال گزرنے پہ بھی اس دل ناداں کو
آج کی شام مناتے ہوئے ڈر لگتا ہے
مسکراتے ہوئے چہروں کے بھنور میں
آخری شمع جلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے
دل دھڑکتا ہے کہ جلتی ہوئی شمعوں کا دھواں

شعلہ کرب میں تحلیل نہ ہو جائے
کیونکہ جلتی ہوئی شمعوں کا بھروسہ کیا ہے
زندگی تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا ہے

☆☆☆

"حیات احمد خان دہلوی ہندوستان کے شہر دہلی سے ہجرت کر کے آئے تو کراچی شہر کو اپنا مسکن بنایا شہر ابھی پورا آباد نہیں ہوا تھا جابجا بڑے بڑے میدان اور ٹیلے ایسے تھے جو انسانوں سے آباد ہونے کے منتظر تھے، وہ بھی ایک بڑا سا میدان تھا جہاں قدم قدم پر لٹے پٹے مہاجرین جھگیاں ڈال کے رہ رہے تھے اور خدا کے شکر گزار تھے کہ انہیں اپنی سرزمین میسر ہے اور اب انہیں کوئی بے دخل کرنے والا یا تنگ کرنے والے ہندو یہاں نہیں، تھوڑے عرصے بعد بالآخر قدرت کو ان کے بے سروسامان زندگی پر ترس آ گیا اور ان مہاجرین کو حکومت کی طرف سے وہ بڑا میدان آباد کرنے کی اجازت مل گئی اور گویا وہاں تو سب اجازت کے منتظر تھے سب نے حسب توفیق اور حسب استطاعت اپنے مکانوں اپنے گھروں کی تعمیر شروع کر دی حیات صاحب بھی ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے ساتھ بیوی کو ہمراہ لئے اسی میدان میں جگہ تلاش کر کے کچا پکا گھر بنانے میں کامیاب ہو گئے، حاجی صاحب سے ان کی ملاقات اسی آبادی میں ہی ہوئی تھی اور پھر آہستہ آہستہ یہ دوستی گھریلو تعلقات میں بدلنے لگی وقت کا کام گزرنا تھا خدا نے ان کو مزید بیٹوں سے نوازا اور اپنی رحمتوں کے بدلے میں اپنی نعمت یعنی ان کا بڑا بیٹا ان سے واپس لے لیا، وقت گزرتا گیا پہلا گھاؤ ان لوگوں کو جب لگا جب 1965ء میں ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا وہ آسمان جوان کا سائبان تھا یکدم جنگی جہازوں کی گھن گھرج اور گولہ بارود کے ساتھ شہیدوں کے لہو سے سرخ ہونے لگا اور پھر ملک میں یہ اعلان کہ پاکستان نے ہندوستان کو شکست دے دی ہے ہمارے لئے ہفتہ اقلیم کی دولت تھا، میں اور رضی ساری ساری رات آسمان کو دیکھتے اور بہتے آنسوؤں سے اپنے ملک کی سلامتی دعائیں مانگتے گو کہ رضی مجھ سے دو سال چھوٹی تھی مگر ہم دونوں میں گہری دوستی ہماری ذہنی ہم آہنگی کا ثبوت تھا اور پھر اس جنگ کے تین سال بعد میری شادی ہو گئی اس وقت میں تیرہ سال کی تھی۔"

"جی!" رحاب کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

"صرف تیرہ سال کی دادی جان!"

"ہاں پہلے وقتوں میں لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کی شادی کا فریضہ انجام دے دیا جاتا تھا۔"

"ویسے دادی جان آپ کی شادی کس سے ہوئی تھی۔" رحاب نے لبوں پر مچلتے سوال کو زبان دی۔

"میرے خالہ کے بیٹے سے یعنی فرسٹ کزن، ساجد حیات سے۔" مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"اس عرصے میں خدا نے مجھے ایک پیارے سے بیٹے کی ماں بنا دیا، میں ماں کے درجے پر فائز ہو کر بہت خوش تھی جب غم و جدائی کی آزمائش اور موت و زندگی کے بیچ ایک عجیب سا سنگم پیدا ہو گیا، ہندوستان نے سازش کے تحت پاکستان کے مشرقی حصے کو الگ کر دیا اور آگ و خون کا کھیل شروع ہو گیا جہاں نظر اٹھاؤ وہاں آگ اور خون کی ہولی تھی اس پر مستزاد تیز آندھی طوفانی جھکڑوں اور آسمان سے برستی بارش نے ہمارے رہے سہے حواس بھی ختم کر دیئے، آندھی اتنی شدید تھی کہ ٹین کی چادروں سے بنائی گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھت کو ایک جھٹکے سے اتار پھینکتی اور ہوا کے زور پہ اڑتا ٹین کا ٹکڑا کبھی کسی انسان کی گردن اڑاتا دور جا گرتا تو کبھی کسی درخت کو ان کی مضبوط چھالوں سے بے نام و نشان کر کے خود بھی تھک ہار کر گر پڑتا، مشرقی پاکستان کے وہ دریا جو اپنے پانی سے کھیتوں کو سیراب کرتے تھے اس ماہ ان کھیتوں کو ان دریاؤں کے ساتھ مسلمانوں کے خون سے مل کر سیراب کیا اور کھیتوں کے سیراب کیے جانے والے پانی میں میری ساس اور سسر کا خون بھی شامل تھا، میری وہ ساس جنہوں نے مجھے ماں سے بڑھ کر عزت و محبت دی اور سسر نے باپ سے بڑھ کر شفقت و ناز اٹھائے، ان دونوں کی وفات سے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی ان دیکھے ہاتھ نہ سر سے آسمان گھسیٹ لیا ہو لیکن پھر چند دنوں بعد ہمیں بھی صبر آ گیا کیونکہ موت وہ واحد چیز ہے جس پر دیگر صدمات کے مقابلے میں جلد ہی صبر آ جاتا ہے کیونکہ انسان ساری دنیا سے ٹکرا سکتا ہے، مگر حکم الٰہی سے نہیں۔'' کھوئی کھوئی سی کیفیت میں ساجدہ لغاری سب کچھ بیان کر رہی تھیں جسے رحاب بہت انہماک سے سن رہی تھی۔

☆☆☆

ساجدہ تاج نے سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا، باہر بارش برس رہی تھی، وہ گردن موڑ کر کھڑکی کو دیکھنے لگیں جہاں ابر آلود رات بہہ رہی تھی اور بارش کی باریک پھوار شیشہ بھگو رہی تھی ساجدہ لغاری کو یک لخت خیال آیا کہ بارش ان کا کوئی گہرا تعلق ہے کیونکہ بارش ان کی زندگی کے ہر اہم موقعہ پر ضرور برسی تھی چاہے وہ خوشی کا ہو یا غمی کا انہیں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے دیکھ کر رحاب پیاس کی شدت کو محسوس کر کے پانی پینے اٹھ گئی، کیونکہ اس وقت ساجدہ لغاری جدائی کے لمحات میں گم تھیں اور اس وقت جدائی کے یہ لمحات انہیں اپنی سنگی ساتھی محسوس ہو رہے تھے، وہ قطرہ قطرہ آنسوؤں کی برسات میں بہنے لگی اور پھر نہ جانے کب آنسوؤں کی بارش میں بھیگتی نیند کی وادی میں اتر گئیں، رحاب اندر آئی تو ساجدہ لغاری کو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سوتے دیکھ کر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

رات بھر ساجدہ لغاری کی داستان حیات سن کر وہ انہیں کو سوچتی رہی اور ان سوچوں میں تلاطم فجر کی اذان کی آواز سے پڑا وہ بھاری ہوتے سر کو انگلیوں سے دباتی اٹھ کر وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اسامہ کو ساجدہ لغاری کے بارے میں جب تک کچھ نہیں بتائے گی جب تک وہ ان کی پوری زندگی کی داستان معلوم نہ کر لے گی اور ارادے کو تقویت دے کر وہ واش روم کی طرف بڑھ گئی، فریش ہو کر باہر آئی تو ساجدہ لغاری کمرے میں موجود نہیں تھیں ایسے لگا گویا انہیں نیند میں ہی اذن مل گیا ہو خدا کے دربار میں حاضری کا، حیران کن سوچوں کو جھٹک کر اس نے نماز کی نیت باندھ لی، نماز ادا کر کے اس نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور پھر دعا مانگ کر باہر آ گئی، رفعت جہاں اس پل اسے چہرے کے گرد لپیٹے باہر نکلتے دیکھ کر حیران رہ گئی اور پھر انہوں نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

''السلام علیکم بی جان!'' اس نے سلام کر کے ان کے دونوں ہاتھ چوم لئے اور ساجدہ لغاری کی طرف بڑھ گئی، جہاں وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔

''السلام علیکم دادی جان!'' اس نے انہیں سلام کر کے محبت سے ان کے ہاتھ چومے تو انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کے محبت سے اپنے ساتھ لپٹا لیا، کسی کی یاد بہت شدت سے حملہ

آوار ہوئی تھی اور وہ جانتی تھی کہ وہ اسامہ لغاری کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، ناشتہ کر کے وہ تیار ہو کر آفس کے لئے نکل گئی، جس وقت وہ آفس پہنچی تو چند ایک کولیگز اس کے ساتھ ہی آفس کی بلڈنگ میں داخل ہو رہے تھے اس نے بے ساختہ کلمہ شکر ادا کیا کہ وہ آفس میں اکیلی نہیں ہو گی لنچ ٹائم تک اس نے اسامہ کے آنے کا انتظار کیا مگر وہ لنچ پر بھی نہیں آیا تو اس نے لنچ کے بعد اسامہ کے نمبر پر ٹرائی کیا جہاں آپریٹر کے پاور ڈ آف کہنے پر اس نے موبائل کو تشویش سے دیکھا اور سامنے سے پڑی فائل کو بے دلی سے اپنی طرف گھسیٹ لیا پھر وہ سارا دن وقفے وقفے سے اس کے نمبر پہ کال ملاتی رہی مگر نمبر آف ہی رہا حمید لغاری بھی جاپان گئے ہوئے تھے ورنہ وہ انہیں سے اس کی بابت پوچھ لیتی، آفس ٹائم آف ہونے کے بعد اس نے ایک بار پھر اسامہ کے نمبر پہ ٹرائی کیا تو دوسری بیل پہ یہ فون ریسیو کر لیا گیا۔

''کہاں ہو تم آج آفس کیوں نہیں آئے اور سیل کیوں آف کیا ہوا ہے صبح سے۔'' اس نے کال ریسیو ہوتے ہی اسامہ پہ سوالوں کی بوچھاڑ کر دی اور وہ بے چارا ارے ارے سنو تو کہتا رہ گیا مگر رحاب نے اسے آفس آنے کی حکم بھری دھمکی دے کر فون آف کر دیا فون بند کرنے کے بعد اس نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی، سوالات کی بوچھاڑ کرنا، دھمکی دینا اور ساتھ ہی دھونس بھرے حکم چلانا رحاب آفاق کی سرشت میں شامل نہ تھا مگر اس وقت اس کا رویہ چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا کہ اسامہ کو روز دیکھنا اس سے ملاقات کرنا صرف رحاب آفاق کی عادت نہیں رہی بلکہ اسامہ لغاری اس کی محبت بن چکا ہے اور یہ وہ جذبہ تھا جس سے وہ آج تک نظریں چراتی تھیں مگر اسامہ لغاری کی ایک دن کی غیر حاضری نے اس کی سات پردوں میں چھپی محبت کو پل بھر میں عیاں کر دیا تھا۔

☆☆☆

شام کے سائے رات سے گلے ملنے لگے تھے، وہ جس وقت تھکی ہاری گھر پہنچی سات بج رہے تھے، رفعت جہاں اس کی اتنی دیر سے آمد پہ پریشان ہو گئیں تھیں حالانکہ وہ حمید لغاری کو اپنے بیٹے کے توسط سے بہت اچھی طرح جانتی تھی اور جب سے انہیں یہ بتا چلا تھا کہ حمید لغاری ساجدہ لغاری کے بیٹے ہیں تو وہ اور بھی مطمئن تھیں مگر جب گھڑی کی سوئیوں نے سات کا ہندسہ بھی پار کیا تو ان کی پریشانی دیدنی تھی کیونکہ رحاب نہ صرف ان کی اکلوتی پوتی تھی بلکہ ان کے اکلوتے مرحوم بیٹے کی نشانی بھی تھی ان کی جان گویا رحاب میں بند تھی، وہ جس وقت گھر میں داخل ہوئیں تو اس کو تھکا ہارا دیکھ کر ان کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا، زرد اسکارف میں اس کا چہرہ بھی زرد ہو رہا تھا، فریش ہو کر اس نے کھانا کھایا پھر عشاء کی نماز ادا کر کے وہ کمرے میں چلی آئی نہ جانے کیوں آج کسی سے بھی بات کرنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا اسے خود اپنی کیفیت سمجھ نہیں آ رہی تھی دل تڑپ تڑپ کر اس کے نام کی دہائی دے رہا تھا، جبھی ساجدہ لغاری کے کمرے میں داخل ہونے پر اس نے اپنے آپ کو کمپوز کر لیا۔

''کیسا دن گزرا آپ کا دادی جان!'' اس نے لہجے میں بشاشت پیدا کی تاکہ وہ اس کی پریشانی اخذ نہ کر سکیں۔

''اللہ کا شکر بیٹا بہت اچھا گزرا۔'' انہوں نے بیڈ پہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے جگہ بنائی۔

منظر کچھ خاص نہ بدلا تھا، بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ساجدہ لغاری اور انہی کے برابر گود میں تکیہ رکھ کے اس پہ کہنیاں ٹکا کر چہرے پہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زمانے بھر کا تجسس سمیٹے بیٹھی رحاب بیڈ کے پیچھے بنی شیشے کی بڑی سی کھڑکی کے باہر چپکے چپکے بہتی رات اور اس رات کے ساتھ سفر کرتے بادو باراں ساجدہ لغاری کی دھیمی و یکساں متوازن آواز پورے کمرے میں بکھر رہی تھی۔

''اماں جی اور ابا جی کے انتقال کے بعد زندگی سکون کی آغوش میں ابھی قدم رکھنے ہی لگی تھی کہ ایک اور کڑی آزمائش ہم پہ آپڑی۔''

''وہ کیا؟'' رحاب کے منہ سے ساختہ نکلا۔

''جنگی قیدی۔'' ساجدہ لغاری نے یک لفظی جملہ کہا۔

''جنگی قیدی کیا مطلب دادی جان!''

''مشرقی پاکستان میں موجود مغربی پاکستانیوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی مرد و عورتوں حتیٰ کہ بچوں کو بھی وہاں فوج جنگی قیدیوں کی حیثیت سے پکڑنے لگی اور پھر ایک دن چند فوجی مجھے احمر اور لغاری صاحب کو ایک بڑی سی گاڑی میں بٹھا کر بڑے سے میدان میں لے آئے، اس کھلے میدان میں چارپائیاں اور چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اس میدان کے پچھواڑے میں ایک اور میدان تھا جہاں مردوں کو رکھا گیا تھا یعنی ایک میدان مردوں کے لئے اور ایک میدان عورتوں کے لئے بنایا گیا اور ہفتے میں ایک دن ہم عورتوں کو اپنے شوہروں سے ملنے کی اجازت ہوتی اس میدان میں ہی خدا نے مجھے ایک بیٹی سے نوازا جس کا نام میں رومیصہ رکھا یوں شوہر کی جدائی کا زخم خدا نے اپنی ننھی رحمت کو بھیج کر قدرے کم کر دیا اور زندگی کا یہ سفر قدرے آسان ہوگیا پھر ایک سال بعد ہماری دعاؤں اور حکومتی عہدیداروں کی کوششوں سے ہمیں رہائی نصیب ہوئی جس وقت میں نے کراچی بندرگاہ پہ قدم رکھا میں وہیں گیلی ریت پر سجدہ شکر میں گر گی۔'' رہائی کے وہ پل یاد کر کے ساجدہ لغاری کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور قید میں گزری وہ زندگی انہیں ایک مرتبہ پھر زخمی کر گئی، وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں ان کے آنکھوں میں ٹھہری نمی اور حلق میں سسکیاں اٹکتی محسوس ہو رہی تھیں، رحاب نے بے ساختہ آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ان کی ڈھارس بندھائی تو انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر دوبارہ گویا ہوئیں۔

''ہمارے کراچی آنے کے تھوڑے عرصے بعد لغاری کو ان کے دوست کے توسط سے ملازمت مل گئی اور یوں زندگی کی گاڑی ایک دفعہ پھر رواں ہوگئی مگر جب زندگی کی ڈور آزمائشوں سے جڑی ہو تو زندگی بہت کٹھن ہو جاتی ہے، لغاری کی ملازمت ملنے کے بعد خدا نے مجھے ایک بار پھر اپنی نعمت سے نوازا جس کا نام میں نے حمید لغاری رکھا۔'' انہوں نے اتنی محبت سے کہا کہ رحاب کو بے اختیار حمید لغاری پہ رشک آنے لگا۔

''مگر حمید کی پیدائش کے چند ماہ بعد جب ابھی ہم اس کی خوشی بھی صحیح طرح سے نہ منا سکے تھے احمر ہمیں چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔'' بیٹے کی یاد نے ان کی مامتا کے زخموں کو ادھیڑ دیا اور وہ ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر ہچکیوں سے رو دی تھیں ان کو اس طرح روتے دیکھ کر رحاب یکدم گھبرا گئی مگر رفعت جہاں نے آگے بڑھ کر انہیں بازوؤں میں سمیٹ لیا رحاب نے انہیں حیرت سے دیکھا وہ وہاں کب آئیں انہیں معلوم ہی نہ ہو سکا، اس نے جلدی سے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے جگ اٹھا کر گلاس میں پانی ڈالا اور ان کی طرف بڑھا دیا جسے رفعت جہاں نے تھام کر اپنی عزیز از جان دوست کو خود اپنے ہاتھ سے گھونٹ گھونٹ پلایا، سہیلی کے دکھوں پر ان کی اپنی آنکھیں بھیگ

لگیں، تھوڑی دیر بعد جب وہ اپنے آپ کو سنبھال چکیں تو رفعت جہاں نے انہیں لٹا دیا اور رحاب کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ نہ کچھ پوچھنے کا اشارہ کر کے اسے باہر جانے کا عندیہ دیا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ساجدہ لغاری کی کیفیت دیکھ کر باہر چلی گئی، تھوڑی دیر بعد رفعت جہاں بھی ان کے اوپر کمبل ڈال کے احتیاط سے لائٹ آف کر کے باہر آگئیں۔

☆☆☆

وہ فاران بلڈرز کی فائل کو مکمل کرنے میں منہمک تھی جب اسے اپنے قریب مخصوص کلون کی خوشبو محسوس ہوئی اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا سامنے اسامہ کھڑا تھا، وہ یکدم کھڑی ہو گئی، رحاب نے اسے بغور دیکھا اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی جبکہ سرخ و سفید رنگت پہ آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ حلقے کافی نمایاں تھے اور اس کی یہ حالت کس چیز کے پیش نظر تھی وہ جانتی تھی کیونکہ وہ اس کی ساجدہ لغاری کی محبت سے آگاہ تھی۔

''تم کب آئے آفس مجھے پتا ہی نہیں چلا۔'' رحاب نے دل میں ہونے والی اتھل پتھل کو سنبھالنے کے لئے فائل کو بے ترتیب کرنا شروع کر دیا، اسامہ نے اس کو بغور دیکھا وہ نظریں چرا رہی تھی اور وہ اس کے نظریں چرانے پر حیرت زدہ تھا، کیونکہ وہ خوبصورت تھی پر اعتماد تھی اس طرح نظریں چرانا اس کی عادت میں شامل نہ تھا، مگر اس پل رحاب آفاق کی نظروں کی چوری اور چہرے کی رنگت نے اس کے چہرے کو ایک جاذبیت سی دے دی جو اسامہ نے دیکھی ضرور مگر محسوس نہ کر سکا کیونکہ وہ اپنی حالت سے بیگانہ نہ تھا۔

''پتا نہیں کب آیا تھا۔'' اسامہ نے اس کے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے کہا، یہ وہ چہرہ تھا جس سے وہ ہر بات بے دھڑک کہہ دیا کرتا تھا مگر آج وہ بے بس تھا وہ اس سے کیسے کہتا کہ اس کی ماں جیسی دادی کو اس کی جنم دینے والی ماں نے گھر سے نکال دیا ہے اور وہ انہیں تلاش کر کے ہار چکا ہے، اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی نمی وہ دیکھ چکی تھی جبھی ہاتھ میں تھمی فائل ٹیبل پہ رکھ کر وہ اس کے قریب آگئی نہ جانے کیوں آج دل پر اس بات سے بغاوت کر رہا تھا، جسے وہ ناپسند کرتی تھی اور اس کی یونیورسٹی کے زمانے سے دوست تھی مگر عورت اور مرد کا رشتہ ہونے کی وجہ سے فاصلہ رکھ کے ملتی تھی مگر آج وہ دل کے ہاتھوں ہارنے لگی تھی جبھی اس کے قریب آ کے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر اس نے نرمی سے پوچھا۔

''کس بات سے پریشان اور بے بس ہو۔''

اور وہ جو اس کے قریب آنے اور نرمی سے پوچھنے پر حیران و پریشان تھا اس کے اپنے کاندھے پہ دھرے ہاتھ کو دیکھ کر مزید حیرت زدہ رہ گیا اسے رحاب کے انداز و اطوار بدلے ہوئے محسوس ہو رہے تھے جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔

''میں نے پوچھا ہے اسامہ تم کیوں پریشان اور بے بس ہو۔''

''پریشان میں اس لئے ہوں کہ اماں بی نہ جانے کہاں چلی گئی ہیں وہ بھی بتائے بغیر اور بے بس اس لئے ہوں کہ میں انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک چکا ہوں اور کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں میں نے انہیں نہ ڈھونڈا ہو، سوائے ایدھی ہوم کے سرد.....'' اس کے جملہ پورا کرنے سے قبل ہی رحاب نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ایسے تو مت کہو اسامہ وہ جہاں بھی ہوں گی یقیناً خدا کی حفاظت میں ہوں گی اور یقیناً خوش و خرم اور پرسکون بھی۔'' اس کے مبہم انداز میں کہہ کر رخ موڑنے پر اسامہ نے چونک کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے دیکھا۔

''تم جانتی ہو وہ کہاں ہیں؟'' اس کے سوال پر وہ یکدم گڑبڑا گئی۔

''نہ..... نہ..... نہیں مجھے کیا معلوم وہ کہاں ہیں۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا تو اس کے ہکلانے اور چھپانے پر اسے یکدم کوئی سراغ مل گیا وہ کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''مجھے بتاؤ رحاب وہ کہاں ہیں؟'' اس نے رحاب کو یکدم جھنجھوڑا۔

''پلیز آئی سو ہیئر میں کسی کو بھی نہیں بتاؤں گا حتیٰ کہ پاپا کو بھی نہیں مگر پلیز مجھے ان کا پتا بتا دو۔''

''مجھے نہیں معلوم۔'' رحاب نے رکھائی سے کہہ کر منہ موڑ لیا حالانکہ اس کے بچوں کے انداز میں ماں جیسی تڑپ دیکھ کر اس کا بے ساختہ دل چاہا وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ساجدہ لغاری کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دے مگر وہ ان کی قسم سے مجبور تھی اس لئے ان کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی تھی اس لئے صاف انکار کر دیا اور اس کے چھپانے اور صاف انکار پہ اسامہ نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا اور شکستہ قدموں سے اپنے کیبن کی طرف بڑھ گیا وہ چاہتا تو اس سے دوسرے طریقوں سے بھی معلوم کر سکتا تھا مگر وہ جانتا تھا رحاب آفاق اپنی کمٹمنٹ کو ترجیح دے گی اس لئے خاموشی سے باہر کی طرف بڑھ گیا مگر باہر نکلنے سے پہلے اس نے رحاب کے چہرے پہ پھیلی بے بسی اور آنکھوں میں ٹھہری نمی دیکھ لی تھی اس کے باہر نکلتے ہی وہ کرسی پر ڈھے گئی اور آنکھوں کی نمی آنسوؤں کی صورت باہر نکلنے لگی۔

☆☆☆

عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھا کے وہ ساجدہ لغاری کے کمرے کی طرف بڑھ گئی ساجدہ لغاری حسب معمول تسبیح پڑھ رہی تھیں جبکہ ان کے چہرے پہ آنسو تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر رہے تھے، ان کو اس طرح روتے دیکھ کر اسے بے اختیار اسامہ یاد آ گیا تو وہ لپک کر ان کے قریب آ گئی ان کے ہاتھ سے تسبیح لے کر کارنس پر رکھی دونوں ہاتھوں سے ان کے آنسو صاف کیے اور ان کے ہاتھ تھام کر بیٹھ گئی۔

''دادی جان! آج میری تین دن بعد اسامہ سے ملاقات ہوئی تھی وہ تین دن بعد آج آفس آیا تھا۔''

''کیسا ہے میرا اسامہ!'' انہوں نے تڑپ کر پوچھا تو ان کے تڑپنے اور اسامہ کی حالت کا سوچ کر اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔

''دادی جان! آپ اپنی قسم توڑ دیں ورنہ اسامہ ٹوٹ جائے گا (ساجدہ لغاری نے اسے قسم دی تھی کہ وہ اسامہ کو ان کی یہاں موجودگی کا نہیں بتائے گی اسی وجہ سے وہ پابند ہو گئی تھی)۔'' یہ کہہ کر وہ ان کے کاندھے پہ سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور روتے ہوئے اس نے اسامہ کی جو حالت بیان کی وہ ساجدہ لغاری کا دل چیر گئی وہ اس کے رونے پر حیران تھیں پھر اسکی کل کی حالت اور آج اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ کر وہ بہت کچھ سمجھ گئیں وہ جان گئی تھیں اس پل کہ اگر اسامہ لغاری ان کی قسم بندی سے ٹوٹ گیا تو اس کے ٹوٹنے سے یہ معصوم محبت کے جذبے سے گندھی لڑکی ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

''ٹھیک ہے میں تم سے اپنی قسم واپس لے رہی ہوں تم اسے کل یہاں لے آنا۔'' ساجدہ لغاری نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے ہدایت دی تو وہ جو ان سے لپٹی ہوئی تھی یکدم الگ ہو گئی، اس نے پہلے حیرت سے ساجدہ

لغاری کو دیکھا پھر بولی۔

''اٹس ناٹ فیئر دادی جان (یہ بالکل صحیح نہیں ہے)۔'' ان کے اتنی آسانی سے مان لینے پر احتجاج کیا تو ساجدہ لغاری اس کے احتجاج پہ حیران رہ گئیں۔

''کیا صحیح نہیں ہے۔'' انہوں نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کی لائف آف ہسٹری تو پوری ہوئی نہیں۔'' اس کے لائف آف ہسٹری کہنے پر ساجدہ لغاری کی ہنسی چوٹ گئی، دکھوں اور غموں کو سہنے کے بعد یہ پہلی بے ساختہ ہنسی تھی جو رحاب نے ان کے چہرے پہ دیکھی تھی ان کو ہنستے دیکھ کر اس نے ان کے آنکھوں کی نمی کو صاف کیا اور خوشی کے مارے ان کے گلے لگ گئی۔

''اچھا بتاتی ہوں۔'' انہوں نے فرط محبت سے اس کا سر اپنے سینے سے لگایا اور اس کی کمر کے گرد بازو پھیلا کر اسے اپنے قریب کر لیا، ان کی آواز کا زیر و بم رحاب کو اپنے دل میں دھڑکتا محسوس ہونے لگا۔

''احمر کی وفات کے بعد زندگی نے ایک بار پھر ہمیں سہارا دے کر اپنے مقابل کھڑا کر لیا اور آہستہ آہستہ غموں کی چادر ہٹنے لگی اور خوشیوں نے ہمارے گھر کا بھی راستہ دیکھ لیا، لغاری نے نیا بزنس ایک دوست کے توسط سے اسٹارٹ کر لیا تھا مگر شاید زندگی کے دامن میں میرے لئے آزمائشیں باقی تھیں، جبھی حمید ابھی چودہ سال کا تھا کہ لغاری نے بھی اس دنیا سے ناطہ توڑ لیا۔'' وہ چند پل خاموش ہو گئیں ان کی سسکیاں رحاب کو اپنے دل میں اترتی ہوئی لگ رہی تھیں اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں جبکہ آنسو قطار در قطار بہہ رہے تھے اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی گویا شریک سفر کا دکھ آج بھی تازہ تھا چند پل خاموش رہنے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئیں۔

''اتنے دکھ جھیلنے کے بعد لغاری کی جدائی کا دکھ بھی میری سخت جان آرام سے سہہ گئی اور لغاری کے بزنس پارٹنر جو انتہائی ایماندار آدمی تھے ان کی بدولت میں رومیسہ اور حمید کی پرورش کے باقی دن بھی آرام سے گزار گئی کیونکہ انہوں نے لغاری کے حصے سے ہر ماہ ملنے والا منافع نہایت ایمانداری سے میرے ہاتھ پہ رکھ دیا وہ فرم جسے تم لغاری ٹریڈیشنل کے نام سے جانتی ہو درحقیقت میرے شوہر کی ہے جسے آج حمید کی محنت اور کوششوں نے آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا ہے، رومیسہ شادی ہو کر انگلینڈ چلی گئی تو گھر کی تنہائی ختم کرنے کے لئے میں نے حمید کی شادی کر دی، حنا میرے اور حمید کے دور پار کے رشتہ داروں کی بیٹی ہے، جس دن اسامہ پیدا ہوا، میں بے انتہا خوش تھی کہ میری بہو کو پہلے دن سے میری اسامہ سے محبت ناپسند تھی مگر قدرت کا کرشمہ اسامہ کی میرے ہی ہاتھوں پرورش ہوئی کیونکہ میری بہو آہستہ آہستہ ہائی کلاس کے رنگ میں رنگنے لگی تھی میں اپنی مامتا کے آگے مجبور تھی اس لئے اس کی جلی کٹی سن کر گزار دیتی اور اپنی مامتا کی محبت کے آگے مجبور ہو کر ہی آج میں اس گھر سے نکالی گئی ہوں۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی دادی جان!''

''اصل میں بیٹا بات یہ ہے سردیوں میں میری سانس کی تکلیف بڑھ جاتی ہے اور ڈاکٹروں نے کہا ہے اگر یہ تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو ہاتھ پاؤں مڑنے کے علاوہ فالج کا بھی حملہ ہو سکتا ہے ہر قسم کے تیل دوائیاں اور دیگر چیزیں استعمال کر لیں مگر یہ تکلیف ختم نہیں ہوئی اسامہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے مجھ سے کہا تھا اس کا ایک دوست انگلینڈ میں ہے جس سے اس نے بات کر لی ہے اور اب صرف ٹکٹ خریدنا باقی ہیں پھر وہ مجھے انگلینڈ لے جائے گا، میرا علاج بھی ہو جائے گا اور میں رومیصہ سے بھی مل لوں گی، میری بہو کو یہ بات از حد ناگوار گزری کہ اس نے بہانہ ڈھونڈ کر مجھ پر الزامات لگائے اور پھر بالآخر گھر سے نکال جانے کا حکم دے دیا۔'' کہہ کہ ساجدہ لغاری خاموش ہو گئیں۔

''مگر مجھے زندگی سے کوئی گلہ نہیں۔'' انہوں نے کہہ کر آنکھیں موند لیں گویا یہ اشارہ تھا رحاب آفاق کے لئے کہ اب وہ تنہائی چاہتی ہیں رحاب نے دیوار گیر گھڑی پہ نظر دوڑائی تین بج رہے تھے۔

''شب بخیر دادی جان!'' وہ ان کی پیشانی چومتی انہیں شب خیر کہہ کر باہر نکل گئی۔

شب بخیر ان کے لبوں سے ٹوٹ کر ادا ہوا اور آنسو رواں ہو گئے، رات کی تاریکی میں یادوں کی یلغار پہ انہیں نہ جانے کیا کچھ یاد آنے لگا تھا، چاند کی روشنی چھن چھن کر کھڑکی سے آ رہی تھی۔

خاموش ہے چاندنی قمر کی
شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی
وادی کے نوا فروش خاموش
کہسار کے سبز پوش خاموش
فطرت بے ہوش ہو گئی ہے
آغوش میں شب کے سو گئی ہے
کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے
نیگر کا خرام بھی سکوں ہے
تاروں کا خموش کارواں ہے
یہ قافلہ بے دار رواں ہے
خاموش ہیں کوہ دشت دریا
قدرت ہے مراقبے میں گویا
اے دل تو بھی اب خاموش ہو جا
آغوش میں غم کو لے کے سو جا

اولاد کی جدائی، شریک سفر کی جدائی اور ماں باپ سے ملنے والی جدائی ایک ساتھ حملہ آور ہوئی تھی اور دل نے نہ جانے کیوں بہت شدت سے خاک ردا اوڑھنے کی خواہش کی تھی اسی سوچ میں نہ جانے کب ان کی آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

وہ جس وقت آفس میں داخل ہوئی چاروں طرف خاموشی تھی صرف حمیدی صاحب کے کمرے سے ان کے بولنے کی آواز آ رہی تھی، غصے میں ہونا ان کا سرخ چہرہ رحاب کو دور سے نظر آ رہا تھا اس نے گلاس ونڈو سے جھانکا تو اسامہ سامنے ہی کھڑا تھا گویا انہیں ساجدہ لغاری کی گمشدگی کا معلوم ہو گیا تھا اس لئے اسامہ زیر عتاب تھا، آج کا دن شامت اعمال کا دن تھا وہ سیدھی اپنے کیبن کی طرف بڑھ گئی ابھی اس نے بیٹھنے کے لئے کرسی کھینچی تھی کہ انٹر کام کی بیل بج اٹھی اس نے ریسور اٹھایا تو حمیدی صاحب کی آواز سنائی دی۔

''مس رحاب ذرا میرے کمرے میں آیئے۔'' اس نے ایک نظر ریسور کو دیکھا اور دوسری نظر گلاس ونڈو پہ ڈالی جہاں حمیدی صاحب گویا اسی کے منتظر تھے۔

''مے آئی کم ان سر!'' اس نے گھبراہٹ میں اسکارف ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا۔

''یس کم آن۔'' وہ اندر آ گئی۔

''بیٹھیے۔'' انہوں نے اسامہ کے برابر والی خالی کرسی پہ اسے بیٹھنے کا حکم دیا تو وہ کرسی گھسیٹ کر فوراً بیٹھ گئی، مبادا اسے بھی جھاڑ نہ پڑ جائے۔

''رحاب بیٹا۔'' ان کے بیٹا کہنے پر رحاب

کو لگا وہ بے ہوش ہو جائے گی، مگر وہ خاموش بیٹھی رہی۔

''آفاق سے دوستی کی بدولت تم مجھے بہت عزیز ہو اور یہی وجہ ہے کہ میرے گھر کے حالات سے بھی کافی حد تک واقف ہو۔'' انہوں نے اپنی بیگم کے رویہ کو حالات کا نام دیا تھا۔

''جی سر!'' اس نے ان کے خاموش ہو جانے پر فوراً جواب دیا۔

''تو بیٹا بات یہ ہے کہ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ میری والدہ ساجدہ لغاری کا آپ کے گھر آج کل قیام ہے۔'' انہوں نے اندھیرے میں تیر چھوڑا جو سیدھا نشانہ پہ جا لگا، وہ یکدم ان کے سوال پہ گڑبڑا کے کھڑی ہو گئی۔

''آپ کو کیسے معلوم سر!'' اس نے بیوقوفانہ سوال کیا۔

''بیٹھیے۔'' انہوں نے اسے اشارہ کیا پھر ان کے سختی سے پوچھنے پر وہ انہیں اپنے ساتھ لے جانے کی اور ان سے ملاقات کی تفصیل بتانے لگی۔

''اور سر اسامہ کو نہ بتانے کی بھی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ دادی جان نے مجھے قسم دی تھی مگر انہوں نے اب اپنی قسم واپس لے لی ہے اس لئے اب اسامہ جب چاہے ان سے مل سکتے ہیں۔'' اس نے تفصیل بتا کر آخر میں اسامہ کو نہ بتانے کی بھی وضاحت کر دی۔

''اور میں۔'' حمیدی صاحب نے جھک کر شرارت سے پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

''سر آپ بھی۔''

''او کے تو پھر اسامہ چلیں۔'' ان کے چلیں کہنے پر اس نے اپنے برابر بیٹھے انتہائی سنجیدہ اور خاموش بیٹھے اسامہ کو دیکھا تو دل ڈوبنے لگا کیونکہ سنجیدگی اس کے چہرے پہ صرف اسی وقت نظر آتی تھی جب وہ ناراض ہوتا تھا، حمید لغاری کی گاڑی میں بیٹھ کر وہ لوگ رحاب کے گھر کی طرف روانہ ہوئے جس وقت وہ لوگ ان کے گھر پہنچے ظہر کی اذانیں شروع ہو چکی تھیں اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو دروازہ رفعت جہاں نے کھولا۔

''السلام علیکم بی جان!'' رحاب کے ساتھ دو مردوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر دروازہ میں ہی رک گئیں۔

''بی جان یہ میرے باس حمید لغاری ہیں اور یہ ان کے صاحبزادے اسامہ لغاری۔'' اس کے حمید لغاری کہنے پر رفعت جہاں نے چونک کر انہیں دیکھا تو اس نے باقی جملہ بھی ادا کیا۔

''بی جان یہ دادی جان کے بیٹے ہیں۔'' اس کی وضاحت پر وہ مسکرا کر رہ گئیں۔

''اچھا اچھا ماشاءاللہ آؤ بیٹا۔''

''سر آپ بیٹھیے میں دادی جان کو بلاتی ہوں۔'' وہ اپنائیت سے کہتی اندر کی طرف بڑھ گئی جبکہ حمید لغاری اس کی محبت سے دادی جان کہنے پر حیرت زدہ سے اسے دیکھ رہے تھے، جبکہ اسامہ صرف خاموش تھا کیونکہ وہ جانتا تھا خدا نے محبت کی مٹی سے تخلیق کی ہوئی یہ لڑکی ہر جگہ اپنی محبت کی خوشبو بکھیر کے اپنا گرویدہ کرنا جانتی ہے، تھوڑی دیر میں ساجدہ لغاری ان کے سامنے تھیں۔

''اماں بی!'' ''اسامہ!'' دونوں نے ایک دوسرے کو پکار کے ایک ساتھ ایک دوسرے کی طرف بڑھے تھے اور پھر دونوں ہی ایک دوسرے سے لپٹ کر رو دیئے تھے ان کو اس طرح روتے دیکھ کر رحاب کے بھی آنسو نکل آئے، تھوڑی دیر بعد حمید لغاری نے خود آگے بڑھ کر ان دونوں کو الگ کیا اور ماں کو سہارا دے کر پاس رکھے تخت پر بٹھا لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اماں جان مجھے معاف کردیں میں حنا کی طرف سے آپ سے معافی مانگتا ہوں۔'' حمید لغاری نے ان کے آگے ہاتھ جوڑے تو ساجدہ لغاری نے ان کے بندھے ہاتھ کو کھول دیا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دے کر معافی کا عندیہ بھی دے دیا۔

''ارے حمید تم اپنی رفعت سے نہیں ملے مگر خیر تم کہاں جانتے ہوں گے۔'' انہوں نے یکدم تعارف کرواتے ہوئے رک کر کہا تو بیٹے کے اگلے جملے پہ چونک گئیں۔

''جانتا ہوں اماں جان بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔'' انہوں نے مسکرا کر ماں کے لفظوں کی تردید کی۔

''کیا مطلب؟'' تو وہ ان کے ہاتھ چھوڑ کے دوسرے تخت پر بیٹھی رفعت جہاں کے پاس دوزانو بیٹھ گئے۔

''یہ میرے دوست آفاق کی ماں ہیں اماں جان، آفاق۔'' ساجدہ لغاری کے لب پھڑ پھڑائے۔

''ہاں اماں جان آفاق جو میرا بہت اچھا دوست تھا گو کہ ہماری دوستی کی مدت بہت مختصر تھی مگر وہ بہترین دوست ہونے کے ساتھ بہترین بھائی بھی تھا میں غلط تو نہیں کہا خالہ جان۔'' اس نے رفعت جہاں سے تائید چاہی تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا، بیٹے کی یاد نے ان کے آنسوؤں کو باہر نکلنے کا راستہ دے دیا۔

اگر آج ان کا بیٹا ہوتا دل میں ایک ہوک سی اٹھی جسے انہوں نے بہت صبر سے دبا لیا، حمید لغاری کو اپنے باپ کے دوست کی حیثیت سے جان کر جہاں وہ شاکڈ تھی وہیں باپ کے ذکر پر بے ساختہ الٹے قدموں اندر چلی گئی، حمید لغاری کو اسامہ پہ شفقت لٹاتے دیکھ کر اسے بارہا باپ کی کمی محسوس ہوئی مگر آج نہ جانے کیوں یہ کمی ایک ایسا خلا نظر آنے لگی جو شاید کبھی پر نہیں ہونا تھا، اسامہ نے اسے اندر جاتے دیکھ لیا تھا ابھی وہ اس کے پیچھے جانے کا قصد کر رہا تھا ساجدہ لغاری کے لفظوں نے اس کے قدموں کو روک لیا حالانکہ یہ اسامہ لغاری کی خواہش بے شک تھی مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کی خواہش ایسے پوری ہوگی، ساجدہ لغاری نے رفعت جہاں کے قریب بیٹھ کر جھولی کے انداز میں اپنا دوپٹہ پھیلا دیا، اسامہ اور حمید لغاری نے اچنبھے سے ان کے انداز کو دیکھا۔

''رفی، رحاب میری جھولی میں ڈال دے اسے میرے اسامہ کی دلہن بنا دے۔''

''سجو ایسے تو نہ کہہ۔'' انہوں نے تڑپ کر عزیز از جان سہیلی کا دوپٹہ سمیٹا اور اسے گلے لگا لیا۔

''رحاب تیری ہے سجو وہ کل بھی تیری تھی آج بھی تیری ہے۔'' انہوں نے روتے روتے ہوئے اقرار کیا تو دوست کی وفا پر ساجدہ لغاری بھی رو دیں چند لمحوں بعد انہوں نے ان سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

''مگر سجو حمید بیٹے سے تو پوچھ لو اور اسامہ بیٹا۔'' وہ تذبذب کا شکار تھیں۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں خالہ جان آفاق میرا بھائیوں جیسا دوست تھا اور دوست کی بیٹی بھی تو اپنی بیٹی ہوتی ہے ناں آپ اجازت نہیں بلکہ حکم کریں خالہ جان کہیں تو ابھی بارات لے آؤں۔'' حمید لغاری نے مزاحیہ انداز سے کہا تو ساجدہ لغاری نے ان کے شانے پر ہاتھ مارا۔

''چل ہٹ بالکل ہی سٹھیا گیا بیٹے کی شادی کی خوشی میں۔'' اور ان کی محبت پر رفعت جہاں کی پلکیں بھیگ گئیں کیونکہ انہیں یقین ہو گیا

تھا کہ ان کی پوتی کا نصیب محبت کرنے والوں اور قدر کرنے والوں سے جڑا ہے۔

☆☆☆

یونہی انجانے میں اس سے رفاقت ہوگئی
دوستی کرنے چلے اور اس سے چاہت ہوگئی
وہ نہ ہو تو میں خود سے ہی الجھتا ہوں
کیا کروں مجھے اس کی عادت ہوگئی
میں اپنے وجود میں اس کو تلاش کرتا ہوں
مجھے اس سے اس قدر محبت ہوگئی
میرے پاس آئے تو جی لوں دو پل
میری تو ہر سانس اس کی امانت ہوگئی
میں سوچتا تھا اس کے آگے زندگی کیا ہے محسن
پر اسے چاہنے کے لئے زندگی کی ضرورت ہوگئی

اسامہ نے دروازے پہ کھڑے ہو کر نظم پڑھی تو کھڑکی کے سامنے کھڑی رحاب یک لخت چونک کر مڑی آنسو تسبیح کے دانوں کی طرح اس کے چہرے پہ بکھرے ہوئے تھے اسے مسکراتے چہرے کے ساتھ کھڑا دیکھ کر رحاب نے خفگی سے منہ موڑ لیا۔

''کیا ہوا مستقبل کی مسز اسامہ لغاری نظم پسند نہیں آئی یا محبت کا اظہار سننا چاہتی ہو۔'' اس کے شرارت سے کہنے پر وہ تپ گئی۔

''خوش فہمی ہے جناب کی کہ میں تمہاری مسز بننا چاہوں گی نہ کہ تم سے اظہار کرنا۔'' اس نے ناک چڑھائی۔

''تو پھر مجھے اماں بی کا پتا نہ بتانے کے بعد خود کیوں پھوٹ پھوٹ کر روئی تھیں، کیونکہ تم اپنی محبت عیاں ہونے سے ڈرتی تھیں اور اب اس بات سے ڈرتی ہو کہ کہیں مجھے کھو نہ دو۔'' رحاب نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں اسے یقین ہو گیا تھا کہ جس طرح محبت خوشبو کی طرح پھیلتی ہے اور اس کی محبت بھی کسی خوشبو کی طرح اسامہ لغاری تک پہنچ گئی تھیں۔

''مجھ سے محبت کرتی ہو تو مجھے کھونے سے کیوں ڈرتی ہو رحاب۔'' اس نے انگلی سے اسکی چہرہ اونچا کیا تو اس نے ایک نظر اسے دیکھا پھر بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔

کچھ باتیں ان کہی رہنے دو
کچھ باتیں ان سنی رہنے دو
سب باتیں دل کی کہہ دیں
اگر تو باقی کیا رہ جائے گا
سب باتیں دل کی سن لیں
اگر تو باقی کیا رہ جائے گا
ایک اوجھل سی بے کلی رہنے دو
ایک رنگین ان دیکھی دنیا رہنے دو
اک کھڑکی کھلی رہنے دو
کچھ باتیں ان کہی رہنے دو

اسامہ نے مسکرا کر اسے دیکھا تو اس نے آگے بڑھ کر اس کے کاندھے پر سر رکھ کر طمانیت سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

ابن انشاء کی کتابیں
طنز و مزاح سفرنامے
- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلئے،
- نگری نگری پھرا مسافر،

لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم آخری جزیرہ ہو

اُم مریم

چوتھی قسط کا خلاصہ

معاذ جانے سے قبل پپا کی جانب پیش رفت کرتا ہے اور ان سے اپنی بدتمیزیوں اور گستاخی کی معافی طلب کرتا ہے، پپا اسے کچھ بھی جتلائے بنا فراخدلی سے معاف کر دیتے ہیں۔

نوریہ، معاذ کی جدائی کے خیال سے اپ سیٹ ہے، معاذ جاتے وقت ائیر پورٹ پہ جہان کے دل کا پوشیدہ راز اس پہ آشکار کر کے اسے حیران کر دیتا ہے، معاذ زینب سے اس کی انوالومنٹ کو دل سے پسند کرتا ہے اس کی خواہش ہے جہان زینب کا زندگی کا ساتھی بنے۔

جہان کی حیرت ختم ہوتی ہے تو پہلی بار ایک اطمینان اس کا گھیراؤ کر لیتا ہے، وہ زینب کو ہمیشہ کے لئے پا لینے کے خیال سے سرشار ہے۔

زینب جہان سے شلالے کی بہن کی شادی میں جانے کی بات کرتی ہے اور پپا سے اجازت دلوانے کا اصرار بھی جہان کو اعتراض تو ہوتا ہے مگر وہ زینب کی خواہش کا احترام کرتا ہے، زینب خوشی میں اپنی تیاری شروع کر دیتی ہے۔

پرنیاں کو اس کی خواہش پہ پپا شاہ ہاؤس کی بجائے فارم ہاؤس چھوڑ دیتے ہیں جہاں قابل بھروسہ ملازمین اس کی خدمت پہ مامور ہیں۔

پانچویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے

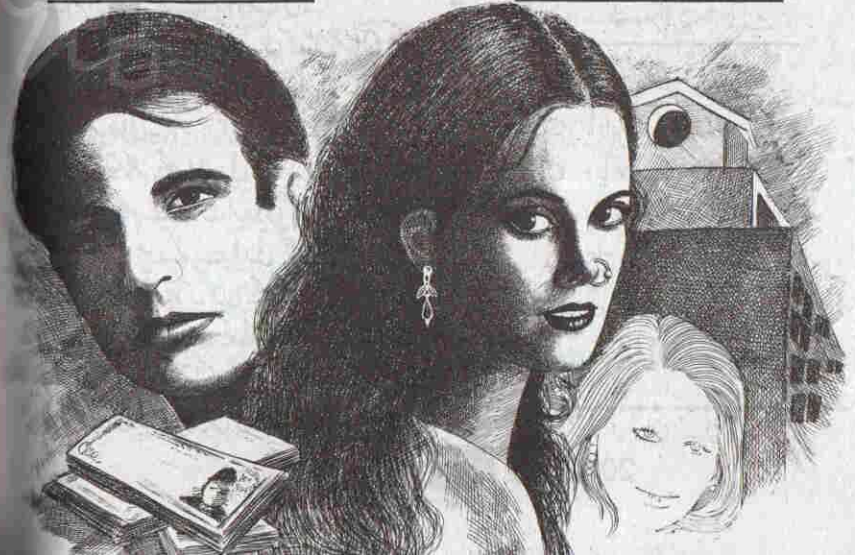

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فضول ضد ہے زینی! بہرحال میں چاچو سے بات کروں گا۔'' اس نے فی الفور اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا اور ذرا فاصلے پہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''تھینکس میں اپنی پیکنگ کر لوں پھر؟'' وہ بے طرح خوش ہو گئی تھی اور ایسے وقت جب وہ مسکراتی اس کی خوبصورتی مزید بڑھ جاتی تھی، جہان نے دانستہ اسے دیکھنے سے گریز برتا، اس کے جانے کے بعد وہ بے دم سے انداز میں صوفے پہ گرا، معاً اس نے اپنا داہنا ہاتھ نگاہوں کے سامنے کیا جہاں ہتھیلی کی پشت پہ زینب کے گداز ہاتھ کا مہکتا ہوا لمس اترا تھا، وہ ابھی تک گویا اسی ایک لمحے کے حصار میں مقید تھا، ایک سنسنی کا احساس اس کے وجود میں سرسرایا تھا جسے اس کے ہونٹوں پہ جانے کس خیال نے مسکراہٹ بکھیر دی۔

(میں تمہیں کبھی ضرور بتاؤں گا کہ میں نے کس لمحے تمہیں کتنا چاہا اور کتنا محسوس کیا، میں کبھی تمہیں جذبوں کی ایسی شدت سے ضرور پوچھوں گا کہ تم عشق کی معراج کو چھو آؤ، اپنی ساری بے تابیاں تم پہ عیاں کرنے کے لئے مجھے اسی پل کا انتظار ہے صدیوں سے جب تم مکمل طور پہ میرے اختیار میں ہو گی۔)

اس کے سیل پہ ہونے والی مسلسل بیل نے اسے خیالات کی اس حسین نگری سے واپس کھینچا تھا، وہ چونک کر کسی حد تک ناگواری سے سیل فون کو دیکھنے لگا مگر اسکرین پہ بلنک کرتے نمبر کے ساتھ موجود نام نے اس کی ناگواری کو دور کر کے مسکراہٹ کو پھر سے ہونٹوں کی زینت بنا دیا تھا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام جیتے رہو۔'' جواباً معاذ شرارتاً ہنسا تو جہان نے بھی اپنی ہنسی کو شامل کر دیا تھا۔

''بہت خوش لگ رہے ہو؟''

''اللہ کا کرم ہے تم سناؤ؟''

''گڈ، یہاں سردی بہت ہے یار۔''

''ہاں وہ تو تمہیں پہلے بھی معلوم تھا۔'' جہان ہنسنے لگا۔

''گھر میں سب خیریت ہے؟'' چند اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد معاذ کے سوال پہ جہان نے اسے باری باری سب کی خیریت بتلا دی۔

''تم کچھ مسینگ کر رہے ہو جے!'' معاذ کے سوال پہ وہ ٹھٹکا تھا۔

''کیسی مسینگ؟''

''پپا کی پینڈو بہو صاحبہ! یقیناً میرے جاتے ہی شاہ ہاؤس میں دندناتی پھرتی ہوں گی۔'' وہ اتنی دور بیٹھ کر بھی اپنی جان جلا رہا تھا، جہان نے متاسفانہ سانس بھری تھی۔

''نہیں معاذ! وہ یہاں نہیں آئیں۔''

''واٹ؟'' معاذ کو جھٹکا لگا تھا۔

''آئی کانٹ بیلواٹ۔''

''اس میں یقین نہ کرنے والی کون سی بات ہے؟'' جہان نے کچھ تلخ انداز میں ٹوکا۔

''پپا تو جیسے میرے جانے کے منتظر تھے۔''

''آئی تھینک بھابھی نے خود آنے سے انکار کیا ہے، وہ ہاسٹل میں ہوتی ہیں۔''

''احمق لڑکے آج کل ونٹر سیزن چل رہا ہے کالج، ہاسٹل بھی بند ہیں، وہ وہاں کیسے رہ رہی ہو گی؟''

''آئی ڈونٹ نو لیکن وہ یہاں نہیں آئیں۔'' جہان نے جواباً کہا تو وہ جھلانے لگا تھا۔

''دماغ درست ہے اس کا؟ اتنی اکڑ کس بات کی ہے؟''

''تم بتاؤ تمہیں ان کی اتنی فکر کیوں ہے؟ وہ جہاں بھی رہیں۔'' جہان کو بھی غصہ آنا شروع ہو گیا حد تھی مطلق الفسانی کی بھی۔

''وہ نکاح میں ہے میرے کیوں فکر نہیں ہو گی، اگر ایسی ہی من مانی کرنی ہے تو اس بندھن سے آزادی حاصل کر لے پہلے۔''

''ہاں تم تو خود یہی چاہتے ہو۔'' جہان نے کچھ اور سلگ کر کہا۔

معاذ نے جھلا کر سلسلہ کاٹ دیا تھا، جہان نے تاسف سے سیل فون کو دیکھا پھر سر جھٹکنے لگا۔

☆☆☆

ہم نشیں کیسے بتاؤں جذبہ دل کیا ہے
خود بتائے گی محبت کہ محبت کیا ہے
عشق کو لوگ مسیحا کیوں سمجھ بیٹھے ہیں
گر نہیں عشق حقیقت تو حقیقت کیا ہے
آیا پروانہ گرا شمع پہ جل جل کے مرا
تو اب بھی سوچ رہا ہے کہ محبت کیا ہے
عشق کو بھول کے دنیا کو ہے جنت کی تلاش
عشق کی آگ اگر دوزخ ہے تو جنت کیا ہے

شام کا وقت تھا، وہ آفس سے لوٹا تو تھکن اس کے چہرے سے عیاں تھی، مما جان کو سلام کرتا ہوا وہ چائے کا کہہ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھا ہی تھا کہ زینب جو اسی کی منتظر تھی سرعت سے اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

''جے بات کی آپ نے پپا سے؟'' اس کے عجلت بھرے انداز میں بے صبری تھی، اسے یہ بھی احساس نہیں تھا اسے یہ بات کرنے سے پہلے کم از کم جہان کو تھوڑا ریلیکس ہونے کا ٹائم دینا چاہیے، اسے ہمیشہ اپنی پرواہ رہی تھی، دوسروں کے حوالے سے وہ ایسی باتیں سوچنے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کیا کرتی تھی، جہان کچھ خفیف سا ہو گیا، اسے ابھی زینب کے یاد دلانے پہ ذہن میں آیا تھا کہ کوئی کام زینب اس کے ذمے لگا چکی تھی۔

''میں آج بات کرتا ہوں چاچو سے۔'' اپنے کمرے کا بند دروازہ کھول کر بریف کیس صوفے پہ رکھتے ہوئے اس نے لائٹس آن کی تھیں، زینب جو اس کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی کس قدر خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''اس کا مطلب آپ کو یاد نہیں رہا، جے آپ کے نزدیک میری بات کی یہی اہمیت ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا کچھ نہیں تھا اس شا کی لہجے میں، خفگی، جھنجھلاہٹ، استحقاق، مان، جہان جو دل و جان سے اس کا اسیر تھا جیسے اس پل اس اپنائیت کے مظاہرے پہ گھائل ہو کر رہ گیا۔

''یہ بات نہیں ہے زینب! مصروفیت میں ذہن سے نکل گیا، میں بات کروں گا، چاچو آ گئے کیا؟'' مستقبل قریب میں اسے یہ سارے حقوق حاصل ہونے والے تھے جہان تو کب کا اسے یہ سارے مان سونپ چکا تھا، ایک ہی تو تھی جو دل و جان پر حکمران تھی، معاذ نے جو کچھ ائیر پورٹ پہ اس سے کہا تھا اس کے بعد جہان کے اندر جو غیر یقینی اور خدشات و واہمے سر سراتے رہتے تھے ایکدم سے چھٹ گئے تھے، اس دن کے بعد سے وہ خود کو بہت آسودہ اور سرشار محسوس کرتا تھا۔

''پپا تو کب کے آئے ہوئے ہیں، آپ کو نہیں پتہ؟'' زینب نے منہ بسور کر کہا تو جہان آہستگی سے مسکرایا۔

''نہیں میں میٹنگ میں تھا اور چاچو آفس میں، خیر میں جاتا ہوں ان کے پاس۔'' وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا ہوا الٹے قدموں پلٹ گیا، زینب نے اسے فریش ہونے اور چینج کر لینے کا بھی موقع نہیں دیا تھا، اس کے جانے کے بعد زینب نے کاندھے اچکائے تھے اور اس کے بیڈ پہ نیم دراز ہو کر سرہانے پڑی کتاب اٹھالی، صفحہ موڑ کر ایک نظم کو خصوصی توجہ دی گئی تھی، وہ بے خیالی میں پڑھنے لگی۔

تجھ کو معلوم نہیں تجھ کو بھلا کیا معلوم
تیرے چہرے کے یہ سادہ سے اچھوتے سے نقوش
میرے تخیل کو کیا رنگ عطا کرتے ہیں
تیری آنکھیں، تیری زلفیں، تیرے عارض، تیرے ہونٹ
کیسی انجانی سی معصوم خطا کرتے ہیں
خلوت بزم ہو یا جلوت تنہائی ہو
تیرا پیکر میری آنکھوں میں ابھر آتا ہے

اس کے اندر ہلچل مچی، اتنے خوبصورت جذبے اتنے دلکش احساسات بھلا کس کے نام تھے؟ وہ جز بز اور بے چین ہوتی اٹھ کر بیٹھ گئی، بارہا لگا تھا کہ وہ اسے خاص نگاہ سے دیکھتا ہے، مگر اس کے انداز اتنے نارمل اتنے عام سے ہوتے تھے کہ اگلے پل زینب کو اپنی یہ خوش فہمی لگنے لگتی۔

''ارے جہان کدھر چلا گیا؟'' وہ اسی شش و پنج میں ڈوبی ہوئی تھی کہ مما خود چائے کے بڑے مگ سمیت اندر چلی آئیں، جہان کو موجود نہ پا کر انہوں نے حیرانی سے استفسار کیا تھا۔

''پپا کے پاس گئے ہیں۔''

''کیوں؟ آتے ہی کون سا کام پڑ گیا تھا، چائے تو پی لیتا فریش ہو کے چلا جاتا، تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ مجھے تو لگتا ہے تمہی نے اسے کسی کام کا کہا ہوگا۔'' مما نے اسے کڑی نظروں سے گھور کر دیکھا تو وہ بجائے خائف ہونے کے تنتنا اٹھی تھی۔

''آپ ہمیشہ میری طرف سے ہی مشکوک رہیے گا، میں نے کوئی پہاڑ کھودنے کا کام نہیں سر ڈال دیا موصوف کے، اسی گھر کے ایک کمرے تک گئے ہیں بس۔'' وہ چیخ کر کہتی پیر پٹختی وہاں سے

چلی گئی، مما نے گہرا سانس بھر کے چائے کے مگ کو دیکھا پھر خود بھی جہان کی تلاش میں کمرے سے نکل گئی تھیں۔

☆☆☆

''السلام علیکم چاچو!'' جہان کو وہ اپنے روم کی بجائے اسٹڈی روم میں ملے تھے، دروازہ تھپتھپا کر اندر قدم رکھتے اس نے انہیں مخاطب کیا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''وعلیکم السلام! جیتے رہو بیٹے، آؤ۔''

گو کہ پورا دن آفس میں دونوں کا متعدد بار آمنا سامنا ہوتا رہا تھا مگر جہان کے ساتھ ان کی وابستگی لگاؤ اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر مرتبہ اسے دیکھ کر وہ یوں کھل جاتے جیسے برسوں بعد ملے ہوں، خود جہان بھی ان کا بہت احترام کرتا تھا، یہ اس کے مزاج کی فرمانبرداری، تابعداری اور عزت افزائی ہی تھی کہ وہ گھر کے تمام بزرگوں کا بیک وقت بے حد لاڈلا اور چہیتا تھا۔

''آپ بزی تو نہیں ہیں چاچو!'' وہ ذرا سا ہچکچایا، تو پپا مسکرا دیئے تھے۔

''نہیں جگر آؤ آپ، کوئی ضروری بات ہے جو آپ اتنی عجلت میں آئے ہیں؟'' اسے پینٹ کوٹ میں ملبوس دیکھ کر ان کی نگاہوں میں واضح حیرت تھی، وہ کچھ خفیف سا ہو گیا۔

''ایکچوئلی چاچو! مجھے زینب نے بہت دنوں سے کہہ رکھا تھا آپ سے بات کرنے کا مگر.....''

''کون سی بات؟'' پپا کی حیرت کچھ اور بھی بڑھ گئی۔

''زینب کی کسی فرینڈ کی سسٹر کی شادی ہے، وہ شریک ہونا چاہتی ہے۔''

''تو بیٹے اس میں کیا ہے، چلی جائے، آپ اسے پک اینڈ ڈراپ کر دینا۔'' پپا نے کچھ حیرت بھرے انداز میں جواب دیا یوں جیسے کہہ رہے ہوں اس میں مجھ سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

''چاچو، زینب کی فرینڈ آؤٹ آف سٹی ہوتی ہیں، ویلی میں شاید۔'' اب کی مرتبہ جہان کا لہجہ و انداز کچھ ہچکچایا ہوا تھا، وہ خود بھی آگاہ تھا، شاہ ہاؤس میں بہر حال لڑکیوں کو اس قسم کی آزادی نہیں دی جاتی۔

''پھر تو وہاں کچھ دن رکنا بھی پڑے گا؟''

پپا نے بغور بھتیجے کو دیکھا، اتنا تو وہ بھی جان گئے تھے، وہ اگر ان کے پاس آیا ہے تو اس کا مطلب وہ زینب کی خواہش کے آگے گھٹنے ٹیک چکا ہے، وہ اس کے چچا تھے مگر کسی ماں کی طرح سے اس کے نزدیک تھے، اس کے دل کا وہ راز جو وہ خود پہ بھی آشکار کرنے میں متامل رہا کرتا تھا ان پہ منکشف ہو چکا تھا، وہ اتنا جانتے تھے اسے کہ اس کی اٹھتی نگاہ سے خواہش کی شدت اور گہرائی کا اندازہ کر لیا کرتے تھے، بیٹی کے لئے اس کے جذبوں سے آگاہی کے بعد ہی انہوں نے زینب کو اس سے منسوب کرنے کا فیصلہ کیا تھا، زینب جیسی اکھڑ اور بد دماغ لڑکی کے لئے ان کے خیال میں جہان جیسا متحمل مزاج، کول مائنڈڈ ساتھی بہترین شریک حیات ثابت ہو سکتا تھا۔

''میں جانتا ہوں بیٹے کہ آپ کو زینب کی کوئی بات ٹالنا مشکل لگتا ہے، مگر ہر بات ماننے والی بھی نہیں ہوتی، آپ جانتے ہو کہ اتنے دنوں کے لئے ہم اپنی بچی کو غیر لوگوں میں نہیں بھیج سکتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آئی نو چاچو! میں نے زینب کو یہ بات سمجھائی تھی مگر.....''

''مگر وہ آپ کو فورس کر رہی ہو گی اور آپ انکار نہیں کر سکے۔'' پپا نے گہرا سانس بھر کے کہا تو جہان کچھ جھینپ سا گیا اور ان سے نگاہیں چار کیے بنا آہستگی سے بولا تھا۔

''جانے دیں نا چاچو! میں نہیں چاہتا اس کی کوئی خواہش تشنہ رہ جائے۔'' وہ جیسے ملتجی ہوا تھا پپا نے کاندھے اچکا دیے تھے۔

''او کے فائن! چلی جائے مگر اکیلی نہیں، اس کی مما یا پھر بھابھی بیگم اس کے ساتھ جائیں گی، یہ بھی کمپرومائز میں اس لئے کر رہا ہوں کہ آپ اس کی سفارش کرنے آئے ہو، اب جاؤ اور چینج کرو جا کے مجھے لگتا ہے اس نے تمہیں بیٹھنے بھی نہیں دیا، ہر بات اس کی مانو گے تو پھر تمہاری اپنی ذات بالکل پس پشت چلی جائے گی، زندگی کے سفر میں شریک سفر کے ساتھ توازن کا قائم ہونا ضروری ہے بیٹے! میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تمہارے حقوق سلب کر لئے جائیں۔'' جہان کے چہرے پہ یکلخت روشنی چھا گئی، یہ پہلا موقع تھا کہ پپا نے براہ راست اس کے اور زینب کے مستقبل کے تعلق کے حوالے سے کوئی بات کی تھی، وہ خوشگواری کے احساس میں گھرتا بے اختیار مسکرا کر اور کچھ جھینپ کر انہیں دیکھنے لگا۔

''یہ بات اس کے باوجود آپ کہہ رہے ہیں کہ زینب بیٹی ہیں آپ کی؟'' جانے کیسے اس کے منہ سے پھسل گیا، انداز میں خفیف سی شوخی و شرارت کا رنگ تھا، پپا دھیمے سے مسکرائے اور اسے دیکھ کر بولے تھے۔

''ہاں اس کے باوجود کہہ رہا ہوں، کیونکہ صرف وہی نہیں آپ بھی میرے بیٹے ہو اور زینب کے مزاج کے سب رنگوں سے مجھے بہت اچھی طرح سے آگاہی ہے جبھی پہلے سے متنبہ کر رہا ہوں، پھر شکایت نہ کرنا۔'' اب کے انہوں نے دانستہ اسے چھیڑا تو جہان جھینپ کر ہنس پڑا تھا، وہ پپا کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا تو مما کچن سے نکل کر اس کی جانب آ رہی تھیں۔

''میں زینب سے بہت عاجز ہوں آتے ہی تمہیں اپنے کاموں میں الجھا لیا۔''

''ارے نہیں چچی جان! کام کیا تھا بھلا۔''

''مگر چائے تو ٹھنڈی ہو گئی نا۔'' وہ ہنوز خفا تھیں، جہان نے محبت سے ان کے گلے میں بازو حمائل کر دیے۔

''چائے پھر گرم ہو جائے گی چچی جان! ڈونٹ وری۔''

''تم نے اسے زیادہ ہی کچھ سر پہ چڑھا رکھا ہے۔'' مما کو اس سے شکایت ہوئی تو وہ مسکرا دیا تھا۔

(کبھی ہم بھی سر چڑھیں گے محترمہ کے) ایک حسین سوچ اس کے چہرے کو مزید روشن کر گئی۔

''جاؤ چینج کرو میں چائے لاتی ہوں، پھر مجھے معاذ کا نمبر ملا کے دینا، اتنے دن ہو گئے بات نہیں کی۔''

''جی بہت بہتر۔'' وہ سعادت مندی سے سر ہلاتا اپنے کمرے میں آ گیا، زینب وہاں نہیں

تھی، اس نے فریش ہو کر لباس بدلا تب تک مما چائے لے آئی تھیں۔

''ابھی بات کریں گی؟ نمبر ملاؤں معاذ کا؟'' اس نے بال بنا کر برش ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

''ہاں بیٹے ملا دو، آج کل کی اولاد کو کہاں فکر کہ والدین کو ان کا خیال رہتا ہے۔'' وہ جانے کیوں آج ہر کسی سے ہی شاکی نظر آ رہی تھیں، جہان نے سیل فون اٹھاتے بغور انہیں دیکھا۔

''خیریت ہے نا؟ آپ کا موڈ آف لگ رہا ہے۔''

''پرنیاں کا خیال مجھے تو روہانسا کر رہا ہے بیٹے! اتنی شرمندگی محسوس کرتی ہوں بچی سے کہ اس کے سامنے کی تاب نہیں ہے مجھ میں، کیا سوچتی ہو گی کیسے دھوکے باز لوگ ہیں ہم۔'' وہ ایک دم روہانسی ہو گئیں، جہان نے نمبر ملانے کا کام موقوف کیا اور انہیں کاندھوں سے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

''آپ فکر کیوں کرتی ہیں، انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''جہاں وہ گیا ہے نا وہاں بہت رنگینی ہے اور گمراہی اس سے بڑھ کر، پھر وہ تو یہاں بھی پرنیاں کا نام سننا پسند نہیں کرتا تھا، وہاں جا کے تو بالکل بدل جائے گا، اتنا خوف آتا ہے کہ راتوں کو مانو نیند نہیں آتی۔'' ان کے آنسو بہنے لگے تھے، جہان خود بھی مضطرب ہونے لگا، ان کی گھبراہٹ اور تشویش کچھ ایسی غلط بھی نہیں تھی۔

''اللہ پہ بھروسہ رکھیں چچی جان! اللہ بہتر کرے گا۔'' اس نے ان کے آنسو پونچھے تھے پھر سیل فون اٹھا کر معاذ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''السلام علیکم!'' رابطہ ہونے پہ اسے معاذ حسن کی خوش باتیں فریش چہکتی آواز سنائی دی تھی۔

''وعلیکم السلام! کیسے ہو معاذ؟''

''ٹپ ٹاپ تم سناؤ کیا حال ہیں جناب کے؟'' وہ اسی فریش لہجے میں بولا تھا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

''چچی جان بات کرنا چاہ رہی ہیں تم سے۔''

''مما سے بھی بات کرتا ہوں یار تم سے پہلے ایک بات شیئر کرنی تھی یہاں ایک لڑکی ہے لیزا بری طرح سے مجھ پہ مرمٹی ہے، ہے بھی بڑی خوبصورت، کل مجھ سے کہہ رہی تھی، میں تمہارا ایارٹمنٹ شیئر کر سکتی ہوں۔'' وہ کھلکھلا کر بتا رہا تھا اور جہان کے اعصاب یکدم کشیدگی سمیٹ لائے تھے، اس نے ایک نظر بھیگی آنکھیں پونچھتی ہوئی مما کو دیکھا تھا اور چپ کا چپ رہ گیا۔

''کہاں گم ہو گئے ہو بولتے کیوں نہیں؟'' معاذ اس کی خاموشی پہ جھنجھلایا تھا، وہ جیسے کسی یاسیت کی کھائی سے ابھرا۔

''معاذ تم چچی جان سے بات کرو پہلے پھر میں تم سے بات کرتا ہوں۔''

''افوہ چلو ٹھیک ہے کراؤ بات۔'' وہ جیسے بدمزا سا ہو گیا تھا، جہان نے سیل فون مما کی سمت بڑھا دیا اور ساکن نظروں سے چائے کے مگ کو دیکھنے لگا جس پہ بالائی کی تہہ جمنا شروع ہو گئی تھی۔

''تم کب واپس آؤ گے معاذ؟'' رسمی علیک سلیک کے بعد مما نے جو سوال کیا تھا وہ معاذ کو متحیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کے رکھ گیا۔

''ابھی تو آیا ہوں مما پڑھائی کے دو سال ہیں پورے، تب ہی آؤں گا، کیوں آپ اداس ہو رہی ہیں میرے بغیر.....؟'' بات کے اختتام پہ وہ کچھ شریر ہو کر بولا تو مما نے یاسیت بھرا سانس کھینچا تھا۔

''پتہ نہیں کب ختم ہوں گے یہ دو سال۔''

''آپ اتنی اداس ہو رہی ہیں تو میں ابھی آجاتا ہوں۔'' وہ جیسے ان کو بہلانے کی خاطر بولا تھا۔

''بات صرف میری ہی تو نہیں ہے نا بیٹے! تم یہاں کسی اور کو بھی اپنی ذات سے منسوب کر کے محوِ انتظار چھوڑ گئے ہو۔''

بات ایسی تھی کہ معاذ کا موڈ آف ہونا یقینی تھا، اس نے ناگواریت کے احساس سمیت ہونٹ بھینچ لئے۔

''میں یہ انتظار ختم کر دینا چاہتا تھا ہمیشہ کے لئے، آپ ہی آڑے آئی تھیں اگر یاد ہو تو۔'' وہ برہمی سے بولا مما نے سرد آہ بھری تھی۔

''آپ کو لگتا ہے آپ یہ کوئی اچھا کر رہے ہو؟ معاذ یہ بالکل غلط ہے۔'' انہوں نے اس کی برہمی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے گویا اسے احساس دلانا چاہا تھا۔

''میرے ساتھ بھی بالکل غلط کیا گیا تھا مما! پلیز بہتر ہو گا آپ میرے ساتھ اس ٹاپک پہ بات مت کیا کریں، آپ سے بدتمیزی نا چاہتے ہوئے بھی کر جاتا ہوں میں، جو مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''نو ٹھیک ہے پھر تم مجھ سے بات ہی نہ کیا کرو، کیونکہ میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی ٹاپک نہیں ہے تم سے بات کرنے کو۔'' انہوں نے کسی قدر تلخی و غصے سے کہا تھا اور فون بند کر دیا، انہیں معاذ کی بات بے حد بری لگی تھی، جہان نے مضطرب ہو کر انہیں دیکھا، شدت غیض اور ضبط سے ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''چچی جان پلیز! پلیز خاموش ہو جائیں۔'' جہان نے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر بوجھل آواز میں انہیں تسلی دینا چاہی مگر وہ کچھ اور بھی بری طرح سے بکھر گئی تھیں۔

''اسے بتا دینا جہان اگر اس نے پرنیاں کے ساتھ کوئی زیادتی کی یا اس کا حق مارا تو میری مری ہوئی صورت دیکھے گا، کبھی معاف نہیں کروں گی اسے۔'' وہ زار و قطار روتی چلی گئی تھیں، جہان کے لئے انہیں سنبھالنا مشکل ہونے لگا، جبھی وہ سیل فون کی سمت توجہ نہ دے سکا تھا جو مسلسل وائبریٹ کر رہا تھا اور اسکرین پہ معاذ کالنگ کے الفاظ بلنک کر رہے تھے۔

☆☆☆

کون ہو گا بھلا ہم سا تہی داماں لوگو!
لب میں حرفِ دعا ہے نہ ہتھیلی پہ حنا
نہ تبسم، نہ رفاقت، نہ کوئی لمحہ یاد

آنکھ ویران ہے اور دل خالی
ہونٹ نادم ہیں اور باہم پیوست
ان کہے حرف ہیں رنجور اور سماعتیں بے فیض
انگلیاں خشک چٹانوں کی طرح تڑخی ہیں
کسی آنسو کی نمی ان کی زباں پر کبھی اتری ہی نہیں
آس جکڑی نہ تمنا کسی دوجے کو تھمائی ہم نے
عمر بھر تنہا رہے تنہا جیئے
کہنے کو کچھ لوگ تو تھے بہت اپنے
خودی کے زعم میں داؤ پہ لگایا جن کو
لیکن یہ گماں، ہاں صرف گماں!

اس نے سخت اکتا کر کتاب بند کر دی، ان چند دنوں کی جان لیوا تنہائی نے اسے یکا یک روہانسا کر ڈالا، جو حالات تھے وہ دل برداشتہ کر دینے کو کافی تھے، ساری زندگی کیسے گزرے گی؟ اس نے سوچا تھا اور اپنا دل ملول ہوتا محسوس کرتی سخت اضطراب کے عالم میں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی، ملازمین سے وہ ایک حد سے بڑھ کر کیا بے تکلف ہوتی، حالانکہ گل خان کی بیوی اور بیٹی اس کا خصوصی خیال رکھتی تھیں، پپا اور پپا جان کے علاوہ مما جان نے بھی اس سے فون پہ بات کی تھی مگر وہ کسی طرح بھی خود کو بہلا نہ پا رہی تھی، ایک عجیب بے نام سا خوف ایک خدشہ مستقل دل میں گھر کر گیا تھا جب سے معاذ کے لندن جانے کا سنا تھا، حالانکہ وہ اس تعلق کو لے کر خوش فہم نہیں ہو سکتی تھی کہ معاذ کے جذبات اس تک بغیر لگی لپٹی کے پہنچ چکے تھے، پھر بھی وہ آس مند تو تھی یہ دوری یہ فاصلے اس آس کی کچی ڈوری کو تناؤ کا شکار کر رہے تھے، وہ اس تناؤ کے بڑھاؤ سے خائف تھی، اسے یاد آیا معاذ کی مما نے یا پھر اس کے کسی بہن بھائی نے بھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، کہیں وہ ان سب کے لئے بھی ان چاہی تو نہیں ہے۔

خوف کا عفریت واہمات کا روپ دھارے اسے پوری طرح سے اپنے پنجوں میں جکڑتا جا رہا تھا کتنا غیر محفوظ سا ہو گیا تھا اس کا مستقبل، دادا کے اس ایک فیصلے کی بدولت، اس کی آنکھیں کچھ اور نم ہوتی چلی گئیں، انہی سوچوں میں وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی، وہ انیکسی میں رہائش پذیر تھی، یہ کل دو کمرے تھے، اس کے علاوہ ایک ٹی وی لاؤنج تھا اور ایک کچن، اس انیکسی اور اصل رہائشی عمارت کے درمیان سفید پتھر کی ایک دیوار تھی، اس دیوار میں جگہ جگہ پتھر کی جالیاں تھیں اور ان جالیوں میں سے رہائشی عمارت کے لان کی جھلک نظر آتی تھی، رہائشی عمارت سے انیکسی میں آنے جانے کے لئے ایک دروازہ تھا، دروازے کے ایک تہائی حصے کو خوبصورت پھولوں کی بیل نے ڈھانپ رکھا تھا، وہ برآمدے میں کھڑی خاموشی سے جائزہ لیتی رہی، ٹھہرا ہوا سورج افق کی سرخ جھیل میں غوطہ زن ہونے جا رہا تھا، پرندے گھونسلوں کو لوٹ رہے تھے، سردی بہت تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی، وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر آگے بڑھ کر زینے طے کیے اور چھت پہ آ گئی۔

اوپر آتے ہی یخ بستہ خنک ہواؤں نے اس کا استقبال کیا تھا، اس کے کھلے ریشمی بال جو ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ترتیب کے ساتھ شانوں چہرے کے اطراف اور پشت پہ پڑے ہوئے تھے ہوا کی چھیڑ چھاڑ سے پیچھے کی سمت اڑنے لگے، وہ چلتی ہوئی چھت کی منڈیر سے آ لگی، سرسبز ماحول صاف ستھری فضا اطراف میں بے پناہ خوبصورتی سمٹی ہوئی تھی، باغات اور کھیتوں کا سلسلہ تا حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا، جو ہلکی دھند اور شام کے سرمئی دھندلکوں میں دھیرے دھیرے ڈوبتا جا رہا تھا، اس نے گہرا سانس بھرا اور تقریباً ایک فرلانگ کی دوری پہ ٹیکسٹائل مل کی وسیع عمارت کو خالی نظروں سے دیکھنے لگی، پپا نے بتایا تھا یہ مل بھی دو تین سال پہلے انہوں نے یہاں لگائی تھی، اس علاقے کے بہت سے بے روزگار افراد کو یہاں روزگار میسر آ گیا تھا، رہائشی حصے اور مل کو ایک پرائیویٹ کشادہ سڑک ملاتی تھی، دائیں جانب کچھ فاصلے پر جی ٹی روڈ کے آثار نظر آتے تھے، کیکر اور دھریک کے گھنے درختوں کے اندر گھری سڑک پہ گاہے بگاہے کسی تیز رفتار گاڑی کا شیشہ چمک دکھلا کر اوجھل ہو جاتا تھا، دور افتادہ ہارن بھی سنائی دیتے تھے، وقت گزاری کو وہ پچھلے دو دنوں سے یہاں آ کر گھنٹوں کھڑی رہتی تھی، اس وقت بھی دیوار سے ٹیک لگا کر وہیں کھڑی ہو گئی، ہوا کی شدت میں تیزی آ گئی تھی اور سردی کی کاٹ میں بھی، مگر وہ بے حس بنی رہی، تیز چلتی ہوا سے اس کے ریشمی بالوں کی لٹیں بل کھا کھا کر اس کے رخساروں کو چومنے لگیں تب ہی زینے پہ قدموں کی آہٹ ابھری اس نے چونک کر گردن موڑی گل خان کی بیٹی فاطمہ کشمالے سرخ اوڑھنی میں سرخ دہکتے چہرے کے ساتھ اس کا سیل فون ہاتھ میں لئے اس کی جانب چلی آ رہی تھی۔

"بی بی صاحبہ آپ ادھر ہو، آپ کا ٹیلی فون کب سے بجے جا رہا تھا، ام آپ کو چائے دینے آیا تو دیکھا۔" پرنیاں نے کچھ کہے بغیر سیل فون لے لیا، کسی انجان نمبر سے تین کالز آئی ہوئی تھیں، جنہیں سرسری انداز میں چیک کر کے وہ سیل فون اپنے سوئیٹر کی جیب میں رکھ رہی تھی کہ اس پل پھر رنگ ٹون بج اٹھی، پرنیاں نے حیرانی سے اسی نمبر کو دیکھا اور کال ریسیو کر لی۔

"پرنیاں بیٹے میں ہوں معاذ کی مما!" اس کے ہیلو کے جواب میں مما نے چھوٹتے ہی کہا تھا وہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

"کیسی ہو بیٹے! یہ جہان کا نمبر ہے، میں سمجھی تم کسی نئے نمبر کی وجہ سے کال پک نہیں کر رہیں۔"

"جی میں ٹھیک ہوں۔"

"آپ مجھ سے یقیناً خفا ہوں گی بیٹی کہ میں آپ سے ملنے نہیں آئی، میں..... آئی ایم ساری بیٹا میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے، سمجھ لیں ہار گئی ہوں میں....." اس کے اختصار سے انہوں نے جانے کیا سمجھا تھا کہ وضاحت پیش کرتے کرتے ایکدم سے گھٹ گھٹ کر رونے لگیں، پرنیاں تو جیسے بوکھلا کر رہ گئی تھی۔

"آنٹی..... آنٹی پلیز! مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے رئیلی، پلیز کنٹرول یور سیلف۔" اس جیسی سپاس اور نرم خو لڑکی کے لئے یہ سچوئیشن مضطرب و بے چین کر دینے والی تھی، اسے قطعی سمجھ نہیں آئی تھی وہ کیا ردعمل پیش کرے، بس جو منہ میں آیا کہہ ڈالا، درحقیقت اسے یوں موضوع گفتگو دوسرے لفظوں میں تماشا بن جانا خفت زدہ کر گیا تھا، دوسری جانب ایک بھاری مردانہ آواز گونجی

تھی، وہ مما سے شاید کچھ کہہ رہے تھے، پھر فون بند ہو گیا، پرنیاں بوجھل دل سمیت کھڑی رہ گئی، اس پل جتنی بد دلی تھی اس کا صحیح معنوں میں جی چاہا تھا اس اونچی چھت سے کود کر خودکشی کر لے، معاذ حسن سے پہلی مرتبہ اسے نفرت محسوس ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس کی ذات تماشا بن کر رہ گئی تھی، وہ وہاں سے نیچے جانے کو پلٹی تو اس کی آنکھوں میں آنسو مچل رہے تھے۔

☆☆☆

کسی خود فریبی کی آڑ میں
بھلا کب تک
شب غم سے بھاگو گے دور موسیٰ کے طور تک
وہ جو چھپ کے بیٹھا ہوا ہے دل کے کواڑ میں
وہی دکھ کہیں نہ کہیں سے بجلی گرائے گا
وہ سیاہ رنگ پہاڑ ہے
وہ تو بولتا ہے، چل بھی سکتا ہے، بھاگ بھی
دل غمزدہ ذرا جاگ بھی
اسے جاگ جاگ کے جھومتے ہوئے دیکھ بھی
بڑی احتیاط سے غور کر
اسے چھاؤں بننے سے روک دے
ابھی ٹوک دے
وہ پہاڑ ہے
کوئی بے قرار سا شجر نہیں
دل غمزدہ یہ بھی یاد رکھ
تیرے پر نہیں

اس نے کچھ نفرت کچھ بے بسی کے عالم میں مسلسل بہتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا تھا مگر اگلے لمحے پھر چہرا آنسوؤں سے تر بتر تھا، اس کی ہچکی بندھ گئی تھی، شدید غیض کے عالم میں اس نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا کرسٹل واز اٹھایا اور دیوار سے دے مارا، ایک چھناکا ہوا تھا اور کرچیاں اطراف میں بکھر گئیں، ضبط جواب دے گیا تھا وہ بلک پڑی تھی، تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر روتے ہوئے اس نے بیڈ روم کے بند دروازے پہ ایک افراتفری کی دستک اور ساتھ میں مسز آفریدی کی آواز سنی تھی جو شدید گھبراہٹ کے عالم میں مسلسل اسے پکار رہی تھیں۔

"ژالے ہنی! مما کی جان دروازہ کھولو۔"

"آپ چلی جائیے یہاں سے مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔" وہ حلق کے بل چیخی تو آواز پھٹ گئی تھی۔

"ہنی جان ایسا نہیں کرتے، آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" وہ گڑگڑائی تھیں گویا۔

"ہونے دیں، ڈیم اٹ!" وہ پھر چیخی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اس وقت کسی کا بھی سامنا کرنے کی خواہش مند نہیں تھی، وہ دل برداشتہ تھی، اسے خود اپنے وجود سے بھی نفرت ہو رہی تھی، بس نہیں چلتا تھا خود کو شوٹ کر لیتی، کچھ انکشافات کتنے شرمناک ہوتے ہیں جو اگر منکشف ہو جائیں تو پھر انسان خود اپنے آپ سے بھی نگاہیں ملانے کے قابل نہیں رہتا، وہ بھی خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی، کاش مسز آفریدی نے جذبات میں آ کر اس پہ یہ حقیقت منکشف نہ کی ہوتی وہ ساری زندگی دھوکے میں گزار دیتی وہ زندگی جو بہت طویل تو نہیں رہ گئی تھی، شاید مسز آفریدی پلٹ کر چلی گئی تھیں، جبھی اسے پکارنے اور دستک دینے کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا، وہ نڈھال سی ہو کر تکیے پہ ڈھے گئی۔

''یہ میری ماں ہیں؟ نہیں مائیں ایسی نہیں ہوتیں، نشتر چبھو کر درد میں تڑپنے کو چھوڑ دینے والی۔'' اس کا دل کتنی دیر تک سسکتا رہا، شام کو وہ جب کسی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی تب بے دلی سے اٹھ کر باہر آئی تھی، مسز آفریدی آفس سے آ چکی تھیں، ٹی وی لاؤنج کے گلاس وال سے انہوں نے سستے ہوئے چہرے اور مضمحل نظر آئی، ژالے کو دیکھا تھا اور نمبر پش کرنے کا کام موقوف کر کے سیل فون سائیڈ پہ رکھا اور خود صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں، ارادہ اس کے پاس جانے اور بات کرنے کا تھا مگر کچھ سوچ کر تھم گئیں، ژالے وہیں کھڑی ہو کر ملازمہ سے شاید چائے بنانے کا کہہ رہی تھی، پھر پلٹ کر کمرے میں چلی گئی، انہوں نے گہرا سانس بھرا اور کچھ بے چینی کے عالم میں ٹہلنے لگیں۔

نیلما آج پھر ان کی ناگواری اور اتنے توہین آمیز سلوک کے باوجود ان سے ملنے آفس چلی آئی تھی، اس کی اپنی ضد اور مطالبات تھے جنہیں مسز آفریدی نے ہمیشہ جوتے کی نوک پہ رکھا تھا، مگر آج غضب یہ ہوا تھا کہ ژالے بنا اطلاع کے ان کے آفس چلی آئی تھی، سوئے اتفاق نیلما اسی وقت ان سے عزت افزائی کرا کے وہاں سے انہیں دھمکیاں دیتی واپس پلٹ رہی تھی، دونوں کا آمنا سامنا اتنا اچانک تھا کہ تینوں اپنی اپنی جگہ پہ ساکن ششدر اور مضطرب رہ گئی تھیں۔

''ژالے..... ژالے..... تم۔'' سب سے پہلے نیلما کا یہ سکتہ ٹوٹا تھا اور وہ اک وارفتگی، ایک بے تابی سے ژالے کی سمت لپکی تھی، تب ژالے بھی جیسے حواسوں میں لوٹ آئی تھی بدک کر فاصلے پہ ہوئی۔

''ڈونٹ ٹچ می، مجھے ہاتھ مت لگانا۔'' وہ اتنی نفرت اتنی بیگانگی سے بولی تھی کہ نیلما صدمے و رنج سے جیسے شق ہو کر رہ گئی، اس کے برعکس مسز آفریدی کو لگا تھا ان کے اندر ایکدم سے توانائی آ گئی ہو، وہ نیلما کی ساکن آنکھوں میں جھانک کر جتلاتے ہوئے متکبرانہ و تمسخرانہ انداز میں مسکرائی تھیں، نیلما کی سبز آنکھیں اس پل پانیوں سے بھر گئی تھیں، اس نے بے کسی، بے بسی کے عالم میں ژالے کو دیکھا تھا جو پلٹ وہاں سے جا رہی تھی۔

''ژالے!'' وہ تڑپ کر اس کے پیچھے بھاگی تھی، مسز آفریدی حقارت آمیز انداز میں چیخی تھیں۔

''رک جاؤ۔'' مگر نیلما رکی نہیں تھی، بدستور دیوانہ وار ژالے کے پیچھے بھاگی تھی۔

''ژالے میری جان! میری بات سنو، اس عورت نے تمہیں مجھ سے بدگمان کیا ہے، یہ جھوٹی

ہے یہ.....''

''وہ تمہاری کوئی بات نہیں سن رہی اور اگر کبھی سن بھی لے نا، تو یقین نہیں کرے گی، اب دفع ہو جاؤ یہاں سے، آئندہ یہاں آنے کی غلطی مت کرنا، ورنہ میں شوٹ کر دوں گی تمہیں اور اسے محض دھمکی نہ سمجھنا، میری اپروچ کا تمہیں کچھ نہ کچھ اندازہ تو ہے ہی۔'' وہ ایک ایک لفظ پھنکار پھنکار کر کہتی ہوئیں نیلما کو ساکن کر گئی تھیں، نیلما تیز ہوتے تنفس اور شعلے برساتی نظروں سے کچھ دیر انہیں گھورتی رہی تھی پھر جب بولی تو اس کے لہجے میں آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔

''بڈھی خرانٹ جہنمی عورت تم نے کبھی بھی میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، مگر تمہارا یہ ظلم ایسی زیادتی ہے جسے میں نہ برداشت کر سکتی ہوں نہ ہی معاف، یاد رکھنا میں تمہیں اس کا مزا چکھاؤں گی، انتقام عورت کو بہت خطرناک بنا دیا کرتا ہے۔'' مسز آفریدی نے نفرت زدہ انداز میں سر جھٹکا تھا اور پلٹ کر اپنے آفس میں گھس گئی تھیں۔

''بیگم صاحبہ کھانا لگا دوں؟'' ملازمہ کی آواز پہ وہ اپنے خیالات سے چونکی تھیں۔

''ژالے کیا کہہ رہی تھی تم سے؟''

''جی انہوں نے کافی بنوائی ہے۔''

''کھانے کا نہیں پوچھا تم نے؟''

''پوچھا تھا جی! منع کر دیا۔'' ملازمہ نے کچھ خائف ہو کر جواب دیا کہ ان کی الٹی کھوپڑی کا پتہ نہیں چلتا تھا بے وجہ بھی برس پڑا کرتی تھیں۔

''تم کھانا لگاؤ میں ژالے کے ساتھ آتی ہوں۔'' ان کے جواب پہ ملازمہ کان لپیٹ کر کھسک گئی تھی، مسز آفریدی ژالے کے کمرے میں آئیں تو اسے دریچے کی سلائیڈ سے سر ٹیکے ہنوز ملول پایا تھا۔

''بیٹے کھانا کھا لو پہلے۔'' انہوں نے اندر گھستے ہی اس کا لاڈ اٹھایا، مگر ژالے کا موڈ ہنوز تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے آپ جائیں۔'' وہ بدمزگی سے بدلحاظی سے بولی۔

''بھوک کیوں نہیں ہے؟'' انہوں نے جرح کا آغاز کیا۔

''مما پلیز لیو می الون!'' وہ چڑنے لگی تھی۔

''پوری بات تو سنتے ہیں نا جان!''

''نو آر گومنٹ۔'' ژالے کا گلا بھرا سا گیا۔

''جان ماں پہ تو اعتبار کرتے ہیں نا۔'' انہوں نے اسے زبردستی اپنے ساتھ لگا لیا، پھر دلگیری و یاسیت لہجے میں دانستہ سمو کر بولی تھیں۔

''وہ اپنے کرتوتوں کو مجھے بتلانے آئی تھی، کل کی ساری رات اس نے ایک بدنام اور شرابی سیاستدان کی کوٹھی پہ مجرا کیا ہے، جام بھر بھر کے پلاتی اور پیتی رہی ہے اور بھی جو حرام کاری کی اس کی تفصیلات بھی سنا رہی تھی اب میں تمہیں کیا کچھ بتاؤں۔'' وہ بہت سرعت سے جھوٹ کے پلندے باندھ رہی تھیں، ژالے کا چہرا یکلخت زرد پڑ گیا تھا، ہونٹ نیلے ہو کر کانپنے لگے، وہ کھڑے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ایکدم بیٹھ گئی، یوں جیسے بالکل بے جان ہوگئی ہو مگر اس پل اس کی تکلیف پہ تڑپ اٹھنے والی مسز آفریدی کو جیسے اس کی یکسر پرواہ نہیں تھی، کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے ہونٹ محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے، آنکھوں میں اتنی ویرانی در آئی تھی کہ کسی قبرستان کا خیال آتا تھا، مسز آفریدی نے ان کی تباہ کن حالت کو دیکھا اور سرد آہ بھری۔

''کتنا روکا تھا کتنا باز رکھنا چاہا مگر اس کے نزدیک اپنی خواہشات سے بڑھ کر اور کچھ اہم نہیں، تم نہ میں اور نہ تمہارے والد مرحوم کی عزت اور نیک نامی۔'' وہ جیسے کف افسوس مل رہی تھیں، ژالے نے آہستگی سے گھٹنوں پہ سر رکھ لیا، اس کی آنکھیں بے آواز آنسو بہانے لگیں۔

''آؤ بیٹے کھانا کھالو، چاہے تھوڑا سا سہی، رات کو بھوکے پیٹ نہیں سوتے۔'' انہوں نے پھر اس سے ہمدردی جتلائی تھی، ان کے سارے تیر ہمیشہ کی طرح نشانے پہ جا کر لگے تھے۔

''مجھے بھوک نہیں ہے، آپ چلی جائیں یہاں سے، جائیں۔'' اب کی مرتبہ اس کی آواز پہ آنسوؤں کی نمی کا غلبہ تھا، مسز آفریدی نے کچھ دیر اسے دیکھا تھا، پھر آہستگی سے پلٹ گئیں، ان کے خیال میں اگر ژالے ایک وقت بھوکی بھی رہ لے گی تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی، ایک وقت کی بھوک سے بہر حال کوئی نہیں مرتا، وہ مطمئن تھیں۔

☆☆☆

ریزہ ریزہ سپنوں والے ٹوٹے چہرے آدھے لوگ
جانے والے کب آتے ہیں کیوں کرتے ہیں وعدہ لوگ
آس میں بیٹھی شہزادی کی مانگ میں چاندی جھانک چکی
اتنی دیر سے کیوں آتے ہیں آخر یہ شہزادے لوگ
پیار کی راہ پہ انگلی تھامے اندھا دھند چل پڑتے ہیں
نا سمجھی میں مر جاتے ہیں ہم سے سیدھے سادھے لوگ
ہم دونوں میں کون ہے مجرم یہ طے ہونا مشکل ہے
آدھا شہر تھا حامی اس کا ساتھ تھے میرے آدھے لوگ

زینب نے با آواز بلند اس کی ڈائری میں لکھی تازہ نظم کو پڑھا پھر زور دار آواز کے ساتھ ڈائری بند کر کے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔

''تو یہ کرتوت ہیں تمہارے؟''

''کیا مطلب؟'' نوریہ بے طرح سے بوکھلائی تھی۔

''یعنی تم اب ساری زندگی بھائی کے نام پہ جوگ لینے کا ارادہ رکھتی ہو۔'' اس کے تیور کڑے تھے، نوریہ نے بے ساختہ نظریں چرالیں۔

''میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔''

''تو وہ کہہ دو نا جو کہنا چاہیے۔'' زینب کی اگلی بات پہ نوریہ نے الجھن آمیز نگاہیں اٹھائیں۔

''کیا کہہ دوں؟''

''معاذ بھائی سے اپنی محبت کا راز۔'' نوریہ نے متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھنے پہ اکتفا کیا

اور ڈائری اس سے چھین کر الماری کے سب سے اوپری خانے میں رکھ کر دروازہ مقفل کر دیا تھا۔

''کچھ بولو نا۔''

''فضول باتوں کا کیا جواب دوں بھلا؟'' وہ زچ ہوئی تھی۔

''یہ فضول باتیں ہیں؟ میرے بھائی کی محبت فضول ہے تمہاری نظر میں؟'' وہ اس پہ چڑھ دوڑی، نوریہ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

''وہ شادی شدہ ہیں زینی!'' وہ جیسے اس کی عقل پہ ماتم کرتے ہوئے بولی تھی۔

''مگر وہ اس شادی سے خوش نہیں، تم جانتی ہو۔'' زینب کی بات پہ نوریہ نے سرد آہ بھری تھی۔

''ابھی دیکھا نہیں ہے نا پرنیاں کو اس لئے۔''

''کیوں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں محترمہ میں کہ دیکھتے ہی فدا ہو جائیں۔'' زینب کو اس ایک بات سے جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔

''سب کہتے ہیں وہ بہت حسین ہے۔''

''سب کون؟ مما، مما جان، پپا، پپا جان، یار یہ سب بوڑھے لوگ ہیں اور اس عمر میں انسان کو کسی بھی شکل میں خاصی نکالتے خدا کا خوف محسوس ہوتا ہے اس لئے۔'' اس نے اپنی رائے سامنے رکھی تھی نوریہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''تم اس موضوع کو چھوڑ دو پلیز!'' وہ جز بز ہوگئی تھی۔

''کیسے چھوڑ دوں تمہیں پتہ ہے مجھے تمہاری کتنی فکر ہے۔'' وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''میری فکر چھوڑ دو، اپنی فکر کرو، معاذ کے بعد اب ہمارے بزرگ یقیناً تمہارا اور جہان بھائی کا بیاہ کریں گے۔'' نوریہ نے اپنے دل کی حالت کے برعکس اسے مسکرا کر چھیڑا تو زینب نے خوفناک نظروں سے تادیبی انداز میں اسے گھورا تھا۔

''شٹ اپ! مجھے جے کے ساتھ انوالو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے سمجھیں۔''

''میں کہاں کر رہی ہوں، ہمارے بزرگ کر رہے ہیں۔'' نوریہ نے جتلایا تھا، زینب نے سر جھٹکا۔

جہان کے ذکر سے اسے یاد آیا تھا اس نے ابھی تک پپا سے جو بھی بات چیت ہوئی تھی اس تک نہیں پہنچائی تھی، اسے غصہ آنے لگا۔

(پتہ نہیں کیوں یہ شخص اتنا بنتا ہے، خود کو یوں مصروف ظاہر کرتا ہے جیسے سارا پاکستان اسی کے سہارے چل رہا ہوں۔)

''اب کہاں چل دیں؟ بیٹھو نا میں کھانا پکا رہی ہوں کھا کے جانا، بریانی بنا رہی ہوں۔'' نوریہ اسے اٹھتے دیکھ کر بولی تھی۔

''نہیں میرے لئے وہیں دے جانا ایک کام یاد آگیا ہے۔'' وہ عجلت بھرے انداز میں نکلتی چلی گئی، نوریہ نے گہرا سانس بھر لیا تھا۔

☆☆☆

الجھا رہی ہے مجھ کو یہی کشمکش مسلسل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ آ بسا ہے مجھ میں کہ میں اس میں کھو گیا ہوں

جہان آج جلدی گھر واپس آیا تھا، پچھلے کئی دنوں سے وہ بے حد مصروف تھا اور چاہنے کے باوجود زینب سے بات نہیں کر سکتا تھا جس کی اسے شرمندگی بھی تھی، جبھی آج بہت سے کام پس پشت ڈال دیئے تھے تو وجہ زینب ہی تھی، وہ اسے اہمیت دینے پہ مجبور ہوا کرتا تھا، یہ دل کا تقاضا تھا جبھی وہ ہمیشہ اسے اس کی ہر بات کو اولیت و اہمیت دیتا آیا تھا، گھر آنے پہ ماریہ سے اس کے متعلق استفسار پہ اسے معلوم ہوا تھا کہ زینب نوریہ کے ہاں گئی ہوئی ہے، جہان پہلے فریش ہوا تھا پھر سیل فون اٹھائے ٹیرس پہ آ گیا، اسے معاذ سے بھی بات کرنی تھی، یہی بے تحاشا مصروفیت اسے معاذ سے بھی ڈھنگ سے بات کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھی، حالانکہ اس دن کی اس کی ادھوری بات نے کتنی وحشت بھرا اضطراب اس کے اندر بھر دیا تھا۔

''جہان بھائی یہ آپ کی کال!'' معاذ یقیناً اس سے خفا تھا جبھی اس کی کال مسلسل کاٹ رہا تھا، اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی، معاذ کی ابھی تک کچھ عادتیں بالکل بچوں والی ہی تھیں۔

''تھینکس گڑیا!'' جہان نے ماریہ کے ہاتھ سے گ تھام لیا، وہ مسکرا کر پلٹ گئی تھی۔

''کیا تکلیف ہے آخر تمہیں؟''

''تم وہی ہونا جو میری کال اول تو پک نہیں کرتے تھے یا پھر مختصر بات۔'' معاذ نے کال ریسیو کر لی تھی اور چھوٹتے ہی لتے لینے شروع کر دیئے تھے، جہان بس ہنسے گیا تھا، معاذ نے دل کی بھڑاس اچھی طرح نکالی تب موڈ کچھ بحال ہوا۔

''بڑے دانت نکل رہے ہیں خیریت ہے؟''

''داد دو میرے حوصلے کو، تمہاری گالیاں سن کر بھی موڈ اچھا ہے۔'' وہ الٹا اس پہ احسان جتلانے لگا تو معاذ نے ہنکارا بھرا تھا۔

''کیوں فون کیا ہے؟''

''فون کیا کیا جاتا ہے، بات کرنے کو۔'' اس نے جیسے جتایا تھا۔

''میں بھی بات کرنے کو ہی کرتا رہا تھا۔''

''یار چھوڑو نا، دفع کرو، مصروف تھا اس لئے، ابھی تو تمہاری بہن صاحبہ نے بھی میری خبر لینی ہے اور بالکل رعایت نہیں کرتی، پتہ تو ہے تمہیں اس کے مزاج کا، سو تم ہی کچھ رحم کرو۔'' اس کا موڈ آج کل واقعی خوشگوار رہتا تھا جبھی یہ زندگی کا پہلا موقع تھا کہ وہ اس قسم کی گفتگو کر رہا تھا تو وجہ پپا اور خود معاذ کی اس سلسلے میں اس کی حوصلہ افزائی ہی تھی۔

معاذ کو اس کے منہ سے یہ بات سن کر حیرت بھری خوشگواریت نے گھیر لیا، وہ ایکدم ہنس پڑا۔

''یہاں تو میں بھی اس کے ساتھ ہوں، تمہیں جرأت کیسے ہوئی ہمیں اگنور کرنے کی۔''

''اس بات کو چھوڑو، یہ بتاؤ اس دن کیا بک رہے تھے تم؟'' جہان نے ایکدم سے ٹون بدل لی، دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

''کس دن؟'' وہ الجھا تھا۔

''یہ لیزا کا کیا چکر ہے؟''

''چکر وکر کچھ نہیں، تمہیں پتہ ہے یہ گوریاں ہم ایشین مردوں پہ کیسے لپکتی ہیں۔'' وہ اترایا تو جہان نے برا سا منہ بنا لیا۔

''صرف گوریاں، اب تو یہاں کی لڑکیوں کا عالم بھی کچھ ایسا ہی ہے، یار بہت برے حالات ہیں۔'' وہ جیسے متاسف تھا۔

''کیوں کسی نے تمہیں پھر پرپوز کر دیا ہے؟'' معاذ ہنسنے لگا، جہان کی بے تحاشا ڈیشنگ پرسنالٹی کی وجہ سے اس قسم کے واقعات ہو چکے تھے، ایک امیر زادی تو کچھ اس طور پیچھے پڑی تھی کہ گھر تک پہنچ گئی تھی، تب سے جہان نہ صرف محتاط تھا بلکہ لڑکیوں سے بدلنے بھی لگا تھا۔

''تم مجھے لیزا کا بتاؤ؟'' جہان کی سوئی اسی جگہ پہ اٹکی ہوئی تھی، معاذ اسے تفصیل سے لیزا کی بے تابیاں، وارفتگی، بے باکی کے قصے سناتا رہا۔

''ایک دن پتہ کیا ہوا؟ میرے اپارٹمنٹ آ گئی، کہنے لگی میرے ساتھ ڈنر کرو، کھانا اپنے گھر سے بنا کے لائی تھی صوفے پہ بالکل میرے ساتھ جڑ کے بیٹھ گئی، مائی گاڈ! ایک تو اس کی ڈریسنگ قابل اعتراض اس پہ یہ قربت، ریئلی یار میرے تو پسینے چھوٹنے لگے تھے، بڑی مشکلوں سے جان چھڑائی اس خوبصورت بلا سے، اگر اس وقت مجھے پپا دیکھ لیتے تو وہ چھترول کرتے کہ سر گنجا ہو جاتا۔'' وہ ہنس رہا تھا، جہان تاسف سے سر جھٹکتا رہا۔

''اسے زیادہ منہ لگانے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے ناصحانہ انداز میں کہا تو معاذ نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

''میں کہاں لگاتا ہوں، بتایا تو ہے خود ہی جان نہیں چھوڑتی، ہمارا تو وہ حساب ہے یار کہ ہم لوگ بڈھے بھی ہو جائیں یا ساری زندگی کیوں نہ باہر کے ملکوں میں گزار لیں مگر رہیں گے اندر سے پاکستانی کے پاکستانی ہی، کسی عورت یا لڑکی کے ساتھ مجبوراً بھی بیٹھ گئے تو بس یہ ہی سوچتے رہیں گے، گھٹنے سے گھٹنا ٹکرا گیا ہے، کندھے سے کندھا مل رہا ہے، یہ کیا ہو گیا؟ انگلی سے انگلی چھو گئی، یار لوگ بڑے بڑے انقلاب لا رہے ہیں، ہم بس شربت دیدار و نگاہ ناز اور چلمن و یار و در کے بارے میں ہی سوچتے رہے۔'' وہ سخت جھلا کر بدمزگی سے کہہ رہا تھا، جہان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''یہ خدا کا فضل اور تربیت کا اثر ہے جناب! یہ تو تم مانو گے جو لطافت دوری و حجاب میں ہے وہ قربت اور بے باکی میں نہیں وہ لطافت اس قربت میں نہیں وہ سارے یورپ میں نہیں۔'' جہان کی باتوں پہ معاذ سر دھننے لگا۔

''ہاں یہ تو ہے، یہاں آ کر اس بات کا قائل ہوا ہوں، ورنہ میری سوچ سے تو تم واقف ہی تھے، کل مجھے لیزا کہہ رہی تھی کچھ دنوں کو میرے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کرنا چاہتی ہے میں نے صاف انکار کر دیا، یار ان کیا پتہ کل بیڈ روم پرسوں بستر بھی شیئر کر لے۔'' وہ منہ بسور کر کہہ رہا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے چچی جان کس قدر اپ سیٹ ہیں؟'' جہان نے مطلب کی بات کی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟ کیوں اپ سیٹ ہیں۔'' معاذ کے لہجے میں بناوٹ نہیں تھی پھر بھی جہان جھلایا۔

''یار تمہاری وجہ ہے، تم کتنا پریشان کرو گے انہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوہ غالباً تم پھر وہی ٹاپک چھیڑنا چاہ رہے ہو، اوکے میں فون رکھتا ہوں میرا یہ اسٹڈی کا ٹائم ہوتا ہے۔'' وہ ایکدم سے روڈ ہو گیا، جہان نے عاجز ہو کر ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

''معاذ پلیز تم انہیں تسلی تو دے سکتے ہو نا، دس از ناٹ فیئر۔''

''جھوٹی بات کہہ دوں۔'' وہ بھڑک اٹھا۔

''جھوٹی کیوں؟'' جہان کو غصہ آنے لگا۔

''میں اس محترمہ کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں کروں گا۔'' جہان نے ہونٹ بھینچ لئے دونوں کے بیچ کچھ لمحوں کو مکمل خاموشی چھائی رہی۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں میرے ساتھ اس ٹاپک کو مزید ڈسکس کرنا ہی نہیں چاہئے، جے ہم کیوں ایک تھرڈ پرسن کے لئے اپنے تعلقات کو خراب کریں۔'' وہ کس قدر تاخیر سے کسی قدر نخوت زدہ آواز میں بولا تو جہان اس کی بے حسی پہ متاسفانہ انداز میں سر جھٹکنے لگا تھا، شاید وہ ٹھیک کہتا تھا اگرچہ اسے اتفاق نہیں تھا مگر اس کا خیال تھا کہ وہ کیا کوئی بھی معاذ کو اس امر پہ قائل کر سکتا تھا نا فورس، شاید واقعی پپا کے اس جذباتی اقدام نے معاملہ سلجھانے کے بجائے بگاڑ لیا تھا، معاذ ضد پہ اترا ہوا تھا، نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر وہ بس اپنی اکڑ اور ضد کو قائم رکھنا چاہ رہا تھا، جہان نے فون بند کیا تو اس کا انداز کسی قدر گم صم اور متفکر سا تھا، اس کی تلاش میں اس سمت آتی زینب نے اس کی کیفیت کو بہت دھیان سے دیکھا تھا اور اس کی توجہ حاصل کرنے کو دانستہ کھنکاری، جہان نے چونک کر اسے دیکھا البتہ خود کو فوری سنبھال نہیں سکا تھا۔

''صدر پاکستان مستعفی ہو رہے ہیں؟''

''کیا مطلب؟'' جہان نے متحیر ہو کر اسے دیکھا۔

''آپ جوان کی سیٹ سنبھالنے والے ہیں، ہم جیسے آپ کی نظر عنایت میں کہاں آتے ہیں بھلا۔'' اس کا لہجہ کاٹ دار طنز سموئے ہوئے تھا، جہان کچھ خفیف سا ہو گیا، اسے زینب کا یہ لہجہ و انداز کبھی برا نہیں لگا تھا، وہ اسے ہر رنگ ہر انداز میں بھاتی تھی، یہ محبت شاید ایسا ہی اندھا اور مجنونانہ جذبہ ہے، بالکل مت مار کے رکھ دیتا ہے، انسان کی۔

''سوری میں کچھ زیادہ ہی مصروف رہا۔''

''میرے کام کا کچھ بنایا اسی مصروفیت کی نذر ہو گیا، ویسے اس دن غالباً آپ پپا کے پاس میرے ہی کام کو گئے تھے۔'' وہ اس تلخ اور خفا انداز میں کہہ رہی تھی۔

''ہو گیا ہے آپ کا کام، البتہ چاچو آپ کو اکیلے نہیں بھیجنا چاہتے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ زور سے چونکی۔

''کہہ رہے تھے مما جان یا پھر چچی جان کو آپ کے ساتھ جانا چاہیے۔'' جہان نے اس کے چہرے پہ انڈتی ناگواری کو دیکھا تھا، وہ یقیناً بھڑک اٹھنے کو تھی۔

''یعنی انہیں مجھ پہ اعتماد نہیں ہے؟'' اس کی توقع کے عین مطابق اس نے بات کو سمجھنے کی بجائے الٹا مطلب نکالا تھا۔

''یہ بھلا کیا بات ہوئی زینب! بات اعتماد کی نہیں تحفظات کی ہے، آؤٹ آف سٹی یکسر انجان

لوگوں میں ہم کیسے آپ کو اتنے دنوں کے لئے بھیج سکتے ہیں۔'' وہ نرمی سے جھنجلایا تھا، زینب نے سرد نظروں سے اسے دیکھا تھا البتہ کچھ کہے بغیر ہونٹ بھینچے رکھے۔

''تمہیں اعتراض کیا ہے آخر؟ تمہارا مقصد شادی اٹینڈ کرنا ہے نا، مما جان تمہیں کیا کہیں گی۔'' جہان نے گویا اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا۔

''میں وہاں انجوائے کرنا چاہتی تھی روک ٹوک کروانے نہیں۔'' وہ جی بھر کے تلخ ہوئی۔

''کیا وہ تمہیں روک ٹوک کرتی ہیں؟'' جہان ششدر رہ گیا تھا۔

''آپ کو نہیں پتہ؟ ہر وقت تو ڈانٹ پڑتی ہے مجھے، وہ تو آپ بچا لیتے ہیں، ورنہ مما زیاد بھائی اور معاذ بھائی کا تو بس نہیں چلتا مجھے پنجرے میں بند کر کے رکھ دیں۔'' وہ منہ پھلا کر کس قدر غصے سے بولی مگر جہان کو مسکراہٹ چھپانا پڑ گئی تھی۔

(ایسا بچاؤ میں ساری زندگی بہت شوق سے کرنے کو تیار ہوں، ایک بار میری پناہوں میں آ جاؤ، تمہیں بتاؤں گا زینی کہ کب کس پل کس لمحے میں نے کس درجہ شدت سے تمہارے لئے کیا محسوس کیا ہے۔)

''اڑا لیں میرا مذاق، میں نے بہت مزے کا جوک سنایا ہے نا آپ کو۔'' زینب نے اس کے ہونٹوں کی تراش میں مچلتی مسکان دیکھ لی تھی اس کی وجہ سمجھے بغیر اس پہ الٹ پڑی جہان گڑبڑا سا گیا۔

''افوہ میں مذاق کیوں اڑاؤں گا۔''

''اچھا چھوڑیں مجھے یہ بتائیں آپ شاپنگ کے لئے لے جائیں گے مجھے؟'' اس نے ایک دم سے موضوع تبدیل کر دیا، جہان نے سکھ کا سانس لیا تھا، ورنہ وہ جس بات کے پیچھے پڑتی تھی اگلوا کر دم لیا کرتی۔

''کب جانا ہے؟'' جہان نے اپنی چائے کا ٹھنڈا ہو جانے والا مگ اٹھایا۔

''کل چلے جائیں گے، مجھے شادی کے لئے ہی خریداری کرنی ہے، گفٹ بھی لینا ہے، سمجھ نہیں آ رہی کیا دوں؟ جے آپ بتائیں دلہن کے لئے کیا لینا چاہیے؟'' وہ ہمیشہ کی طرح بہت سہولت سے اپنی الجھن اس سے بیان کر گئی تھی۔

''گولڈ کا جیولری سیٹ لے لیں، اتنی دور سے آپ اسپیشلی شرکت کے لئے جا رہی ہیں ظاہر ہے وہ آپ کی بیسٹ فرینڈ ہی ہو گی۔''

''بیسٹ فرینڈ نہیں فرینڈ کی بہن ہے اور مجھے تو جیولری سیٹ پہ قطعی اعتراض نہیں سوچ لیں سارا بوجھ آپ کی جیب ہی پر پڑنا ہے، مما نے تو اتنے مہنگے گفٹ کا سن کر ہی مجھے ڈانٹنا شروع کر دینا ہے۔'' وہ ہنس رہی تھی اور جہان اس کی ہنسی کی جھنکار میں خود کو گم ہوتا محسوس کرنے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے کل لے جاؤں گا میں تمہیں۔'' جہان نے چائے کا بھرا ہوا مگ اسے پکڑایا اور خود پلٹ کر کمرے کی جانب چلا گیا۔

''جے آپ کی چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے اور بنا کے لا دوں؟''

وہ آج جانے کس موڈ میں تھی کہ آفر کی تھی ورنہ وہ کہے ہوئے کام کو بھی خاص طور پہ اسے اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی آس پاس نہ ہوتا تو صاف انکار کر دیا کرتی تھی۔

''اگر زحمت نہ ہو تو۔'' جہان نے اختصار سے کام لیا تھا۔

''جی بہتر ابھی لاتی ہوں۔'' وہ مگ اٹھاتے چلی گئی تھی، جہان کے چہرے پہ ایک مستقل مسکراہٹ تھی جو بے حد بھلی لگ رہی تھی۔

☆☆☆

یہ تمہیں بتا دوں میں
چاہتوں کے رشتوں میں پھر گرہ نہیں لگتی
اور لگ بھی جائے تو وہ کشش نہیں رہتی
ایک پھیکا پھیکا سا رابطہ تو ہوتا ہے
تازگی نہیں رہتی بات وہ نہیں رہتی
دوستی نہیں رہتی
لاکھ بار مل کے بھی دل دل سے نہیں ملتے
ذہن کے جھروکوں میں
تتلیوں کے رنگوں کے
پھول پھر نہیں کھلتے
اس لئے میں کہتی ہوں
اس طرح کی باتوں میں احتیاط کرتے ہیں
اس طرح کی باتوں سے
اجتناب کرتے ہیں

وہ جو کوئی بھی تھی فون پہ یقیناً اپنے لورز کو یہ نصیحت آموز کلام سنا چکی تو کھلکھلائی تھی، ژالے جو خود سے بھی اکتائی ہوئی تھی اور سکون کی تلاش میں اس گوشے میں آئی تھی، سبزے کی باڑھ کے پیچھے سے آتی اس آواز پہ قدموں کو زنجیر ہوتا محسوس کرتی وہیں تھم گئی تھی، لہجے و انداز کے برعکس الفاظ میں کوئی جیسے مقناطیسی کشش تھی، اس کے دل پہ اثر ہوا تھا آنکھیں جانے کس کس احساس کے تحت بھیگتی چلی گئیں، بیگ وہیں رکھ کر وہ گھاس پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں میں چہرا چھپا لیا، کیا کچھ باتوں کو فراموش کر کے جینا ممکن ہے؟ اے کاش میری یادداشت سے ہر ناپسندیدہ یاد ختم ہو جائے۔

اس نے بے حد اضطراب کے عالم میں بے بسی سے سوچا تھا، مسز آفریدی کی کہی ہر بات کی تصدیق اس دن کے اخبار سے ہو گئی تھی، نیلما نے اس بدنام فطرت سیاسیت دان کے رہائش گاہ پہ اپنی دیگر ساتھی اداکاراؤں کے ساتھ مجرا کیا تھا، صرف مجرا نہیں اس کے علاوہ بھی ہر برا عمل کیا اس کے تعلقات صرف کسی ایک مرد کے ساتھ ہوں گے؟ آپ خود سمجھ دار ہیں۔

صحافی کے انڈر لائن فقرے ژالے کے وجود میں زہر میں بجھے کتنے خنجر اتار دیئے تھے یہ کوئی نہیں جانتا تھا، وہ اس ایک تعلق پہ جی بھر کے شرمندہ ہو گئی تھی، دنیا سے کیا خود سے بھی چھپتی پھرتی تھی اور جو کسی کو خبر ہو جاتی کہ وہ اسکینڈل کی زد میں ہر دم رہنے والی اداکارہ نیلما کی کچھ لگتی تھی

تو.....

اس سے آگے وہ تصور بھی کوئی نہیں رکھتی تھی، وہ اس سے جتنی نفرت کرتی تھی اس سے بڑھ کر پتہ نہیں اس کے لئے جذباتی کیوں ہو جاتی تھی، کالج میں پچھلے دنوں جو ہنگامہ ہوا تھا، وہ اس کی جذباتیت اور حماقت کا بہترین ثبوت تھا، جب اس نے نیلما کے حوالے سے طیش میں آ کر جھگڑا، یہ مسز آفریدی کا خیال تھا، لوگوں کو الہام نہیں ہوتا کچھ بھی ہنی مگر تم انہیں چونکاتی ہو تمہارا رویہ انہیں بہت کچھ قیاس کرنے پہ مجبور کرتا ہے اور اسے لگا تھا وہ کچھ اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہی تھیں۔

''جبکہ نیلما اس سے محبت کی دعویدار تھی، کیسے یقین کر لیتی وہ۔''

''اگر وہ مجھ سے محبت کرتی تھی تو پھر اسے میری عزت کا بھی خیال ہونا چاہیے تھا، اگر اس نے یہ خیال نہیں کیا تو پھر واضح ہے یہ بات کہ اسے مجھ سے محبت نہیں ہو سکتی، ہاں ٹوٹے ہوئے رشتے پھر سے نہیں جڑ سکتے، یہ مسخ ہو جائیں تو پھر ان کی بدصورتی کو ختم نہیں کیا جا سکتا، مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے تصور میں نیلما کے تصور کو مخاطب کر کے قطعی انداز میں خود کو اور اسے گویا باور کرایا تھا۔

☆☆☆

میرے بچھڑے ہوئے ساتھی
میں جذبہ ہوں ازل کی سرحدوں سے بھی کہیں آگے
اور ہمارا رابطہ تھا ابد کے گھور گہراؤں میں اترنے تک
میں تیری ذات کا حصہ رہوں گا
تیری نیندوں میں مہکوں گا
تیری تنہائی کا حصہ رہوں گا
مگر پھر بھی بیاض دل پہ میں
جب بھی تمہارا نام لکھتا ہوں
تمہیں گمنام لکھتا ہوں

اس دن کے بعد پرنیاں خاص طور پہ بالکل گم صم ہو کر رہ گئی تھی، جانے کیوں مما کا یوں رو دینا اسے گہرے تفکرات کا شکار کر گیا تھا، وہ مل چکی تھی ان سے، اس نے انہیں اتنا کمزور اور چھوٹے دل کا تو نہیں پایا تھا کہ معمولی بات پہ یوں پریشان ہو جائیں، مختلف سوچیں اور تفکرات وہ چند دنوں میں ہی ادھ موئی ہو گئی تھی گویا جانے کیوں ہر خیال معاذ سے شروع ہو کر معاذ پہ ہی کیوں ختم ہوتا تھا، سب سے جان لیوا جو سوچ تھی وہ اس کے انتہائی اقدام کی تھی۔

''اگر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا؟'' وہ سوچتی اور دل کو سوکھے پتے کی طرح سے لرزتا محسوس کرنے لگتی، کئی بار دل میں آئی خود انہیں فون کر کے صورتحال معلوم کرے اور کچھ نہیں کم از کم اس جاں کنی کی کیفیت سے تو نجات حاصل ہو مگر وہ تمام حوصلے مجتمع کرنے کے باوجود ایسا نہیں کر پائی تھی، کشمالہ اس سے کھانے کا پوچھ آئی تو اس نے صاف منع کر دیا۔

''بی بی صاحبہ آپ نے کل رات سے بالکل کچھ نہیں کھایا، بڑا صاحب ام سے فون پہ پوچھتا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ام کو جھوٹ بولنا پڑتا۔''

''ایک بار اور جھوٹ بول دینا۔'' وہ بے اعتنائی سے جواباً بولی تھی کہ مما کے ہمراہ اسی پل اندر داخل ہوتے پپا نے بے ساختہ ٹوکا۔

''اونہہ بہت بری بات بیٹے! جھوٹ کبھی نہیں بولتے۔'' ان کے لہجے میں فہمائش تھی مگر مسکراہٹ لئے ہوئے، پرنیاں نے ایک جھٹکے سے مڑ کر انہیں دیکھا کچھ پل کو وہ حیرت اور غیر یقینی کی کیفیت میں ساکن رہ گئی تھی پھر جانے کیا ہوا وہ ایک دم سے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھی اور مما کے سینے سے لگتے ہی بے ساختہ و بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر روتی چلی گئی تھی، مما تو مما پپا بھی سٹپٹا گئے تھے، مما کو جہاں اس کی اس اپنائیت بھری محبت کے مظاہرے نے شانت کیا تھا وہاں اس کے یوں بے تابی سے رونے نے مضطرب و بے چین بھی کر دیا۔

''پرنیاں میری بچی میری جان کیا ہوا؟'' اسے نرمی سے خود سے الگ کر کے وہ اس کا چہرہ بار بار چومتے ہوئے آنسو پونچھنے لگیں، انداز میں اتنی اپنائیت ایسی توجہ و محبت تھی جو جکڑ لینے کا فن رکھتی تھی، پرنیاں جو اتنے دنوں کی شدید ٹینشن اور تنہائی کا شکار ضبط کھو بیٹھی تھی احساس ہونے پہ خود کو سنبھالنے کی سعی کرنے لگی۔

''آپ روئیں کیوں بیٹا! مجھے بتاؤ میرا دل ہول رہا ہے۔'' مما مضطرب سی ہو کر بولی تھیں، ان کی نگاہ اس کے کپکپاتے تنگرنی لبوں و بھیگ کر غضب ڈھاتی دراز ریشمی پلکوں پہ اٹک رہی تھی، پرنیاں کچھ خفیف سی ہو گئی جو بات تھی وہ بتانے والی کہاں تھی۔

''کچھ نہیں ایسے ہی بس ذرا اداس ہو رہی تھی۔'' اسے کچھ تو وضاحت دینا تھی بہر حال، البتہ اپنی کمزوری پہ وہ اب جیسے خود سے بھی خفا تھی۔

''مجھے اپنی بیٹی کے دل کی خبر ہو گئی تھی جبھی آ گئی ہوں نا تمہارے پاس۔'' انہوں نے پھر سے اسے لپٹا کر کہا تو پرنیاں نے گہرا سانس بھر کے پپا کو دیکھا جو ساتھ لایا سامان سائیڈ پہ رکھ کے صوفے پہ بیٹھ چکے تھے، اس کے سلام کا متانت و شفقت سے جواب دے کر خیریت دریافت کرنے لگے۔

''میں چائے بنا کر لاتی ہوں آپ کے لئے۔'' وہ فوراً اٹھی، تو پپا نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا تھا۔

''رہنے دو بیٹے! گل خان آگاہ ہے ہماری آمد سے، چائے ابھی آ جائے گی، آپ بتاؤ کھانا کیوں نہیں کھا رہی تھیں آپ؟'' ان کا سوال اسے کچھ خائف کر گیا۔

''ایسے ہی پپا! بھوک نہیں محسوس ہو رہی تھی۔''

''بچی تو کہہ رہی تھی آپ کل رات سے کھانا نہیں کھا رہیں؟'' ان کی نگاہوں میں تشویش تھی، پرنیاں نے ہونٹ کاٹ لئے، پپا نے اس کے مضمحل انداز اور جھکے سر کو دیکھا تھا پھر رسانیت سے مما کو مخاطب کر لیا۔

''بیگم صاحبہ آپ ہماری بیٹی کو خود کھانا کھلائیں گی۔'' پرنیاں ان کی بات پر سٹپٹا کر رہ گئی۔

''نہیں پپا! میں خفا تھوڑی ہوں پلیز خود کھا لوں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر کھائیں، کم آن۔" وہ اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہو کر مسکرائے تھے، مما ہنسنے لگیں، جبکہ پرنیاں کا شرمندگی سے برا حال ہو گیا تھا، پھر پپا اور مما کی سنگت میں وہ واقعی بہت بہل گئی تھی، رات کے کھانے کے بعد مما اپنا تکیہ اٹھائے اس کے کمرے میں ہی آ گئی تھیں، اس وقت وہ کشمالہ سے آتش دان میں ایندھن ڈلوا رہی تھی۔

"میں نے تمہارے پپا سے صاف کہہ دیا، آج میں اپنی بیٹی کے ساتھ سوؤں گی۔" وہ اس کے بستر پہ بیٹھتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں، پرنیاں ان کی محبت پہ آنکھوں کو نم ہوتا محسوس کرنے لگی۔

"مجھے اپنی بیٹی سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں، ویسے اگر تمہاری جگہ پہ یہ بات میں معاذ سے کہتی نا تو اس بدتمیز نے کہنا تھا یہ ہمارے پپا کی سراسر حق تلفی ہے خاتون۔" وہ اپنی بات کہہ کر خود ہی ہنسنے لگیں، جبکہ پرنیاں کے چہرے پہ ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا، جسے مما نے بغور دیکھا تھا پھر اس کا چہرا اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔

"اتنی سنجیدہ اور خاموش کیوں رہتی ہو بیٹے! ہنسا بولا کرو، تمہاری عمر کی لڑکیاں تو ہنستی بولتی ہی اچھی لگتی ہیں۔" پرنیاں نے ایک نظر انہیں دیکھا اور محض سر اثبات میں ہلا دیا تھا، پھر کس قدر جھجک کر بولی تھی۔

"آ.....آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں بیٹے ضرور۔" وہ جیسے فدا ہی ہو گئیں۔

"آپ اس دن فون پہ روئی کیوں تھیں؟" اور مما نے صاف نظریں چرا لی تھیں، پرنیاں نے ہونٹ بھینچ لئے، اسے اندازہ ہوا تھا اس کی بات کا جواب نہیں ملے گا۔

"اتنا بھرا پڑا گھر ہونے کے باوجود آپ یہاں اکیلی ہو بیٹے! بس یہ خیال مجھے اکثر افسردہ کر دیا کرتا ہے۔"

"میں ہمیشہ کے لئے یہاں تھوڑا ہی آتی ہوں۔" اس نے اپنے تئیں اپنی تسلی دی جسے انہوں نے اپنے انداز میں لیا۔

"ہاں بیٹے اللہ نے چاہا تو بہت جلد آپ ہمارے ساتھ ہوں گی، بس معاذ کی تعلیم مکمل ہو جائے تو ہم پھر باقاعدہ رخصت کرا لائیں گے اپنی بیٹی کو۔" ان کی بات پہ پرنیاں کے چہرے پہ نا چاہتے ہوئے بھی زہر خند پھیل گیا تھا، اس کا جی چاہا اپنے اندر کی ساری نہیں تو کچھ نہ کچھ تلخی ضرور ظاہر کر دے مگر وہ اس بے قصور مہربان عورت کو ہرگز بھی مزید ٹینشن دینا نہیں چاہتی تھی، پھر سب سے اہم بات یہ اس کی انا کو یہ ہرگز گوارا نہیں تھا۔

"زینب اور ماریہ نے آپ کے لئے گفٹس بھیجے ہیں بیٹے کھول کر دیکھو نا۔" انہیں اچانک خیال آیا تو اٹھ کر ایک بیگ اٹھا لائیں اور زپ کھول کر کچھ چھوٹے بڑے پیکٹ نکالے، پرنیاں کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی، کیا اس میں ہمت تھی کہ وہ اتنے سارے لوگوں کی محبتوں سے منہ پھیر لیتی، اس نے آنسوؤں سے دھندلی ہوئی نظروں سے گفٹس کے انبار کو دیکھا تھا جو گھر کے ایک ایک فرد کا نام لے کر مما اس کے سامنے ڈھیر کرتی جا رہی تھیں۔

"میں تو اسی دن آپ کے پپا کے ساتھ یہاں آنا چاہ رہی تھی مگر جب بچوں کو پتہ چلا تو روک دیا مجھے کہ وہ سب تمہیں گفٹ بھیجنا چاہتے تھے، ماریہ اور حوریہ تو آپ کو دیکھنے کو سخت بے چین تھیں بڑی مشکلوں سے انہیں سمجھا بجھا کر روکا ہے، کچھ پتہ نہیں کب وہ ہماری سنیں ہی نہ تمہارے سر پہ آ جمع ہوں۔" وہ ہنس کر بتا رہی تھیں، پرنیاں کے ساتھ اور کتنی ہی باتیں کرتے رہنے کے بعد مما جب سو گئیں تو پرنیاں نے سارے گفٹ پیک سمیٹ کر سائیڈ پر رکھ دیئے اور خود بھی مما کے برابر لیٹ کر لائٹ آف کر دی تھی۔

"تو آج یہ طے ہوا معاذ حسن کہ تمہاری وجہ سے میں تمہارے رشتوں کے ساتھ مس بی ہیو نہیں کر سکتی، اگر تم میرے مجرم ہو تو پھر سزا بھی تمہیں ملنی چاہیے، اگر تقدیر نے مجھے اس کا موقع دیا تو میں اپنی اس توہین اور ناقدری کا احساس دلائے بغیر نہیں رہوں گی۔" نیند کی آغوش میں جانے سے قبل اس نے معاذ حسن کے تصور سے مخاطب ہو کر گویا خود سے عہد باندھا تھا۔

☆☆☆

"صد شکر کہ آپ کی واپسی ہوئی، ورنہ میں تو سمجھی تھی چھٹی بہو کو گھٹنے سے لگا کر بیٹھی رہیں گی۔" زینب کالج سے لوٹی تو مما آ چکی تھیں اور اب مما جان اور اسما بھی کے ساتھ بیٹھیں پرنیاں کی ایک ایک بات پوری جزئیات سے بیان کر رہی تھیں، ان کے چہرے کی تمتماہٹ لہجے کا جوش ان کی محبت کا گواہ تھا، جب وہ پرنیاں کے حسن جہاں سوز کی قصیدہ خوانی میں لمبی تقریر کرتیں زینب کو از حد کوفت ہوا کرتی تھی، یہ سچ تھا کہ وہ بن دیکھے ہی پرنیاں سے چڑ محسوس کرنے لگی تھی، آج تک اس نے ہمیشہ اپنے حسن و جمال کی تعریفوں میں ہر کسی کو رطب اللسان پایا تھا، مگر جب سے پرنیاں کا نکاح معاذ سے ہوا تھا ہر طرف اس کے حسن کے چرچے پھیل گئے تھے اس چڑ کی اصل وجہ یہی تھی، اس جیسی خود پسند لڑکی کو یہ سب برداشت کرنا از حد مشکل تھا، اس پہ ستم یہ کہ مما کو پرنیاں کے لئے جہاں سب نے اپنی محبت اور شوق میں گفٹ بھیجے تھے تو مما نے زینب سے خود کہہ کر پرنیاں کو گفٹ دلوایا تھا، ساتھ ڈانٹ بھی پڑی تھی کہ جب وہ اپنی شاپنگ کرنے گئی پرنیاں کے لئے کیوں نہ کچھ خریدا۔

"زینب یہ جیولری سیٹ تم بھابھی کو بھیج دو، آپ کی دوست کے لئے میں کل دوسرا لا دوں گا۔" جہان کا یہ کہنا ستم ہو گیا تھا، اس نے انتہائی خراب موڈ کے ساتھ اس وقت تو خاموشی سے وہ جیولری کیس مما کے حوالے کر دیا تھا مگر بعد میں جہان کی شامت ضرور آ گئی تھی، وہ اس پہ خوب ہی برسی تھی۔

"آپ کو کیا ضرورت تھی یہ سفارش کرنے کی آخر؟"

"اس میں حرج بھی کیا ہے آخر زینب۔" جہان کو حیرانی ہوئی تھی۔

"وہ میری چیز تھی نا؟ میری مرضی ہوتی تو میں کسی کو دیتی نہ ہوتی نہ سہی، آپ نے کیوں کہا؟" اور جہان اس کے دھڑلے اور دیدہ دلیری پہ خفت زدہ رہ گیا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

او کہہ پنڈ عشق دے

شہناز رانا

یار ڈاہڈی عشق آتش لائی ہے
او یار سانوں او دوست سانوں
لگ گئی بے اختیاری
سینے دے وچ نہ سمائی ہے
یار ڈاہڈی عشق آتش لائی ہے

گلوکار اپنی درد بھری آواز میں صوفیانہ کلام پیش کر رہا تھا اور میں یعنی سید ہاشم علی شاہ سر جھکائے زار و قطار آنسو بہانے میں مصروف تھا، مریدین قطار در قطار عقیدت کے مارے لب بستہ بیٹھے اپنے مرشد کو دیکھ رہے تھے انہیں کیا معلوم کہ میرا کون سا زخم لہرا گیا ہے ان کے نزدیک تو میں عشق حقیقی میں رو رہا ہوں لیکن یہ تو بس میں جانتا ہوں کہ یہ کیسے آنسو ہیں رب کائنات نے عشق بھی عجب جذبہ بنایا ہے جس تن لاگے سو تن جانے، وہ دونوں بھی تو اسی جذبے کا شکار ہو گئی تھیں اور میں کچھ بھی نہ کر سکا، بے بسی

ناولٹ

سے تماشہ دیکھتا رہا۔

☆☆☆

''دیکھئے سید ہاشم علی شاہ آپ کو کل ہماری گدی سنبھالنی ہے بس مناسب سی تعلیم آپ کے لئے کافی ہے یہ سائنس میڈیکل کی تعلیم آپ کی ضرورت نہیں ہے۔'' بڑے شاہ صاحب ڈیرے پر بیٹھے بیٹے کو سمجھانے میں مصروف تھے لیکن بیٹے کے سرخ و سفید چہرے پر نہ ماننا رقم تھا گو زبان خاموش تھی لیکن انداز بتاتے تھے کہ وہ اپنی بات پر قائم رہیں گے۔

''آپ نے جواب نہیں دیا جان پدر۔''

''شاہ بابا ہم میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔'' سید ہاشم علی شاہ جھکے سر کے ساتھ گویا ہوئے تھے، بڑے شاہ صاحب نے اپنے اس پندرہ سولہ سالہ بیٹے کو دیکھا تھا جو قد میں ان سے بھی اونچا ہو گیا تھا، پھر سیاہ لہرے دار گھنے بال سیاہ غلافی آنکھیں تیکھی ناک چوڑی پیشانی پہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب مل کر اسے بہت وجیہہ بنائے تھے اور سچ تو یہ تھا کہ بڑے شاہ کے گھرانے میں حسن کی دولت اللہ نے بہت فراخی سے عنایت کی تھی لیکن اس بڑے بیٹے کے وجیہہ وشکیل چہرے پر ایک خاص تابندگی تھی جس کی وجہ سے بڑے شاہ صاحب اسے خود بھی نگاہ بھر کر دیکھنے سے احتراز کیا کرتے تھے مبادا ان کی اپنی نظر نہ لگ جائے اسے انہوں نے ایک گہری سانس لی اور بڑے سے مونجھ کے پیڑھے سے اٹھ کھڑے ہوئے پاس آ کر بیٹے کے شانے پر تھپکی دی اور بولے۔

''ٹھیک ہے۔''

''شاہ بابا! اگر آپ دل سے راضی نہیں ہیں تو ہم نہیں پڑھتے۔'' سید ہاشم شاہ باپ کا ہاتھ تھام کر بولے تھے اور بڑے شاہ صاحب محبت سے انہیں دیکھتے رہے تھے۔

''نہیں اب جو آپ کی مرضی ہے شاہ وہی آپ کے بابا کی بھی مرضی ہے۔'' انہوں نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

''تھینک یو سو مچ شاہ بابا!'' اور بڑے شاہ صاحب رک کر مسکرائے اور ڈیرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

سید ہاشم علی شاہ نے گھر آ کر اپنی تیاری مکمل کی اور کچھ دن بعد وہ ایک کالج میں پری میڈیکل کی تعلیم لے رہے تھے۔

پہلے دن تعارف کا مرحلہ طے ہونا تھا، پروفیسر جعفر بخاری سب کو باری باری اپنا تعارف کروانے کے لئے کہہ رہے تھے اور سب لڑکے باری باری اپنا نام اور زندگی کا مقصد بتا کر بیٹھتے جا رہے تھے۔

''میرا نام کامران علی ہے، میرے فادر ڈاکٹر بننا چاہتے تھے لیکن بن نہ سکے ان کے خیال میں مجھے بننا چاہیے لیکن میں نہیں بننا چاہتا آپ لوگ دعا کیجئے گا کہ میں ایف ایس سی میں ناکام ہو کر اپنی مرضی کی فیلڈ جوائن کروں۔'' سب لوگوں کے منہ کھلے کھلے رہ گئے تھے انہوں نے دریدہ نگاہوں سے اپنے استاد کی طرف دیکھا لیکن وہ تو جیسے متوجہ ہی نہیں تھے۔

''میرا نام شہروز بھٹی ہے، میں ڈاکٹر بن کر دکھی انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔'' سانولے رنگ اور لمبے قد کا لڑکا مائیک تھامے ہاشم علی شاہ کے دائیں ہاتھ اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا، پھر ہاشم علی شاہ نے مائیک تھاما اور اپنی نشست پر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میرا نام سید ہاشم علی ہے، میں ڈاکٹر بن کر اپنے علاقے کے لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔'' ٹھہرا ہوا دھیما میٹھا لہجہ گمبھیر گہری آواز سب لوگ متوجہ ہو چکے اسی لمحے کامران فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ اس ہینڈسم لڑکے سے ضرور دوستی کرے گا اس کے بعد فنکشن کے دوران کامران خود ہاشم کے پاس آیا تھا۔

''ہیلو میرا نام کامران ہے اور میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔'' اور سید ہاشم علی شاہ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا، اسے بھی یہ دبلا پتلا گندم گوں رنگت والا چلبلا لڑکا اچھا لگا تھا۔

''یار تم تو مسکراہٹ سے ہی لوٹ لیتے ہو بندے کو وہ تو شکر ہے میں لڑکی نہیں ہوں ورنہ میں تو گیا تھا کام سے۔'' اور سید ہاشم علی شاہ نے پھر دھیمی مسکراہٹ پر ہی اکتفا کیا تھا۔

''اصل میں میرے سارے دوست میٹرک میں فیل ہو گئے ہیں ناں ناں اس میں، میرا کوئی قصور نہیں ہے؟ ان کے اپنے اعمال ان کے راستے میں آئے ہیں، اس لئے مجھ دوستوں کی بڑی ضرورت ہے یہاں اس ماحول میں کیوں اس خیر سگالی سے شہروز کو بھی فیض یاب جائے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' اور یوں کامران، شہروز اور سید ہاشم علی شاہ ایف ایس سی پری میڈیکل کی ایک ایسی تکون تھی جو یک جان وسہ قالب کے نام سے جانے لگے کے لئے بہت مشہور تھی، بلکہ جھپکتے شوخیاں شرارتیں کرتے دو برس بیت گئے تھے اور رزلٹ آنے پر پتہ چلا تھا کہ کامران اور ہاشم علی میڈیکل کا میرٹ حاصل نہیں کر پائے کامران بہت خوش کہ وہ اب کامرس کی تعلیم حاصل کر کے اپنا بزنس کرے گا۔

''تم کیا کرو گے شاہ جی!''

''یار میرا تو پہلے بھی پودوں کی ریسرچ میں زیادہ دل لگتا ہے میں آگے بوٹنی لوں گا۔''

''تو پھر یونیورسٹی میں داخلہ لے لیں؟''

''ہاں ظاہر سی بات ہے میں تعلیم تو جاری رکھوں گا۔'' سید ہاشم علی نے جواب دیا تھا۔

''شہروز یار! تو ہم سے بچھڑ جائے گا میڈیکل کالج کی رنگینوں میں جا کر۔'' کامران شہروز کو زچ کر رہا تھا۔

''نہیں جناب بلکہ آپ یونیورسٹی کی رنگین فضاؤں میں جا کر مجھے یاد نہیں کریں گے۔'' وہ بھی مقابلے کے تیار ہو کر میدان اترا تھا۔

دونوں لڑ رہے تھے۔

''میرے لئے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ میری محبوبہ تو میرے ساتھ ہے یار ہاشم کیا تھا اگر تو لڑکی ہوتا سچ میں تو پٹ سے تیرے پر عاشق ہو جاتا۔''

''اور جھٹ سے کوئی اور خوبصورت لڑکی دیکھ کر اس کے پیچھے جوتے کھانے چل پڑتا۔'' شہروز نے جل کر نقل اتاری تھی۔

''جی نہیں امپاسبل اس سے حسین لڑکی کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔''

''یعنی ہونے کی صورت میں تمہاری طرف سے کوئی گارنٹی نہیں ہے۔''

''اس معاملے میں کیا کہا سکتا ہوں۔'' اور

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب .... 1[illegible]5/-
خمارِ گندم 200/-
دنیا گول ہے 225/-
آوارہ گرد کی ڈائری 200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں 200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیئے 130/-
نگری نگری پھرا مسافر .... [illegible]5/-
خط انشاجی کے 200/-
بستی کے اک کوچے میں .... [illegible]
چاند نگر 165/-
دل وحشی 165/-
آپ سے کیا پردہ 250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو 200/-
انتخاب کلام میر .... [illegible]60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر 160/-
طیف غزل 120/-
طیف اقبال 120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور
فون نمبرز: 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب قہقہہ بے ساختہ تھا، یہ بات ہاشم بھی جانتے تھے کہ کامران صرف نٹ کھٹ طبیعت رکھتا ہے ورنہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کالج میں جبکہ وہ دونوں یونیورسٹی میں چلے گئے تھے۔

☆☆☆

''یار ہاشم! میں سوچ رہا ہوں کہ تیرے ڈیپارٹمنٹ میں آجاؤں۔'' وہ دونوں فری پیریڈ میں کیفے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کامران نے لڑکیوں کے ایک غول کو اندر آتے دیکھ کر کہا تھا۔

''کیوں کیا کامرس سے جی بھر گیا کیا؟''

''نہیں کامرس سے تو جی نہیں بھرا لیکن یار اس شدید گرمی میں مجھے تیرے ساتھ رہنا چاہیے۔''

''میرے ساتھ وہ کیوں؟'' ہاشم شاہ نے سینڈوچ کا پیس اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

''یار! ہر حسین لڑکی بلکہ ہر فی میل تجھے دیکھ ٹھنڈی آہیں بھر کر ماحول کو قطب شمالی جتنا ٹھنڈا بنا دیتی ہے تو پھر میرا بھی فائدہ ہے اس میں۔''

''فضول باتیں نہیں کروں۔'' ہاشم شاہ مسکرا رہا تھا۔

''یار! میں سوچتا ہوں بلکہ گاتا ہوں۔''

تجھ کو دی صورت پری سی
دل نہیں تجھ کو دیا
پوچھتا میں خدا سے
یہ ظلم تو نے کیوں کیا
یہ ظلم تو نے کیوں کیا؟

''فضول باتیں، نمبر ون تمہیں ایسی کافرانہ باتیں نہیں کرنی چاہیں اور نمبر ٹو میں پری نہیں ہوں مائنڈ اٹ اور نمبر تھری اگر کسی لڑکی نے یہ اپنے پر فٹ کر لیا ناں تو میری نیک نامی کے بھی پرخچے اڑ جائیں گے۔'' ہاشم علی شاہ اسے راہ راست پر لانے کی اپنی سی کوشش کر رہے تھے جو کہ ظاہر ہے ناکام ہوتی نظر آ رہی تھی، لیکن اس نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

''یار! جس حساب سے تیری طرف لڑکیاں دیکھتی ہیں ناں اگر میں ہوتا تیری جگہ تو چار شادیاں بیک وقت کر لیتا آخر شرع نے اجازت دی ہے۔'' کامران حسب عادت اپنی پٹڑی پر رواں دواں تھا۔

''جی نہیں شرع نے اس لوفرانہ کام کے لئے نہیں کہا ہے اور تم جیسوں کو شرع صرف اپنے فائدے کے لئے ہی یاد آتی ہے کیا۔'' وہ دونوں سینڈوچ اور کوک ختم کر چکے تھے، اس لئے اپنے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل دیے، یہ بات سید ہاشم علی شاہ بھی بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ صنف نازک ان سے بہت جلد متاثر ہوئی ہے وہ بی ایس سی فائنل ایئر میں تھے لیکن قد کاٹھ غضب کا تھا اس پر ان کی بے نیازی، یہ نہیں تھا کہ انہوں نے آئیڈیل بنایا ہوا تھا بلکہ وہ اپنے خاندانی وقار کے منافی سمجھتے تھے یہ سب چیزیں اس لئے ان کی آنکھیں ایسے موقعوں پر زمین کی طرف ہی دیکھ رہی ہوتی تھیں لیکن ان کی بے نیازی صنف مخالف کے دل پر آرے چلا جاتی تھی بہت سی لڑکیاں ان کی طرف بڑھیں لیکن وہ کسی کے ہاتھ نہیں آئے ان سے شائستہ طریقے پر ایک فاصلہ رکھنے میں کامیاب رہے تھے۔

''یار شاہ میں سوچ رہا ہوں کہ فارغ ٹائم میں پوسٹر سائز تصاویر کا کاروبار شروع کر لوں۔'' وہ آج پنجاب یونیورسٹی سے پیدل مینار پاکستان کی طرف جا رہے تھے کہ فٹ پاتھ پر مختلف اداکاراؤں اور کھلاڑیوں کی تصاویر کے پوسٹر دیوار پر لگے دیکھ کر کامران بولا تھا۔

''یقیناً کسی اداکارہ پر دل آیا ہو گا ورنہ مقدس مقامات کے پوسٹر تو تم نہیں لے کر بیٹھو گے۔'' ہاشم شاہ نے اندازہ لگایا تھا۔

''بالکل غلط اندازہ ہے تمہارا؟''

''پھر کسی کھلاڑی کی تصاویر۔''

''اونہوں بس تم گیس کرو میں یہ سٹال گرلز کی کینٹین کے سامنے لگاؤں گا۔'' ہاشم شاہ نے اندازہ لگایا۔

''نہیں شاہ جی آپ کے پوسٹر کیونکہ آپ کے میدان میں آنے کے بعد یہاں کی لڑکیاں آپ کے لئے زیادہ آہیں بھرتی ہیں۔''

''بکواس نہیں کرو۔'' سید ہاشم شاہ زچ ہو گئے تھے۔

☆☆☆

جون کی آخری تاریخیں تھیں لاہور شہر گرمی کی وجہ سے بھٹی کی مانند تپ رہا تھا سڑکوں پر تپش کی وجہ سے سیاہ تارکول پگھلتا محسوس ہو رہا تھا۔

لو اتنی شدید تھی کہ ذرا سا گاڑی کا شیشہ کھولنے پر یوں لگتا تھا جیسے آگ برس رہی ہو۔

سید ہاشم علی شاہ کے فائنل سمیسٹر سے پہلے چھٹیاں تھیں انہوں نے اماں جان اور چھوٹی لاڈلی بہن کے شاپنگ کرنا تھی وہ لبرٹی سے خوب ساری شاپنگ کر کے لوٹے تو فضاء گرد آلود ہو گئی تیز جھکڑ چلے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا دن دو بجے سیاہ رات لگنے لگی تھی، ان کے گاڑی میں بیٹھتے ہی موٹی موٹی بوندیں پڑنے لگیں بجلی چمک رہی تھی، وہ تیزی سے ونڈ اسکرین پر وائپر کی مدد سے صاف ہوئی سکرین سے باہر کا منظر دیکھتے گاڑی احتیاط سے بھگائے لے جا رہے تھے ایک موڑ مڑتے ہوئے انہیں کسی راہ گیر کے سڑک کے نیچے درخت کے کنارے کھڑے ہونے کا شائبہ سا ہوا جہاں ان کا دل اس بارش سے خوش ہو رہا تھا وہیں اس طوفانی بارش میں کسی نسوانی وجود کا یوں سڑک کے کنارے کھڑا ہونا پریشان کر گیا تھا، انہوں نے گاڑی بیک کی وہ واقع ہی لڑکی ہی تھی، انہوں نے اس کے پاس گاڑی روکی اور شیشہ نیچے کر کے بولے۔

''بارش بہت تیز ہے آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔'' لڑکی بالکل قریب گاڑی کھڑی ہوئی دیکھ کر اپنی جگہ سے اچھلی تھی لیکن شائستہ آواز و انداز دیکھ کر اسے حوصلہ سا ہوا پر بولی۔

''نو تھینکس میں رکشہ کر لوں گی۔''

''دیکھئے محترمہ! اس طوفان میں رکشہ ٹیکسی ملنا مشکل ہے آجائیں ورنہ سڑکوں پر پانی بھر جانے سے ڈرائیونگ مشکل ہو جائے گی۔'' لڑکی شاید ہچکچا رہی تھی۔

''آپ کی بہتری کے لئے ہی کہہ رہا ہوں آگے آپ کی مرضی۔'' ہاشم علی شاہ گاڑی آگے بڑھانے لگے تھے، کہ لڑکی نے پچھلی سمت جا کر پچھلا دروازہ کھولا اور گاڑی میں بیٹھ گئی، ہاشم شاہ نے پچھلا دروازہ کھول کہ دوبارہ بند کیا اس دوران ان کی نظر لڑکی کے انتہائی گورے اور پرکشش ہاتھوں پر پڑی نیل پالش سے بے نیاز انتہائی گلابی ناخن اور گورے ہاتھ بارش میں دھل کر چمپا کی کلیوں کی مانند ہو گئے تھے، انہوں نے نگاہ اس پر ڈالی، انتہائی متناسب تراشیدہ بدن تھا کیونکہ لباس بھیگ کر ستر پوشی کرنے کی بجائے بدن کی رازعیاں کرنے کے درپے تھا، لڑکی نے جھرجھری سی لی اور وہ سیدھے ہو کر ڈرائیونگ کرنے لگے، وہ نظر باز نہیں تھے، اگر وہ چاہتے تو ان کے علاقے کا منتخب حسن ان کے ایک اشارہ کرنے پر ان کے قدموں میں ہوتا کیونکہ دوسرے گدی نشین اور سجادہ نشین زبردستی یہ کام کر لیا کرتے تھے پھر ہاشم شاہ کی تو شخصیت بھی بہت پرکشش تھی، مگر وہ ان چیزوں سے بے نیاز تھے یہ کہتے ہیں ناں کی بعض لمحے قاتل ہوئے ہیں ان کا فسوں انسان کو اس کی سدھ بدھ بھلا دینا ہے ہاشم شاہ جو کسی حسینہ کے ہاتھ نہیں آئے تھے ان قاتل لمحوں کے پھیلائے جال میں پھنس چکے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے بیک ویو مرر اس لڑکی کے چہرے پر سیٹ کر لیا تھا اور ان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ سب چھوڑ چھاڑ کر بس اس کا چہرہ دیکھتے جائیں، لڑکی کا چہرہ انتہائی سفید تھا سفیدی میں خفیف سا گلابی پن جھلکتا تھا ستواں ناک شربتی آنکھیں چھوٹا دہانہ بھرے بھرے گلابی ہونٹ چاند چہرے کے گرد ہالہ کئے ہوسیاہ بال جنہیں وہ جھٹک جھٹک کر سکھا رہی تھی، صراحی دار گردن اور توبہ شکن تناسب لئے ہوئے بدن، اگرچہ وہ اپنے لباس کو چنگیوں میں لے لے کر سکھانے کی کوشش میں تھی پر نہیں جانتی تھی کہ اس طرح وہ اپنے بدن کے راز عیاں کر رہی ہے اور کوئی اس پر دل و جان ہارتا جا رہا ہے اس نے اپنا جانا پہچانا علاقہ آنے پر مین روڈ پر ہی اترنا چاہا تھا، بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔

''بس ہمیں اتار دیں آپ کا بہت شکریہ ورنہ مجھے بہت مشکل ہو جاتی۔'' فضاء میں جیسے ان گنت جلترنگ سے بجے تھے۔

''آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔'' سید ہاشم شاہ ٹرانس کسی سی کیفیت میں بولے تھے۔

''تمنا!''

''کس کی؟'' بے ساختہ ان کے لبوں سے پھسلا تھا وہ اپنے بھرے بھرے ہونٹوں سے مسکرائی تھی اور ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرتی تیزی سے روڈ کراس کر گئی تھی، ہاشم شاہ کچھ دیر تک تو کھوئے کھوئے سے بیٹھے رہے پھر گاڑی ڈرائیو کر کے گھر آ گئے اس وقت تک انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے جہاں سوز حسن نے جو دل نادان میں گھاؤ ڈالے ہیں وہ لاعلاج ثابت ہوں گے لیکن اس شام کی بھیگی ہوا اور رات میں تارے آسمان پر آنکھیں جھپکتے ہوئے نمودار ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ بھی اس کم بخت عشق کے روگی میں مبتلا ہو چکے ہیں لیکن مصیبت یہ تھی کہ انہیں نہ تو علاقہ یاد تھا اور نہ ہی وہ گلی جہاں وہ اتری تھی وہ تو اس کا فسوں خیز حسن دیکھتے دیکھتے ہی اسے اتار کر آ گئے تھے، اس قیامت خیز بھیگے حسن نے ان سے ان کی سدھ بدھ چھین لی تھی وہ ہاشم جو اپنے حلقے میں بذلہ سنج اور ذہین سمجھے جاتے تھے، انہیں خود پر تاؤ آ رہے تھے کیا تھا اگر یوں اسیر ہونا تھا تو میں کم از کم علاقہ یاد رکھ لیتا یا پیچھے جا کر گھر کا ایڈریس ہی نوٹ کر لیتا دل انہیں صلواتیں سناتا نہیں تھکتا تھا۔

ان کا کھویا کھویا رویہ ان کے دوستوں پر عیاں ہو گیا تھا۔

''یار شاہ! معاملہ کیا ہے؟''

''ہوں ..... کچھ نہیں معاملہ کیا ہونا ہے۔''

یہ اس واقعہ سے مہینہ بھر بعد کی بات تھی وہ تینوں دوست شالیمار باغ میں سیر کے لئے گئے ہوئے تھے، جب کامران نے پوچھا تھا۔

''نہیں یار! ہم سے تو چھپانا ناممکن ہے کون ہے ویسے اتنی بدذوق جو تجھے آہیں بھرنے پر مجبور کر رہی ہے؟'' کامران تاڑ چکا تھا اور ہاشم بھی جان گئے تھے کہ اس سے جان چھڑا نہیں پائیں گے ویسے بھی وہ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے حال سے بے حال ہو گئے تھے پر اس کا نام و پتہ ندارد تھا، انہوں نے سارا حال دل کہہ سنایا۔

''اچھا تو یہ معاملہ ہے ویسے لالے مجھے لگتا ہے یہ ان دس ہزار پانچ سو مظلوموں کی بددعائیں ہیں ہو نہ ایسی بھی کیا بدحواسی کہ بندہ اتنی قیمتی چیز لے جانے والے سے اس کا پتہ ٹھکانہ نہ پوچھے۔''

''یہ دس ہزار پانچ سو کون ہیں اور میری کون سی قیمتی چیز لے گئیں ہیں وہ؟'' ہاشم حیران تھے۔

''لو جی ایسے تو سب نے عشق کو روگ نہیں کہا ہے اس میں سب سے پہلے تو عقل کام کرنا چھوڑتی ہے اور بھائی یہ ساڑھے دس ہزار یا اس زیادہ وہ لڑکیاں ہیں جنہیں تو نے گھاس نہیں ڈالی

تعداد تو زیادہ ہی ہو گی پر میرا خیال ہے کہ اتنی تعداد کی دعا عرش معلیٰ پر پہنچی ہے اور قیمتی چیز تیرا دل اس سے بڑھ کر کیا قیمتی ہو گا؟'' اور اتنی پریشانی میں بھی ہاشم شاہ دھیرے سے ہنس دیئے تھے۔

''شکر خدا کا تو ہنسا یار شاہ ورنہ میں تو صدمے سے مرنے والا تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ مجھے جولائی اگست میں نمونیہ نہ ہو جائے گا۔'' وہ پھر شروع ہو چکا تھا۔

''اچھا اب زیادہ پھیلو نہیں اسے ڈھونڈنے میں میری مدد کرو۔'' ہاشم شاہ مطلب کی بات کی طرف آئے تھے۔

''ہاں اس کے لئے تو میرے ذہن میں پلان ہے کل سے ہم مختلف پکنک پوائنٹس پر چیک کرتے ہیں۔'' اور ہاشم شاہ ان دونوں کے ساتھ سارا دن مختلف جگہوں پر مارے مارے پھرتے تھے اگست بیتا لیکن گوہر مقصود ابھی تک ہاتھ نہیں آیا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ ہر اہم پارک اور پکنک پوائنٹ کے گارڈز کو ہمارا حلیہ از بر ہو چکا ہے اس سے پہلے کہ دھر لئے جائیں کچھ اور سوچو۔'' یہ شہروز تھا جو سب سے پہلے اس مشغلے سے اکتایا تھا۔

''ٹھیک ہے پرسوں سے تعلیمی ادارے کھل رہے ہیں ہم نئی ترکیب سے اپنی ہونے والی بھابھی ڈھونڈیں گے۔'' کامران نے تجویز دی اور یہ ہاشم کے دل کو لگی حقیقتاً وہ پری جمال انہیں کسی کالج کی سٹوڈنٹ ہی لگی تھی، یوں ستمبر کی سات آٹھ تاریخ سے یہ مشن شروع ہو گیا لیکن ایک بات تھی کہ وہ تینوں اپنی پڑھائی سے غافل نہیں تھے اور بہت حقیقت پسندی سے اپنی تعلیم پر توجہ دے رہے تھے، وہ فارغ وقت نکال کر مختلف گرلز کالجز کے چھٹی کے اوقات میں ان کے آس پاس منڈلاتے رہتے تھے، دن گزرتے رہے لیکن کامیابی روٹھی محبوبہ بنی ہوئی تھی جو کسی صورت ہاتھ آ کر نہیں دے رہی تھی وہ جنوری کی دھند بھری دوپہر تھی۔

''میرا خیال ہے کل سے یہ کام چھوڑ دیتے ہیں۔'' ہاشم شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''لیکن ابھی بھابھی کو ڈھونڈ نہیں پائے ہم لوگ تو کیسے یہ چھوڑ دیں۔'' کامران کے ہاتھ دلچسپ مشغلہ لگا ہوا تھا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ شاہ سے مخلص بھی بہت تھا۔

''وہ تو نہیں ملیں پر میرا خیال ہے کہ اس ٹھنڈے ٹھار موسم میں گرم گرم جوتے مل جائیں گے کسی چوکیدار یا گھر والے سے جس طرح تم ندیدوں کی طرح سے ہر لڑکی کو گھورتے ہو۔''

''تو پھر اور کیسے ڈھونڈیں ہم لوگ اب ہماری نیت تو صاف ہے ناں لوگوں کا کیا ہے۔''

''چاہت میں کیا دنیا داری عشق میں کیسی مجبوری۔''

کامران گل بہار بانو بننے کی کوشش کرتا ہوا خاصے سر سے گار رہا تھا شہروز اور ہاشم زیر لب مسکرانے لگے اور واپس گاڑی میں بیٹھ کر اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئے تھے، یوں بھی اب ہاشم فائنل ایئر سے فارغ ہو چکے اور گاؤں جانے کی تیاری میں تھے۔

☆☆☆

وہ گاؤں آتے ہوئے اس دشمن جاں کا تصور آنکھوں میں بسائے بسائے پھر رہے تھے۔

''سید ہاشم علی شاہ میڈا سوہنا پتر اب تو تم نے بہت پڑھ لیا ہے اب بیاہ کے لئے ہاں کر دو۔'' اماں جان اپنی آنکھوں میں ممتا بھرے کہہ رہی تھیں اور ہاشم شاہ ان کے پاس تخت پر لیٹے ہوئے چھت کی کڑیوں کو گن رہے تھے۔

''اماں جان ابھی ہمیں اور پڑھنا ہے آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاظم اور ناظم کی کر دیں۔'' ہاشم شاہ کا ارادہ پودوں کی خصوصیات میں پی ایچ ڈی کرنے کا تھا، یا شاید دل نادان انہیں وقت گزارنے کے راستے سمجھا رہا تھا۔

''ناظم علی شاہ تو ابھی میٹرک میں ہیں شاہ بیٹا۔''

''تو سکینہ کی کر دیں۔''

''پھر کاظم اور سکینہ کی کر دیں ناں۔'' اور اماں جان کے چہرے پر ایک سایا سا لہرایا تھا۔

''سکینہ کی تو آج کر دوں پر اس کے جوڑ کا کوئی رشتہ خاندان میں نہیں ہے کچھ بہت بڑے ہیں بال بچوں والے ہیں اور کچھ ابھی بہت ہی چھوٹے ہیں بالکل بچے۔'' ان کی آنکھوں میں شاید نمی بھی آ گئی تھی جسے انہوں نے ہاتھ سے صاف کیا تھا۔

''تو پھر کیا سکینہ؟'' سید ہاشم اپنی بات پوری نہیں کر سکے تھے کیونکہ ان کی نظر میں برادری میں ایسی بہت سی مثالیں تھیں جن میں لڑکیاں ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھے بیٹھے بڑھاپے میں پہنچ جاتی تھیں اور پھر بے بسی کی موت ان کا مقدر بنتی تھی۔

''لیکن جوڑ تو میرا ابھی نہیں ہے۔''

''تمہاری بات اور ہے شاہ تمہارے لئے تو خاندان سے باہر سے بھی لڑکی لائی جا سکتی ہے پر سکینہ بیٹی ہے اور سیدوں کی بیٹیاں غیر سیدوں میں تو نہیں دی جاتیں۔'' اور ہاشم شاہ کا نرم سا دل بہن کے ساتھ پیش آنے والے المیہ پر تڑپ اٹھا تھا۔

''پھر آپ کاظم کی کر دیں اماں جان۔''

''ٹھیک ہے بیٹا مگر تم ٹھنڈے دل سے سوچ لو تمہارے ساتھ کے لڑکے بچوں کے باپ بن گئے ہیں۔'' ان کی اپنی منطق تھی، پر ہاشم شاہ اپنے دل کا کیا کرتے جو انہیں ساری ساری رات تڑپاتا تھا، وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپتے تھے پر ان کے پاس اس درد کا علاج نہیں تھا، ان کا فائنل ائیر کا رزلٹ آ گیا تھا اور انہوں نے فسٹ ڈویژن میں ایم ایس سی کلیئر کر لی تھی اور اب وہ دوبارہ اس شہر میں جا کر ایم فل کرنا چاہ رہے تھے۔

''بیٹا شاہ! آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں آپ کو یہ گدی سنبھالنا ہے ہمارا کیا ہے آج ہیں کل نہیں ہوں گے۔''

''اللہ آپ کو ہمیشہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے شاہ بابا اس گدی پر تو آپ ہی اچھے لگتے ہیں۔'' ہاشم اس گدی اور وارثت سے دور رہنا چاہتے تھے اس لئے اپنی بات شاہ صاحب تک پہنچانے کے لئے بے تاب تھے۔

''شاہ بابا! ہم ایم فل کے لئے جانا چاہ رہے ہیں۔''

''چلیں ٹھیک ہے بیٹا اگر ہم سے کوئی غلطی کوتاہی ہو گئی ہو تو ہمیں معاف کر دیں۔''

''ارے یہ کیا کہہ رہے ہیں شاہ بابا ہمیں آپ ایسے یہ سب۔'' ہاشم شاہ تو سٹپٹا کر رہ گئے تھے کیا کہیں اور کیا نہ کہیں ان سے تو قوت گویائی چھن سی گئی تھی۔

پھر باپ نے گلے لگا کر ماں نے آنسو بھری آنکھوں سے دعائیں دیتے انہیں رخصت کیا تھا، سکینہ اور چھوٹے بھائیوں سے ملتے سید شاہ کا جی بھر چاہا تھا کہ وہ وہاں گاؤں میں ہی رہ جائیں پر پھر علم کی لگن اور اس دشمن جان کو ڈھونڈنے کی غرض سے شہر آنا بھی ضروری ٹھہرا تھا، سو وہ کشاں کشاں لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

''شکر ہے شاہ تم آ گئے اب میری شادی خانہ آبادی میں شرکت کے لئے آج ہی گھر چلے آؤ۔''

''لیکن یار میری پڑھائی۔''

''افوہ ابھی کچھ دن بعد ہی پڑھائی زوروں پر ہو گی ناں تب تک تو تم میرے گھر ہی رہو گے بس۔'' وہ بھی کامران تھا اپنے نام کا ایک سو ہاشم شاہ کو اس کے شادی میں شرکت بھرپور طریقے سے کرنا پڑی تھی اور اس نے شادی کے دوران ہاشم کا خوب ریکارڈ لگایا تھا گو وہ کسی اور پر ظاہر ذریعے وہ شرارت کرنے سے باز نہیں آتا تھا شادی سے ایک دن پہلے اس نے سارا دن ایک ہی گانا سنتے ہوئے ہاشم اور شہروز کے ناک میں دم کئے رکھا۔

سارے منڈے لگ گئے کام سے
میں رہ گیا کنوارہ
ہائے میں کیا کروں
ہائے میں کیا کروں

اور ہاشم شاہ صرف زیر لب مسکراتے رہے تھے وہ جانتے تھے کہ ان کا دوست ان سے انتہائی مخلص ہے وہ انہیں چھیڑ بھی ان کی بہتری کے لئے رہا تھا پر کیا ہو سکتا تھا یوں چار پانچ ماہ کے وقفے سے شہروز نے بھی سہرا سجا لیا اور اب صرف ہاشم ہی کنوارے رہ گئے تھے، ان دونوں کی بیویاں سارا اور مہوش کامران اور شہروز کی طرح سے ہاشم کے مسئلے سے اچھی طرح آگاہ تھیں لہٰذا جب بھی وہ سب اکٹھے ہوئے اور ہاشم کا مسئلہ زیر غور آتا وہ دونوں میدان میں اتر آتی تھیں۔

''شاہ بھائی ایسا کرتے ہیں شیمپو یا واشنگ پاؤڈر بیچنے والی ٹیم بن کر تمنا بھابھی کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' ایک کہتی۔

''ہاں جیسے ان کے گھر والے بیل ہونے پر انہیں ہی تو بھیجیں گے ناں فلموں کی طرح سے کہ جاؤ بیٹی دیکھنا دروازے پر کون ہے گھر میں جوان بھائی تو کر چاکر اور ہٹے کٹے ابا جان چاہے آرام فرما رہے ہوں اور دروازے پر ہیرو ہیروئن ایک دوسری کی آنکھوں میں غوطے لگانا شروع کر کے گلا پھاڑ پھاڑ کر گانا بھی پکچرائز کروا لیں۔'' کامران اکثر ان کی تجاویز کی ہوا نکالا کرتا تھا سو یہ سلسلہ جاری رہا۔

''پھر ہم یوں کرتے ہیں کہ کوئی کریم یا میک اپ کی پروڈکٹ انٹروڈیوس کروانے کے بہانے سب گھروں کی خواتین سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' یہ سارا تھی کامران کی بیوی اور ہاشم اکثر سوچتا تھا اوپر والا بہت کچھ دیکھ بھال کر جوڑے بناتا ہے اگر کامران سیر تھا تو سارا سوا سیر۔

''ہاں یہ بھی بڑی اچھی تجویز ہے لیکن تمنا بھابھی کا تو اپنا رنگ اتنا گورا ہے کہ تم لوگوں کو ان سے نسخہ پوچھنا چاہیے جا کہ کیوں شاہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟'' اور ہاشم چپ بیٹھے زیر لب مسکراتے رہتے تھے، یوں ایک برس اور بیت گیا ہاشم اپنے ایم فل کو بہت انجوائے کر رہے تھے انہیں ان پودوں پھولوں پر ریسرچ کرتے ہوئے ان کو تخلیق کرنے والے کی قدرت کا کمال دیکھ دیکھ کر رشک آتا تھا کیا کیا اسرار چھپے ہوئے تھے ان سب چیزوں میں اس دوران اسے ایک ایسی بوٹی پر تحقیق کرنے کا موقع ملا تھا جو جامنی رنگ کی بے حد مہلک زہر رکھنے والی بوٹی تھی، لیکن اگر اسے سانپ کے کاٹے کی جگہ پر رکھ دیا جائے تو زہریلے سے زہریلے سانپ کے زہر کا اثر ختم ہو جاتا تھا، ہاشم شاہ نے گاؤں آتے ہوئے وہ بوٹی اپنے ساتھ لے آئے تھے وہ پندرہ دن کے لئے آئے تھے، اس بار ایک عجیب چیز ہوئی تھی کہ ان کے اٹھنے اور فریش ہونے کے فوراً بعد گرم گرم ناشتہ ان کے کمرے میں موجود ہوتا تھا، انڈے، پراٹھے، ڈبل روٹی، جیم اور جوس انہیں حیرت سی ہوئی تھی پھر جب وہ ناشتہ کر چکے تو ایک نانوس صورت برتن اٹھانے آئی تھی، سترہ اٹھارہ برس کی پر کشش لڑکی تھی۔

''نام کیا ہے تمہارا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پروین!''

''یہاں نئی آئی ہو۔'' ہاشم شاہ حیران تھے کہ لڑکی سلجھی ہوئی اور پڑھی لکھی لگتی پھر ان کے خاص ملازم ان کے گھر میں جدی پشتی تھے کسی نئے ملازم سے ناشتے کھانا جیسا کام اماں جان ہرگز نہیں کروا سکتی تھیں۔

''جی میں پہلے گجرات میں تھی مامے کے پاس اماں بیمار ہے ناں اس سے کام نہیں ہوتا اس نے بتایا مجھے بلوایا ہے۔''

''اماں کا کیا نام ہے؟''

''صغراں بی بی!'' صغراں ان کی پرانی ملازمہ تھی جو ہاشم شاہ کی والدہ کے ساتھ ان کے جہیز میں آئی تھی اور وہ کچن کی انچارج تھی، ان کے کام کرتے ہوئے لڑکی انہیں دیکھتی رہی تھی گو ہاشم کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن پھر بھی انہیں اس لڑکی کی گھنی پلکوں والی آنکھوں سے جھرجھری سی آئی تھی سو وہ بات کرنے کو پوچھ بیٹھے۔

''پڑھی لکھی ہو؟''

''ہاں جی میں نے آٹھ جماعتیں پاس کی ہوئی ہیں۔'' اس نے فخر سے بتایا تھا اگلے دن ہاشم شاہ ڈیرے سے واپس آرہے تھے کہ بڑے سے دلان میں گھر کے نوکر جمع تھے اور رونے پیٹنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

''کیا بات ہے اماں جان؟''

''جیراں کو سانپ نے ڈس لیا ہے حکیم جی کو بلوایا ہے پر اس بیچاری کی بری حالت ہے۔'' نرم دل سے اماں جان نے زمین پر بے سدھ پڑی ادھیڑ عمر عورت کی طرف اشارہ کیا، جس کا رنگ نیلا ہو رہا تھا اور ہاشم شاہ نے فوراً کہا۔

''حکیم جی تو شاید گھر پر ناں ہوں جاؤ پروین میرے کمرے کی دراز سے سفید رنگ کا پیکٹ اٹھالاؤ۔'' اور وہ فوراً بھاگی، ہاشم شاہ نے وہ بوٹی نکال کر جیراں کے پاؤں پر رکھ دی، تھوڑی دیر بعد اس عورت نے آنکھیں کھول دیں اور اس رنگ بھی بحال ہونا شروع ہو گیا۔

''شاہ جی آپ پر اللہ کی بڑی مہربانی ہے اللہ آپ کو ہمارے سروں پر ہمیشہ سلامت رکھے آپ مائی باپ ہیں۔'' ملازمائیں ہاشم شاہ کو رو رو کر دعائیں دے رہی تھی۔

''اسے سہارا دے کر چارپائی پر لٹاؤ اور حکیم سے کہنا اسے طاقت کی دوائی دے دے زہر اتر چکا ہے۔'' ہاشم شاہ جانتے تھے کہ ان پڑھ لوگ اسے بھی ان کی کوئی کرامت سمجھیں گے انہوں نے ملازموں کو یہ کہہ کر وہاں سے ہٹا دیا تھا، خود اماں جان کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گئے تھے۔

''شاہ بیٹے اللہ آپ کی کرامات میں برکت دے۔'' اماں جان ہاشم شاہ کو دعائیں دے رہی تھی۔

''ارے میری اچھی اماں جان یہ میری کرامت نہیں ہے یہ تو رب کی کرامت ہے جو اس بوٹی کی ذرے سے عیاں ہوئی ہے۔'' انہوں نے وہ لفافہ ان کے سامنے کیا جس میں وہ پانچ چھ پودے ڈال کر لائے تھے۔

''اچھا یہ بوٹی سانپ کے کاٹے کا علاج ہے۔''

''ہاں اماں جان یہ سانپ کے زہر کا شافی علاج ہے۔''

''پھر بیٹا اسے ہر گھر میں بانٹ دیتے ہیں یہاں اکثر سانپ نکلتے رہتے ہیں اور حکیم ڈاکٹر کے پہنچنے سے پہلے ہی مریض مر جاتے ہیں۔''

''لیکن اماں جان اس بوٹی پر ابھی میں تحقیق کر رہا ہوں کیونکہ اس میں ایک مسئلہ بھی ہے۔''

''وہ کیا؟''

''اگر اس بوٹی کو چائے شربت پانی وغیرہ

میں صرف ایک بار ڈبو کر نکال لیا جائے تو وہ چیز خطرناک حد تک زہریلی ہو جاتی ہے۔''

''نہیں بیٹا پھر اسے کسی کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیے یہاں دشمنیاں بہت ہیں لوگوں کی یہ نا ہو کہ سب ایک دوسرے کو ختم کرنا شروع کر دیں۔'' اماں جان کا نرم دل کانپ گیا تھا۔

''ہاں اماں جان میں کوشش کر رہا ہوں کہ اس سے کوئی دوا بن کر مارکیٹ میں آ جائے جس کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔''

''ہاں بیٹا اللہ سچا آپ کو کامیاب کرے۔''

☆☆☆

ہاشم شاہ سہ پہر کے وقت تمنا کے ساتھ رنگین روپہلی وادیوں میں دور تک چلتے جا رہے تھے ہر سو دھنک رنگ پھول کھلے ہوئے تھے چشمے پھوٹ رہے تھے آبشاریں موتی لٹا رہی تھی کہ انہیں لگا جیسے کوئی انہیں پکار رہا ہو، پر کسے فرصت تھی یہ پکار سننے کی پھر یکا یک ہاشم شاہ کو اپنے پیروں پر کسی کے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے سامنے پروین کھڑی تھی، ان کے پاؤں مذہبی گھرانے کا فرد ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ عقیدت سے چھو لیا کرتے تھے اگرچہ انہیں یہ ناپسند تھا پر پھر بھی صدیوں پرانی روایات پر عمل کرنے میں لوگوں کو فخر ہوتا، مگر یہ لمس اور طرح کا تھا اور پھر اتنا حسین سپنا ٹوٹا تھا انہیں سخت غصہ آیا تھا۔

''وہ..... شاہ..... جی..... میں..... میں نے آپ کو بہت آوازیں دی پر آپ جاگے نہیں پھر مجھے آپ کو اس طرح اٹھانے پڑا۔'' وہ اپنی صفائی دے رہی تھی۔

''کون سی آفت آ گئی تھی؟''

''وہ جی آپ کے دوست آئے ہیں شہر سے۔'' اور کامران اور شہروز کا نام سن کر ہاشم شاہ چھلانگ لگا کر بستر سے نکل گئے۔

دو دن ان کو سیر کراتے گزر گئے تھے۔

''شاہ اب شادی کر لے ناں یار۔'' کامران کی ایک ہی رٹ تھی۔

''ہاں اچھا۔'' ہاشم ٹالنے کے موڈ میں تھے۔

''یار وہ ہم دونوں کی بیویوں کے جال میں نہ پھنسنا ان دونوں کی چھوٹی بہنیں اور کزنز کی فوج موجود ہے ان بیاہی اور تم تو جانتے ہو کہ شادی شدہ خواتین کا من پسند مشغلہ رشتے کروانا ہوتا ہے۔'' کامران، ہاشم شاہ کو آگاہ کر رہا تھا۔

اگلے دن تہجد کے وقت ان لوگوں نے شکار کے لئے نکلنا تھا اور سید ہاشم شاہ ڈیرے سے اپنے کمرے کی طرف کچھ کاغذ لینے آئے تھے کہ دروازے کے باہر ان کے قدم اپنا ذکر سن کر رک گئے۔

''میرے چٹے جھاٹے میں سواہ ڈال رہی ہے تو پروین۔''

''میں نے کیا کیا ہے اماں؟''

''یوں اس وقت شاہ جی کے کمرے میں کیا کر رہی تھی تو۔''

''وہ..... مجھے ان کے کام کر کے سکون ملتا ہے اماں۔''

''اس وقت کون سا کام ہے یہاں؟''

''خدا کے لئے اماں مجھے یہاں اس کمرے میں رہنے دے یہاں شاہ جی کی خوشبو ہے مجھے ان سب چیزوں سے ان کی خوشبو آتی ہے۔''

''زبان کاٹ کے پھینک دوں گی طرح جانتی ہے تو کیا کہہ رہی ہے وہ ہمارے پیر و مرشد ہیں ہم کمی کمین تو کیا کر رہی ہے کڑیے؟'' یہ صغراں کی غراتی ہوئی آواز تھی۔

''اماں میں کوئی گناہ نہیں کر رہی ہوں۔'' پروین شاید رو رہی تھی۔

''یہ گناہ نہیں تو اور کیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اماں مجھے چھوٹے شاہ جی اچھے لگتے ہیں ان کے کام کرنا اچھا لگتا ہے۔''

اور ہاشم شاہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی تو گویا ان کی چھٹی حس نے انہیں درست خبردار کیا تھا۔

''تیری زبان نہ جلی ایسی بات کہتے اپنی اوقات کا پتہ ہے ناں تجھے۔''

''اماں مجھے کچھ نہیں چاہیے میں بے بس ہوں تو نے کیوں بلوایا مجھے یہاں بڑا ظلم کیا اماں ڈھاڈا ظلم اماں۔'' اور اس کے بعد وہ زور و شور سے رونے لگی تھی اور ہاشم شاہ کسی جواری کی طرح ڈیرے کی سمت بڑھ گئے تھے ان کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا یہ کیا ہو گیا یہ نہیں ہونا چاہیے تھا وہ پریشان تھے اور ان کے دوستوں نے اس پریشانی کو بھی ان کے اس عشق کے کھاتے میں ڈال دیا تھا یوں اپنی چھٹیاں گزار کر ہاشم شاہ بھی دوستوں کے ساتھ شہر آ گئے تھے، وہ لوگ ایک شاپنگ مال میں شاپنگ کر رہے تھے کہ فضاء میں ترنم بکھر گیا۔

''کتنے پیسے؟'' ہاشم شاہ نے تیزی سے سر اٹھا کر دیکھا تھا سامنے وہی تھی وہ حواس کھو بیٹھے تھے، آج دو سال بعد بالکل ویسی کی ویسی ہی تھی، اس نے بل لے کر ادائیگی کی اور اپنے شاپر سنبھالتے ہوئے باہر کی سمت بڑھنے لگی۔

''یار تم کیا سو گئے ہو؟'' کامران نے ہاشم کا شانہ ہلایا۔

''وہ......وہ تمنا۔''

''کہاں؟''

''وہ جو ابھی باہر گئی ہیں۔''

''تو تم یہاں کیا کر رہے ہو آؤ میرے ساتھ۔'' ہاشم کا ہاتھ پکڑ کر کامران تیزی سے باہر کی سمیت لپکا تھا وہ اپنی سیاہ کرولا کو سٹارٹ کر کے پارکنگ ایریا سے نکل رہی تھی، ان دونوں نے جلدی سے اپنی گاڑی سٹارٹ کی اور سیاہ گاڑی کا تعاقب شروع کر دیا وہ بڑی کوشش کر رہے تھے کہ سیاہ کرولا کے برابر یا کم از کم کچھ فاصلے پر رہیں کہ ایک آدمی نے تیزی سے بھاگتے ہوئے سڑک پار کی اور کامران کو بریک لگانا پڑی اس چکر میں فاصلہ جو پہلے پچاس گز تھا اب ڈبل ہو گیا تھا پھر رہی سہی کسر ٹریفک کے سگنل نے پوری کر دی اشارہ کھلنے پر خالی سڑک ان کا منہ چڑا رہی تھی اور سیاہ کرولا کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

''چھوڑ یار چل واپس۔'' ہاشم مایوسی سے بولے۔

''نہیں یار میرا خیال ہے قدرت تم دونوں کو ملوانا چاہ رہی ہے ورنہ دوسری مرتبہ ٹکراؤ نہ ہوتا۔'' کامران پرامید تھا۔

☆☆☆

رات کے بارہ بجے تھے کہ ان کے بیڈروم کا فون چیخا۔

''شاہ بھایا......! بابا جان......! بابا جان!''

''کیا ہوا بابا جان کو۔'' ہاشم شاہ کو لگا تھا کہ کاظم کی روتی ہوئی آواز سن کر ان دل پھٹ جائے گا۔

''وہ......وہ نہیں رہے شاہ بھائی۔'' اور ہاشم شاہ کو لگا تھا جیسے یہ خواب ہے ابھی وہ جاگ اٹھیں گے انہوں نے فوراً گاؤں جانے کے لئے گاڑی سٹارٹ کی اور علی بخش کو کامران اور شہروز کو میسج دینے کے لئے کہہ دیا تھا، گاؤں آ کر ہاشم شاہ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ بابا جان کے وجود سے انہیں کتنی ڈھارس رہتی تھی، انہیں لگ رہا تھا کہ وہ کڑی دھوپ میں آ گئے ہوں جہاں بابا جان کے پرشفقت وجود کا کہیں سایا نہیں تھا، سکینہ کاظم اور ناظم بلک بلک کر رو رہے تھے اور اماں جان ایسے اچھے شریک حیات کے غم میں لب بستہ سی بیٹھی

بھی اب ہاشم شاہ کو سب کو سنبھالنا تھا وہ بڑے سب کی آنکھیں ان کی سمت لگی ہوئی تھیں وہ یہ چاہ رہے تھے کہ کاش یہ سب خواب ہو ابھی بابا جان مسکراتے ہوئے اٹھیں گے اور ہیں گے۔

''واہ شاہ بیٹا بس اتنا ہی حوصلہ ہے مرد بنو تمہیں تو بہت کچھ دیکھنا ہے۔''

''مجھے کچھ نہیں دیکھنا شاہ بابا بس آپ اٹھ ہیں میں بہت کمزور ہوں۔'' ان کی پٹی سے سر کر ہاشم شاہ کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے آنسو نکلے تھے، یوں مغرب سے پہلے شاہ بابا سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے، ہزاروں لوگ جمع تھے پر ہاشم شاہ کو دنیا اندھیر ہوئی لگ رہی تھی وہ شام انہیں زندگی کی سب سے بھیانک شام لگی تھی اور وہ رات ان کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے شاہ بابا کو جا کر لے آئیں انہیں خوب پیار کریں، وہ تو کبھی اپنے کپڑوں پر چٹکی بھر مٹی نہیں برداشت کرتے تھے پھر اب منوں مٹی تلے کیوں چپ چاپ پڑے تھے، سوئم کے بعد ہاشم شاہ کی دستار بندی ہوئی اور سب مریدوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ڈیرے پر دیگوں کی لائنیں لگی ہوئیں تھیں اور لوگ جوق در جوق آ رہے تھے، آخر کار سب لوگ اپنے گھروں کا لوٹ گئے سب کچھ معمول پر آ گیا تھا صرف ہاشم شاہ اپنی جگہ سے ہل کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

ان کا ایم فل بھی ادھورا رہ گیا تھا، ان کا تمنا کو ڈھونڈنے کا خواب، ان کا پی ایچ ڈی کا سپنا سب ادھورے تھے وہ کبھی اپنا حلیہ آئینے میں دیکھتے تو حیران رہ جاتے کہ یہ وہ ہیں جن کی جامہ زیبی کی مثالیں دی جاتی تھیں اور اب کیا شلوار قمیض اور پر بڑی سی پگ انہیں خود پر اور اپنی خواہشوں پر ہنسی سی آ جاتی تھی خود کو بھول کر وہ لوگوں کے مسائل سلجھانے میں لگ جائے لوگ جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے ہاشم شاہ تبدیلی لانا چاہتے تھے لیکن یہ سب ایک دم ممکن نہیں تھا، ایک دن شام ڈھلے ہاشم شاہ ڈیرے سے واپس آئے تو گھر سے کوئی اجنبی صورت نکل کر گاڑی میں بیٹھ کر جا رہی تھی، ادھیڑ عمر کا آدمی تھا، گھر آ کر انہوں نے دیکھا اماں جان کے چہرے سے خوشی چھلکی پڑ رہی تھی۔

''کون آیا تھا اماں جان!'' ہاشم شاہ خوش تھے کہ چلو اماں جان بھی خوش ہوئیں جو بابا کے بعد بالکل بجھ کر رہ گئی تھیں۔

''پہلے وعدہ کرو بیٹا تم غصے میں نہیں آؤ گے۔''

''لیکن یہ کون تھا؟''

''تیرا ماموں۔''

''یہ کیوں آیا تھا یہاں؟'' ہاشم شاہ بھڑک اٹھے تھے، انہیں اپنی پھوپھی زہرہ یاد تھیں جن سے اماں جان کے وٹے میں ماموں شوکت کی شادی ان کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی وہ محلے کی ایک لڑکی کو پسند کرتے تھے اور اپنی پسند میں اتنے پکے تھے کہ پھوپھی زہرہ کا حسن بھی ان کے فیصلے کو بدل نہیں سکا تھا، شادی کے چار ماہ بعد وہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کر کے محلّہ تو کیا ملک بھی چھوڑ گئے تھے اور پھوپھی زہرہ دو سال بعد لہو تھوکتے ہوئے بھائی کی دہلیز پر راہی ملک عدم ہو گئی تھیں اس بات پر بہت جھگڑے ہوئے سب نے بابا جان سے کہا کہ وہ اماں جان کو چھوڑ دیں لیکن بابا نہ مانے اماں کی گود میں وہ دونوں بھائی تھے، بہن کا غم اپنی جگہ لیکن بابا جان کو اپنی پرسکون گرہستی میں آگ لگانا منظور نہ تھا، ہاں یہ ہو گیا کہ اماں ان کو اپنا میکہ چھوڑنا، پڑا تھا انہوں نے بھی اپنے والدین کے گھر کی صورت نہ دیکھی تھی اور اب بابا جان کی وفات کے بعد ماموں کا آنا؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ان کی جرأت کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی۔"

"ایک ہی بھائی ہے میرا وہ بہن سے ملنے آیا تھا۔" اماں جان کی آواز جذبات سے لرز رہی تھی۔

"لیکن اتنا کچھ کرنے کے بعد انہیں کہہ دیں کہ اگر یہاں دوبارہ قدم رکھنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"ماں باپ کا مرا منہ نہ دیکھ سکی کوئی اور بہن بھائی تھا نہیں ایک یہی بھائی تو ہے کیا اس سے بھی تعلق نہ جوڑوں؟" اماں جان منہ دوپٹے سے ڈھانپ کر بین کرنے کے انداز میں بلک اٹھی تھیں اور ہاشم شاہ نرم پڑ گئے تھے۔

"پھر اماں جان کیا کروں میں؟"

"میرا بھائی نہ چھینو شاہ بیٹا تم گدی نشین بن چکے ہو ایک کرموں ماری بہن تم سے التجا کرتی ہے۔" وہ گڑگڑائی تھیں۔

"کیا کرتی ہیں اماں جان میں گدی نشین بعد میں ہوں پہلے آپ کا بیٹا پہلے، جو آپ کا دل چاہے کریں۔" ہاشم شاہ نے جیسے کوئی فیصلہ کرلیا تھا اور اماں جان کھل اٹھی تھیں۔

کچھ دن بعد ہاشم اماں کے پاس بیٹھے تھے آج موڈ قدرے خوشگوار تھا کہ اچانک اماں بولی۔

"بیٹا میں نے اور بھی بات کرنی ہے۔"

"حکم کریں۔"

"بیٹا تیرے ماموں کے دو بچے ہیں ایک بیٹا ایک بیٹی دونوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے؟"

"پھر۔"

"بیٹا بڑا ہے اور بیٹی چھوٹی دونوں رج کے سوہنے ہیں۔" اور ہاشم شاہ سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھتے رہے۔

"میں چاہتی ہوں سکینہ کا رشتہ تیرے ماموں کے بیٹے سے کر دوں۔" اماں جان نے ہاشم شاہ کی طرف دیکھا تھا اندرونی طور پر وہ کھل اٹھے تھے پڑھا لکھا بہنوئی ملنے کی خوشی میں۔

"ٹھیک ہے جو آپ مناسب سمجھیں۔"

"اور بیٹی سے تیری شادی کر دوں؟"

"لیکن اماں جان!" ہاشم تڑپ کر رہ گئے تھے۔

"دیکھو بیٹا پرانی باتیں بھلا دینی چاہیں لڑکی ایسی ہے کہ حوریں بھی شرما جائیں۔" اور ہاشم شاہ دھیمے سے مسکرا دیے وہ جان گئے تھے کہ اماں جان کو ان کی ماموں زاد بہت پسند آگئی ہے۔

"تہمینہ نام ہے اور چٹی اتنی کہ ہاتھ لگنے پر میلی ہونے کا ڈر۔"

"ٹھیک ہے اماں جان آپ کاظم کی کر دیں میرے لئے ابھی نہ سوچیں۔"

"پر بڑے کو چھوڑ کر چھوٹے کی کر دوں دنیا کیا کہے گی۔"

"دنیا کی چھوڑیں اماں جان آپ اپنی مرضی کریں دنیا کا کیا ہے یہ تو ہمیشہ باتیں ہی بنائے گی۔" اور وہ اماں جان کو چپ ہوتا چھوڑ کر ڈیرے کی طرف چلے آئے کیا تھا اگر اس دشمن جان کا اتہ پتہ جانا تو اماں جان بھی خوش ہو جاتیں اور وہ بھی اسے پا کر شاد ہو جائے پر رب کے کام وہی جانے، ہاشم شاہ نے گہری سرد آہ بھری تھی۔

☆☆☆

وہ ڈیرے سے سر شام واپس آگئے تھے دل بہت بوجھل تھا، اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے انہیں پروین کی جھلک دکھائی دی، اس کی عادتوں میں اب ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا شاید زیادہ نکھر گئی تھی لیکن آنکھیں ہر وقت حزن میں ڈوبی لگتی تھیں، ہاشم شاہ کڑھ کر رہ گئے وہ اس بے

وقوف لڑکی کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، کہ وہ تو خود اس بے نشان منزل کے راہی تھے، انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کے نصیب میں منزل ہے بھی یا صرف بھٹکنا ہی لکھا ہے وہ بے دلی سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بستر پر دراز ہو گئے، اسی لمحے فون چیخا تھا، انہوں نے بے دلی سے ریسور ہاتھ میں پکڑا اور پھر کچھ سوچ کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔"

"السلام وعلیکم یار شاہ! کب سے ٹرائی کر رہا ہوں اور اب فون اٹھانے کے بعد اتنی طویل خاموشی کیا خوابوں کے سفر کو گئے ہوئے تھے؟ اور ہاشم شاہ اپنے دوست کی ذہانت کو داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔"

"یار میں بہت پریشان ہوں۔"

"کیوں اب کیا ہوا ہے؟"

"اماں جان کو اپنی بھتیجی پسند آ گئی ہے۔"

"تو ٹھیک ہے اچھی لڑکیوں کو ہر کوئی پسند کرتا ہے۔"

"وہ اس کو بہو کے طور پر پسند کر رہی ہیں۔"

"ہاں تو داماد کے طور پر پسند کرنے سے تو رہیں۔" کامران کی وہی بے تکی باتیں تھیں۔

"لیکن میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔" انہوں نے جیسے پتھر سے سر پھوڑا تھا۔

"ہاں تو انکار کر دو۔" ادھر کوئی اثر نہیں تھا۔

"لیکن وہ ضد کر رہی ہیں۔"

"تو یہ ان کا حق ہے۔"

"یار میں سریس ہوں۔"

"اگر شادی کر سکتے ہو تو یہ سب سے بہتر ہے کیونکہ تمہاری عمر کے لڑکے دو دو بچوں کے باپ بن چکے ہیں۔" ہاشم شاہ فون کو دیکھ کر رہ گئے کیوں کہ اس میں سے بوڑھی عورتوں کی سی آواز اور لہجہ برآمد ہوا تھا۔

"کامران میں تمہیں اپنا مسئلہ بتا رہا ہوں اور تم۔"

"دیکھو شاہ میں بھی تمہیں مسئلے کا حل بتا رہا ہوں اب حقیقت پسند بن کر اماں کی پسند سے شادی کر لو یہی بہتر ہے تمہارے لئے۔"

"لیکن یار میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا وہ میری زندگی ہے مر جاؤں گا میں اس کے بغیر اور اگر وہ کسی اور کی ہوئی تو اسے اپنانے والے کا خون کر کے خود پھانسی چڑھ جاؤں گا۔" انہوں نے طیش میں آ کر ریسور فون پر دے مارا تھا اور مٹھیاں بھینچتے ہوئے پلٹے تو ٹھٹھک گئے تھے دھلے لٹھے جیسا چہرہ لئے ان کے عین پیچھے پروین کھڑی تھی۔

"وہ جی میں دودھ لائی تھی۔" وہ جلدی سے تپائی پر ٹرے رکھ کر پلٹ گئی اور ہاشم شاہ بے دم سے ہو کر پلنگ پر گر گئے تھے۔

☆☆☆

آخر تھک ہار کر اماں جان نے کاظم کے ساتھ شوکت ماموں کی بیٹی کی شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا ادھر سکینہ کی شادی بھی اس شادی کے ساتھ ہی ہونا تھی، سکینہ ان دنوں بہت نکھر گئی تھی بات بے بات مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری رہتی اور وہ چھوئی موئی سی گلابی کلی کی طرح شرمائی شرمائی بہت اچھی لگتی تھی، ہاشم شاہ، ہمیشہ اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا کرتے، اماں اور کاظم دو بار لاہور ماموں کے گھر ہو کر آئے تھے مگر وہ نہیں گئے تھے اور کاظم کا چہرہ بھی اس کی اندرونی خوشی کا غماز لگتا تھا، ہوتے ہوئے شادی کا دن آ پہنچا اماں جان کے قدم خوشی سے زمین پر نہیں ٹک رہے تھے کہ ان کا میکہ زندہ ہو گیا تھا اور بیٹی کا مقدر جس سے وہ بالکل مایوس ہو چکی تھیں اچھی جگہ کھل گیا تھا، بارات بڑے شاندار طریقے سے لاہور کے لئے روانہ ہوئی اور سارے رسوم و رواج سارے شگن دھوم دھام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پورے کیے گئے، جس دن کاظم کا ولیمہ ہونا تھا اسی دن سکینہ کی بارات تھی ہاشم شاہ اپنے ہونے والے بہنوئی کی مردانہ وجاہت اور شخصیت سے بہت متاثر ہوئے تھے، اس کی شخصیت کا سلجھاؤ دیکھ کر انہیں اپنی بہن کی خوشیاں دائمی ہونے کا یقین سا آ گیا تھا، شام ڈھلے بارات واپس آتی، بڑے سے دلان میں عورتوں کا رش تھا ادھر ڈیرے پر مردوں کا سیلاب آیا ہوا تھا، کہ اماں جان نے ہاشم شاہ کو بلا بھیجا۔

''شاہ بیٹا اپنی بھابھی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعا دو اور منہ دکھائی دے دو۔''

''ٹھیک ہے اماں جان آپ دے دیجئے گا میری طرف سے۔''

''نہیں بیٹے یہ رسم ہے اور پھر میری خوشی بھی۔''

''ٹھیک ہے کتنے پیسے دوں؟''

''پیسے نہیں یہ لو۔'' انہوں نے سچے موتیوں اور سونے سے بنی بالا ان کی طرف بڑھائی اور خود سونے کے بھاری کنگن انہیں دکھا کر بولیں۔

''میں بہو کو یہ دوں گی، تمہارے والی کے لئے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔'' ہاشم شاہ ان یاقوت جڑے سنہرے کندن کے کنگنوں کو دیکھتے رہ گئے ان کے تصور کے پردے پر وہ کلیوں سے شبنم سے دھلے ہوا تھ آ گئے کیسے لگیں گے یہ کنگن اس کی کلائی میں جو دودھ سی گوری اور سڈول تھی، وہ کنگن چھو کر دیکھ رہے۔

''بیٹا یہ میں پہناؤں گی آپ یہ مالا لے جاؤ۔''

''پروین شاہ آ رہے ہیں دلہن کا گھونگھٹ الٹ دینا۔'' انہوں نے دلہن کے پاس بیٹھی پروین کو ہانک لگائی جو نئی دلہن کے ساتھ جڑ کے بیٹھی ہوئی تھی اور صحن میں بیٹھی مختلف عمر کی عورتوں کی بھیڑ چھٹتی چلی گئی، ہاشم شاہ آرام سے راستہ بناتے ہوئے دلہن تک پہنچے، پروین نے لپک کر سرخ جھلملاتا ہوا گھونگھٹ پلٹ دیا، ہاشم شاہ دائیں طرف تھے اس سجے سنورے روپ میں انہیں دھوکا سا ہوا وہ بالکل سامنے آ کر مالا دینا ہی چاہتے تھے کہ زمین آسمان نظروں کے سامنے گھوم گئے دلہن کوئی اور نہیں ان کی اپنی تمنا تھی، یہ کیا ہوا کیسے ہو گیا ان کے کان سائیں سائیں کرنے لگے مالا چھوٹ کر نیچے گر گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر رہ گئے۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' اماں جان گھبرا کر بولی تھیں۔

''کہ..... کچھ نہیں اماں جان شاید گرمی کی وجہ سے چکر آ رہے ہیں تھوڑا آرام کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' وہ تیز قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف لپکے جیسے کوئی اپنی پناہ گاہ کی طرف بڑھتا ہے، وہ لرزتے قدموں کے ساتھ ڈگمگاتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے آئے۔

''یہ کیا ہو گیا جیسے میں سارے زمانے میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا وہ میرے گھر میں میری بھابھی بن کر نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا، نہیں..... نہیں..... نہیں۔'' انہوں نے دیوار کو زوردار گھونسا مار کر اپنا ہاتھ زخمی کر لیا تھا، دونوں ہاتھوں سے دیوار پر یوں گھونسے برسا رہے تھے جیسے یہ دیوار نہیں ان کی تقدیر ہے جس کو وہ سدھار لیں گے یوں مار پیٹ کر کے نہ جانے دیوانگی میں وہ کیا کیا کرتے رہے اور پھر تھک کر گھر سے باہر نکل گئے نہ وہ ڈیرے پر گئے تھے اور نہ گھر رہے تھے ہر گمان و مکان سے آزاد ہو کر نجانے وہ کہاں کہاں بھٹکتے پھرے وہ اندھیری رات تھی چاند نہیں نکلا تھا اور ستارے حیران حیران سے آنکھیں پٹ پٹا کر اس انسان کو دیکھ رہے تھے جس کی جھولی میں قدرت نے بغیر کسی رکاوٹ کے اس کی متاع حیات ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا جسے اس نے خود ٹھکرا دیا تھا

اور اب حال سے بے حال ہوئے پھر رہا تھا ان کے ذہن میں اچانک گونجا تھا سچ ہے۔

''انسان جلد باز اور ناشکرا ہے؟''

''نہیں ہوں میں ایسا نہیں ہوں میں۔'' وہ ویران بیابان جگہ پر بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور آس پاس کے درخت سانس روک کر ان کی گریہ وزاری سن رہے تھے کون کہہ سکتا تھا کہ یہ سید ہاشم علی شاہ ہے سجادہ نشین ایم ایس سی فسٹ ڈویژن لائق فائق اتنی سوجھ بوجھ رکھنے والے کہ بڑے سے بڑا مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیں پر ایسے بے بس کہ'' نجانے کہاں سے کالی بدلی آ کر ان کے غم میں آنسو بہانے لگی ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے پر وہ جیسے ہوش میں آ گئے نجانے کتنا وقت گزر گیا تھا اور وہ اس وقت کہاں تھے، اندازہ لگانے پر انہیں ادراک ہوا کہ وہ دو گاؤں چھوڑ کر نہر کے ساتھ والی زمین کے ''رکھ'' جنگل میں تھے، وہ ایک ہاتھ زمین پر رکھ کر سہارا لینے کے لئے قریبی درخت کو پکڑ کر اٹھے کپڑے جھاڑ کر لڑکھڑاتے ہوئے چل پڑے ان کا دل نہر میں کود کر جان دینے کو کر رہا تھا پر انہوں نے خود کو سمجھایا۔

''ٹھیک ہے صدمہ بہت بڑا ہے پر کل سکینہ کی بارات ہے اماں جان کیسے یہ برداشت کریں گی ابھی تو ان کے شریک حیات کی جدائی کا پھر رہی تھیں آج ہی کیسے ان کو دکھ دے دے۔'' وہ خود کو سمجھاتے بجھاتے گھر کی طرف چل دیے گھر سے کچھ فاصلے پر انہیں کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

''اتنی رات گئے کیا ہوا ہے؟'' کچھ اور قریب جانے پر انہیں احساس ہوا کہ یہ تو رونے پیٹنے کی آوازیں ہیں جو ان کے گھر سے آ رہی ہیں۔

''کہیں اماں جان میری وجہ سے تو پریشان نہیں ہیں؟'' انہیں شرمندگی سی ہوئی اور تیزی سے گھر کے اندرونی حصے کی سمت بڑھے، ان کے دہلیز کے اندر قدم رکھتے ہی بھیڑ انہیں راستہ دینے لگی۔

''شاہ جی آ گئے بڑے شاہ جی آ گئے۔'' ان کے کانوں میں آوازیں بڑھ رہی تھیں اور وہ اس ہجوم کے مرکز کی طرف جا رہے تھے جہاں سے اماں جان کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے سوال کیا اور پھر خود ہی چارپائی پر پڑی بے سدھ دلہن کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔

''بیٹا سانپ نے ڈس لیا ہے بہورانی کو کچھ کرو بچے۔'' اماں جان پھپھک کر رو رہی تھیں اور ہاشم شاہ حیران رہ گئے اس دشمن جان کا رنگ نیلا ہو رہا تھا پھر بھی وہ جلدی سے بولی لائے اور اس کے بازو پر رکھنے لگے، مگر سانپ کا زہر ہوتا تو اترتا یا شاید وہ اپنی زندگی ہی اتنی لکھوا کر لائی تھی، انہوں نے نبض ٹٹولی اور موت کی تصدیق کر دی، ایک کہرام مچ گیا کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، ہاشم شاہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کریں، کاظم شاہ الگ غم کی تصویر بنے ہوئے تھے، اماں جان غش کھا کھا کر گر رہی تھیں، سب بری طرح پچھاڑیں کھا رہے تھے، ہاشم شاہ کو دنیا اندھیر ہوئی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، انہوں نے یہ تو کبھی بھی نہیں چاہا تھا کہ یوں ہو جائے، وہ اس دنیا سے ہی مونہہ موڑ جائے انہوں نے تو اسے گرم ہوا سے بھی بچا کر رکھنے کا سوچا تھا پر یہ کیا ہو گیا تھا، تہمینہ کے کفن دفن کے بعد وہ کاظم شاہ کے حجلہ عروسی میں آئے ان کا دل سانپ کے ڈسے کو نہیں مان رہا تھا وہ سائیڈ ٹیبل پر چائے کے دو خالی کپ پڑے ہوئے تھے جن میں کچھ چائے بچی پڑی تھی، نجانے ہاشم شاہ پر شدت غم کا الٹا اثر کیوں ہوا تھا ورنہ ان کا خیال تھا کہ تمنا سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بچھڑنے کے بعد وہ زندہ نہیں رہ سکیں یا ذہنی توازن تو کھو ہی دیں گے، پر یہاں معاملہ الٹ لگتا تھا وہ عجیب بے حسی کے انداز میں یہاں وہاں اس کی موت کا سراغ لگاتے پھر رہے تھے۔

انہیں اپنے دل کی جگہ پتھر کا گمان ہو رہا تھا جس کی پتھریلی زمین بے آب و گیاں صحرا کی طرح تشنہ لب رہتے رہتے جگہ جگہ سے تڑخ گئی ہو، انہوں نے اس بچی ہوئی چائے کو الگ الگ جگہ محفوظ کیا اور اس کا ٹیسٹ کروانے کی ٹھانے گھر سے نکل گئے، اگلے دن وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے چہرے سے گہری سوچ عیاں تھی تیور کچھ کر گزرنے کی طرف اشارہ کر رہے تھے، انہوں نے پروین کو بلایا اور کمرے میں جا کر اس کے پیچھے سے دروازہ بند کر دیا ایک ہی دن میں پیلا سرسوں کا پھول ہو گئی تھی متورم آنکھیں بمشکل کھل رہی تھیں ہاشم شاہ تیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتے رہے۔

''تم نے تمنا کو زہر کیوں دیا؟''

''سائیں شاہ میں نے نہیں دیا۔''

''جھوٹ بولتی ہو؟'' ہاشم شاہ کے ماتھے کی رگ پھڑکنے لگی، آنکھوں میں بجلیاں سی کوند گئی ان کی آواز غصہ کرنے کی وجہ سے پھٹ سی گئی تھیں۔

''یہ بات لیبارٹری ٹیسٹ سے ثابت ہو چکی ہے۔'' پروین چپ چاپ پپڑی زدہ ہونٹوں کو جنبش دی دانتوں سے کتر رہی تھی۔

''میں پوچھتا ہوں تمنا سے تمہاری کیا دشمنی تھی کیوں تم نے اس کی جان لی۔'' ہاشم شاہ کی آواز شدت غم سے لرز سی گئی تھی۔

''شاہ سرکار میں نے تمنا بی بی کو نہیں مارا۔''

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ چپ چاپ انگلیاں مروڑتی رہی۔

''تمہیں پتہ ہے کہ تمہاری سزائے موت یقینی ہے؟''

''میں موت سے نہیں ڈرتی۔'' اس کی آنکھوں میں عجیب طرح کی بے خوفی تھی۔

''پھر مجھے صاف صاف بتاؤ۔''

''بڑی شاہ بیگم نے کہا تھا کہ دلہا دلہن کے میں چائے پہنچا دو۔''

''اور تم نے اس چائے کو زہریلا بنا دیا۔''

''میں نے تو کاظم شاہ کی پیالی میں وہ بوٹی ڈالی تھی نجانے کیسے پیالیاں بدل گئی تھیں۔''

''کیا تم نے میرے بھائی کی جان لینا چاہی تھی۔'' ہاشم شاہ بیٹھے سے کھڑے ہو کر چند قدم اس کی طرف بڑھے تھے ان کا دل رک گیا تھا یہ سن کر کہ پروین ان کے ماں جائے کو قتل کرنا چاہتی تھی۔

''پر کیوں؟''

''آپ نے کہا تھا کہ آپ اس بندے کو قتل کر دیں گے جس کی شادی تمنا بی بی سے ہو گی میں نے سوچا کہ اس طرح آپ کو سزائے موت ہو جائے گی آپ کی جان بچانے کے لئے میں نے یہ کام کر دیا تا کہ آپ کی جگہ مجھے وہ سزا مل جائے۔'' وہ خلا میں ایک نکتے پر نگاہ مرکوز کئے ہوئے تھی اور ہاشم شاہ ساکت رہ گئے تھے اس دیوانی نے صرف ان کی جان بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی، وہ بے دم سے ہو کر بستر پر گر پڑے اور پروین بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

''نجانے پیالیاں کیسے بدل گئیں کیسے؟''

اس رات ایک بار پھر شور اٹھا کہ پروین کو سانپ نے ڈس لیا ہے ہاشم شاہ کو بلوایا انہوں نے لاحاصل سی کوشش کی پر اس بار پھر سانپ نہیں تھا اور ہاشم شاہ جانتے تھے کہ اس کی موت کی وجہ کیا ہے اور ذریعہ کون سا ہے انہوں نے تہمینہ بیگم کے ساتھ ہی پروین کی قبر بھی بنوائی تھی سب لوگ

اسے ان کی اعلیٰ ظرفی کہہ رہے تھے مگر حقیقت تو صرف ہاشم شاہ اور ان کا خدا ہی جانتا تھا۔

☆☆☆

''یہ سب پڑھنے کے بعد آپ جان گئے ہوں گے یہ اس کا مرکزی خیال میں ہوں میں ہوں وہ بدنصیب جس کی وجہ سے دو ہستیاں موت کے منہ میں چلی گئیں ایک کو میں نے ٹوٹ کر چاہا اور دوسری نے مجھے حد سے بڑھ کر چاہا، پر دونوں کو موت سے ہمکنار کرنے کی وجہ میں بناء۔''

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ پروین کے سامنے میرا عشق ہیچ تھا میں سب پانا چاہ رہا تھا پر اس نے کھویا میں اپنے نام کے ساتھ شاہ لگاتے ہوئے بھی صرف پانا چاہتا تھا کھونے کا حوصلہ نہیں تھا مجھ میں اور وہ ذات کی کمی کمین ہو کر بھی اپنا سب کچھ ہار کر اپنے محبوب کو زندگی اور خوشی دان کرنا چاہتی تھی، ایسے خیالات جب حد سے زیادہ بے چین کرتے ہیں تو ہیں آدھی آدھی رات کو اٹھ کر باہر نکل جاتا ہوں ان دونوں کی قبروں پر دیے جلاتا ہوں اور آنسوؤں کے چراغ بھی اس واقعہ کو بیس برس ہو چکے ہیں پر میرا زخم ابھی بھی اول روز کی طرح تازہ ہے

خوبصورت لڑکیوں کا دو دن میں زندگی ہار جانا اور رات وقت چراغ بھی وہ جن ہی جلاتے ہیں لیکن میں تو حقیقت سے واقف ہوں آج بھی قوالی کی لے تیز ہو رہی ہے اور تیز ہوا کے ساتھ وہ چراغ بجھنے کی بجائے اور بھڑک اٹھے ہیں، قوال وجد میں آ کر ایک ہی جملہ دہراتے جا رہا ہے۔''

او کھے پینڈے عشق دے
تے لمیاں نے راواں عشق دیاں
کدی نہ مکدیاں سذاواں عشق دیاں

اور میری آنکھیں جل تھل ہو رہی ہیں

نجانے میری سزا کب ختم ہو گئی۔

☆☆☆

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب	135/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	[illegible]/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشا جی کے	300/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ستاروں کے آئینے میں

دُرشجر

AQUARIUS

برج دلو

سیارہ زحل

21 جنوری تا 19 فروری

نام کے پہلے حروف

ش۔س۔ش۔ص

نام کے پہلا حرف	ش،س،ش،ص
نشان	مشکیزہ بردار
عنصر	ہوا
مبارک دن	ہفتہ
خوش بختی کا ہندسہ............	4

دوسرے برج سے تعلقات

بہترین	جوزا، میزان
بہتر	قوس، جدی، حوت اور حمل
غیر جانب دار......	سرطان، سنبلہ، عقرب اور اسد

دلو افراد مصلح قسم کے ہوتے ہیں۔

وہ اپنے تعلقات میں معیار کی بجائے مقدار کو ترجیح دیتے ہیں، ان کا تعلق عوام کے ساتھ گہرا ہوتا ہے اور دوسروں کی خاطر اپنی ذات کی پروا بھی نہیں کرتے، وہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر ہونے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اپنے عقائد کی اہمیت و افادیت کا اظہار کرتے ہیں اور لوگوں کے لئے زندگی میں مقصد پیدا کرتے ہیں۔

ان کی شخصیت کا ایک جزو ہمیشہ اصلاحات کے لئے مستعد رہتا ہے، حقوق انسانی صرف زبانی جمع خرچ کے طور پر نہیں بلکہ قانون کی روح کے مطابق انہیں عزیز ہوتے ہیں، خوشی اور مسرت کا حق بشمول اچھی تعلیم اور طبی نگہداشت کا وہ آخری دم تک دفاع کرتے ہیں۔

تصوراتی:۔

دلو اور روایتی باتوں کے خلاف ہوتے ہیں، وہ بیک وقت گرم سرد ہوتے ہیں، ایک روز وہ عام والدین کی طرح بچوں اور گھر کی دیکھ بھال میں مگن ہوتے ہیں تو اگلے روز آپ انہیں کسی جلوس کی قیادت کرتے ہوئے پائیں گے، کبھی وہ رات کے تین بجے تک کسی ادبی ناول کی ورق گردانی کر رہے ہوں گے تو اگلے ہفتے وہ گھڑ سواری اور تیر اندازی کی مشق کر رہے ہوں گے، وہ دن میں متحرک اور رات کو اچھے ریڈر ہو سکتے ہیں۔

دلو افراد کا موڈ، ذوق اور عادات پل پل بدلتی رہتی ہیں، وہ من بھاتا پہنتے ہیں لیکن کوشش کرتے ہیں کہ یہ جگ بھاتا بھی کہلائے، وہ ہر فیشن کا لباس اس طرح پہنتے ہیں کہ انہیں جچتا ہے، انہیں خود علم نہیں ہوتا کہ وہ ایک سٹائل سے دوسرے سٹائل کی طرف کس طرح چھلانگ لگاتے ہیں تاہم یہ بات ضرور ہے کہ وہ اپنی انفرادیت ہر حال میں قائم رکھتے ہیں۔

غیر مادہ پرست، آزاد خیال:۔

دلو افراد کی ایک غیر معمولی اور نمایاں عادت یہ ہے کہ وہ مادہ پرست ہوتے ہیں، وہ ملکیت کا حق نہیں جتاتے، نہ تو اشیاء کے بارے میں اور نہ ہی افراد کے بارے میں، وہ اپنے ہی نظریات کے مطابق زندگی گزارنا ناپسند کرتے ہیں، زندگی بڑے سکون سے گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں اور پابندیوں کو ناپسند کرتے ہیں، ایسے ساتھی کو پسند کرتے ہیں جو انہیں اپنی مرضی کے کام سرانجام دینے کی ضمن میں مادی اور ذہنی تعاون مہیا کرے۔

دلو افراد دیگر افراد کی ترقی اور آزادی کی ضروریات کا آئینہ ہوتے ہیں، وہ جدید خیالات کے حامل ہوتے ہیں اور ماضی کا رونا نہیں روتے۔

صائب الرائے:۔

دلو افراد فیصلہ کرنے سے پہلے کشمکش میں مبتلا ہو سکتے ہیں لیکن ایک بار وہ اپنا ذہن تیار کر لیں تو وہ صائب الرائے اور فیصلہ کن شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں، وہ اپنے دلائل کو بڑی ہوشیاری سے استعمال کرتے ہیں اور ان کا انداز اس طرح قائل کر دینے والا ہوتا ہے کہ دوسروں کے لئے ان کے نقطہ نظر کی مخالفت میں کچھ کہنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، وہ حقیقت کی تلاش میں ہوتے ہیں اور اپنی اس تلاش سے مایوس نہیں ہوتے، وہ اپنے عقیدے پر پختگی سے کار بند ہوتے ہیں اور اپنی رائے کو ٹھوس قرار دیتے ہیں۔

خود اعتمادی، فرض شناس:۔

دلو افراد اپنی زندگی میں بہت کچھ کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں، وہ جو کچھ بھی کرنا چاہیں اسے کر کے ہی دم لیتے ہیں کیونکہ ان کا دماغ قوی اور ان کا ارادہ فولادی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر متوقع حالات میں بھی وہ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتے ہیں، ان کا دماغ تیزی اور مستعدی سے کام کرتا ہے اور انہیں الجھن کا شکار ہونے سے بچاتا ہے، جذبات انہیں شاذ و نادر ہی حماقت کے ارتکاب پر مجبور کرتے ہیں۔

سچائی سے بھرپور:۔

دلو افراد فیاض، ہمدرد اور اچھے افراد ہوتے ہیں جو عمومی طور پر لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، وہ ان تھک کارکن ہوتے ہیں کیونکہ وہ بنیادی طور پر شائستہ ہوتے ہیں جو کہ کسی بھی معاہدے کے ضمن میں اپنی بہترین کوششوں کو بروئے کار لاتے ہیں، وہ ذمہ دار، فرض شناس مہربان، ہمدرد اور قابل اعتماد ہوتے ہیں، وہ اکثر اپنی صلاحیتوں کو دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

وہ کسی بڑی ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرنے کی بجائے کسی چھوٹے کاروبار کو ترجیح دیں گے جہاں وہ خود ہی ماتحت ہوں اور خود ہی باس اگر چہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے ذہن میں جو بات بٹھالیں اسے کرنے پر قادر ہوتے ہیں لیکن وہ طاقت کے کھیل میں توانائی ضائع کرنا پسند نہیں کرتے۔

مہذب، شائستہ:۔

اگرچہ دلو افراد جس بات پر یقین رکھتے ہیں، اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں تاہم وہ لوگوں کے ساتھ شائستگی کا سلوک روا رکھنے اور مہذبانہ انداز و اطوار کا اظہار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، وہ معیار کو پسند کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسے ترجیح دیتے ہیں، وہ عموماً نفاست کا لطیف احساس رکھتے ہیں، مادہ پرستی سے جذباتی لگاؤ اور تعلقات میں جذباتیت کے مظاہرہ سے ان کا انحراف ان کی شائستگی میں اضافہ کا باعث بنتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دوسرے لوگوں سے قدرے مختلف ہوتے ہیں، وہ شاہراہ زندگی پر قدم قدم پر بچھے سازشوں کے جال سے بچ کر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی رہتے ہیں۔

تنہا، باصلاحیت:۔

اگرچہ یہ عمومیت قائم کرنا مشکل ہے باوجود اس کے کہ یہ سچ ہے کہ دلو افراد بے مثال صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں مثلاً تنظیمی قابلیت اور انسانی ہمدردی وغیرہ۔

وہ ایک ہی سمت متعین کر کے اس پر چلنا پسند کرتے ہیں اور تازہ ترین معاہدے کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ ہر واقعہ کی وضاحت ''کیوں'' کے الفاظ سے طلب کرتے ہیں، وہ مختلف رجحانات کا تجزیہ کرتے ہیں اور وہ سماجی اور سیاسی رجحانات کی تحقیق کرنے کے علاوہ خود اپنی طرف سے بھی نئے رجحانات کا اضافہ کرتے ہیں۔

مغرور، اجتماعی شعور:۔

اکثر دلو افراد کہتے ہیں ''میں نہیں جانتا کہ کون سی چیز مجھے اتنی محنت کرنے پر اکساتی ہے، میرے اندر کوئی چیز ایسی ہے جو مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں لوگوں کی مدد کے لئے اپنی ذات کو پیش کر دوں، شاید یہ لافانیت حاصل کرنے کی پرانی خواہش ہے۔

دوسری طرف وہ اکثر ذاتی جہتوں کو نظر انداز کرتے ہیں، وہ ایک تصوراتی ہمدرد، ایک مہربان لیڈر اور ایک طاقتور کامریڈ ثابت ہو سکتے ہیں، لیکن وہ اکثر اپنے بڑے بڑے منصوبوں میں اس لئے ناکام ہو جاتے ہیں کہ وہ ان چھوٹے لوگوں سے کام لینے کا فن نہیں جانتے جو بڑے منصوبوں کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اہمیت رکھتے ہیں۔

قربت کا خوف، شرمیلے انکسار پسند:۔

دلو افراد اپنے ذہن کو ایک حفاظتی کمبل کی طرح استعمال کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، وہ قریبی تعلق سے بچنے کے لئے بڑے مقاصد، گروہوں اور معاشروں اور ہجوموں میں مل کر خود کو کھو دیتے ہیں، وہ زندگی بھر جذباتی طور پر کنوارے ہی رہتے ہیں۔

وہ عملی کے بجائے تصوراتی طور پر تجرباتی ہوتے ہیں، وہ آزادی، تبدیلی اور ذاتی نمو کی ضرورت پر مکمل طور پر یقین رکھتے ہیں، لیکن بنی نوع انسان تبدیلی کی دہلیز پر خوف کا شکار ہو جاتے ہیں اور دلو افراد بھی اس سے مختلف نہیں ہیں چنانچہ وہ اکثر کسی گیم کو کھیلنے کی بجائے اس کی

بات کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں، ان کی سب سے بڑی الجھن پر ان کی وسیع الذہنی اور تجربات کی بدولت پردہ پوشی ہو سکتی ہے، ان کی یہ خصوصیات ان کی کمزوری، قربت کی خوف اور اس سے تلخ ناکامی کے خوف کا ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

دوستانہ مزاج:۔

دلو افراد انفرادی زندگیوں کے بجائے دنیا کی فلاح و بہبود کی سوچ سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں، بے شک وہ اپنی فیملی سے محبت کرتے ہیں اور اپنے دوستوں کے وفادار ہوتے ہیں لیکن وہ وسیع تناظر میں دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں، انہیں تفصیلات کی نسبت ایک بڑا کینوس زیادہ محسور کرتا ہے، وہ واقعات کے فطری ردھم کو تسلیم کرتے ہیں اور اشیاء کی ترتیب کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اپنے نسبتاً چھوٹے تصورات کی نسبت انہیں زیادہ مستقل مانتے ہیں۔

ایک طرح وہ متوسط انا رکھنے کی بے مثال خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں وہ اور ہمیشہ وسیع القلب اور راست باز نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی جذباتی غیر وابستگی صحت مندانہ اثرات مرتب کر سکتی ہے، وہ اپنی انا کی تسکین کے لئے گھریلو جھگڑے کھڑے کرنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ غیر متوقع جذباتی اظہار کی بجائے سچ کے شماریاتی مظاہروں کے ٹھوس پن پر زیادہ یقین رکھتے ہیں۔

☆☆☆

دلو عورت

دلو عورت لگی بندھی آراء کی حامل ایک مضبوط اور رجعت پسند عورت ہوتی ہے، اچھی

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

طنز و مزاح، سفر نامے

اردو کی آخری کتاب

آوارہ گرد کی ڈائری

دنیا گول ہے

ابن بطوطہ کے تعاقب میں

چلتے ہو تو چلین کو چلئے

قدرت اللہ شہاب

یا خدا

ماں جی

بابائے اردو مولوی عبدالحق

قواعد اردو

انتخاب کلام میر

ڈاکٹر سید عبد اللہ

مقامات اقبال

طیف غزل

طیف اقبال

طیف نثر

مکمل فہرست طلب کیجئے

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تعلیم اس کا قیمتی سرمایہ ہوتا ہے، وہ خود کو تبدیل کرنے میں کافی وقت محسوس کرتی ہے، اس کا ذہن اس کی سب سے بڑی کشش ہوتا ہے، یہ اتنا شاندار ہوسکتا ہے کہ جتنا کہ سیپ میں بند موتی، اس کا نصب العین ہے کہ محبت اور دوستی میں ہر شکے برابر ہوتی ہے اور وہ محسوس کرتی ہے کہ اگر وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی رہے تو تعلقات بخود بخود مضبوط ہوتے چلے جائیں گے۔

دلوعورت بدترین وقت میں بہترین دوست ثابت ہوتی ہے، جب آپ کو اس کی ضرورت محسوس ہو تو آپ اسے اپنے قریب پائیں گے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ رونا بھی شروع کردے۔

دلوعورت محبت میں قربت کو پسند کرتی ہے، اگرچہ بعض اوقات بعض وجوہات کی بناء پر وہ اس سے خوفزدہ بھی ہوتی ہے، محبت اس کے سارے وجود کو تابناک کردیتی ہے اور وہ پرجوش جذبوں سے گنگنا اٹھتی ہے، وہ ایک اچھی میزبان، محبوبہ، ساتھی یا تسکین بخش عورت ہوتی ہے، وہ محبت میں بہت مضبوط، ضدی اور خودمختار بھی ہوسکتی ہے، وہ مسائل سے بہت کم گھبراتی ہے اور انہیں ایک ذہنی چیلنج کے طور پر قبول کرتی ہے، وہ اپنے محبوب کی بری عادات کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتی ہے۔

وہ سرپھری اور البیلی سی محبوب ہوتی ہے جو کہ مثالی نظر آنے کے لئے فکر وعمل سے بھرپور ہوتی ہے اور بالخصوص اپنے محبوب کی نظروں میں ممتاز نظر آنے کے لئے ہر وہ کام کرسکتی ہے جو اس کا محبوب پسند کرتا ہو، وہ اپنے محبوب کو باور کراتی ہے کہ وہ دنیا کا خوش قسمت ترین مرد ہے۔

دلوعورت کو ایک متحمل مزاج اور وسیع لقلب محبوب کی تمنا ہوتی ہے، اس کے محبوب کو گرم جوش ہونا چاہیے اور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کب اپنے بانہوں کے حصار میں لینا ہے۔

دلوعورت کو ایسے محبوب کی ضرورت ہوتی جو لگی بندھی آراء اور توقعات نہیں رکھتا، اس کے محبوب کو لچکدار اور عقل سلیم کا مالک ہونا چاہیے، اسے ایک ایماندار مرد کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے محبوب کو نہ تو زیادہ مجہول ہونا چاہیے اور نہ ہی جارحیت پسند بلکہ ان دونوں کے مابین ہونا چاہیے اس کے محبوب کو آزادانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے اور اسے میں بے جا ٹوک سے گریز کرنا چاہیے، اسے بہت زیادہ ضدی اور سخت نہیں ہونا چاہیے، دلوعورت چاہتی ہے کہ اس کا محبوب اس کی تمام باتوں کو قبول کرتا جائے، روحانی، تجرباتی اور تجربہ کار مرد دلوعورت کا بہترین رفیق ثابت ہوتا ہے۔

برج دلو کو اکثر دوہرے معیار کا لیبل دیا جاتا ہے، اس کی وجہ غالباً یہ ہوسکتی ہے کہ اس پر بیک وقت دو سیارے حکمران ہوتے ہیں اور جنس بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، ازدواجی تعلقات میں دلوعورت اپنی بساط سے بڑھ کر فرائض کا وعدہ کرلیتی ہے، وہ مرد کی جبت میں سرتاپا غرق ہو جاتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ اس کا مرد ہر وقت اس کی پہنچ میں ہو لیکن اس کے جواب میں مرد کو یہ حق نہیں دیتی، جب دلوعورت سوچتی ہے کہ ازدواجی تعلقات اس کے مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام ثابت ہورہے ہیں تو وہ دل برداشتہ ہوجاتی ہے۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

فرزانہ سلیم

غیبت کا گناہ

حضرت ابراہیم بن ادھم غیبت کرنے والوں کی سخت سرزنش کرتے تے غیبت اسے کہتے ہیں کہ کوئی کسی کا اس کی غیر موجودگی میں اس طرح تذکرہ کرکے جو کہ اسے ناپسند ہو، ایک حدیث میں وضاحت اس طرح ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیبت کی حقیقت دریافت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح تذکرہ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر وہ بات اس میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہوگی۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہی تو غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں نہ پائی جائے تو پھر یہ بہتان ہوگا۔''

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو ایک دفعہ ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا آپ نے لوگوں سے کسی کی غیبت سنی تو فرمایا۔

''عجیب بات ہے کہ پہلے لوگ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے تھے، مگر یہاں دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے بھائی کی غیبت کرکے روٹی سے پہلے اس کا گوشت کھا رہے ہیں۔'' پھر آپ وہاں سے اٹھ گئے اور کھانا نہ کھایا۔

ثمرہ شیرازی، پتوکی

محبوب عمل

حضرت موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ تھے، انہیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل تھا، ایک دفعہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

''اے میرے رب! تجھے میرا کون سا عمل زیادہ پسند ہے تاکہ وہ کام زیادہ کیا کروں۔'' اللہ کا ارشاد ہوا۔

''مجھے تیرا وہ عمل تمام کاموں سے زیادہ پسند آیا کہ جب بچپن میں تمہاری ماں تمہیں مارتی تو تم مار کھا کر پھر اسی طرف دوڑتے تھے۔''

(تذکرہ غوثیہ)

حفصہ حماد، کراچی

کھانے کے متعلق بعض سنن طیبہ

O حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اس وقت تک ڈھانپ کر رکھتے جب تک اس کا جوش ختم نہ ہوجاتا اور فرمایا۔

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ ''سرد کھانے میں عظیم برکت ہے۔''

(دارمی، مدارج النبوت)

O حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے بعد پانی نوش نہ فرماتے، کیونکہ مغز ہضم ہے، جب تک کھانا ہضم کے قریب نہ ہو پانی نہیں پینا چاہیے۔ (مدارج النبوت)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

O کھجور یا روٹی کا کوئی ٹکڑا کسی پاک جگہ پڑا ہوتا تو اس کو صاف کر کے کھا لیتے۔ (مسلم)

O آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھاتے ہی سو جانے کو منع فرماتے (یہ دل میں ثقالت پیدا کرتا ہے)۔ (زادالمعاد)

O کسی دوسرے کو کھانا دینا یا کسی سے کھانا لینا ہو تو داہنا ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ)

مصباح شہباز، لاہور

پہلی کرن

☆ جس نے مخلوق سے کچھ مانگا وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے۔

☆ حیات کا دروازہ جب تک کھلا ہے غنیمت جانو، وہ جلد ہی تم پر بند کر دیا جائے گا اور نیکی کے کاموں کو جب تک تمہیں قدرت ہے، غنیمت سمجھو۔

☆ موت سے پہلے یاد خدا میں عزت ہے کیونکہ کاٹنے کے وقت ہل چلانا اور بیج بونا حماقت ہے۔

☆ سارے ملک کا بگاڑ ان تین گروہوں کے بگڑنے پر ہے، حکمران جب بے علم ہوں، عالم جب بے عمل ہوں اور فقیر جب بے توکل ہوں۔

☆ محبت کامل نہیں ہو سکتی، جب تک قربانی نہ دی جائے۔

☆ صادق وہ ہے کہ جب دیکھو تو ویسا ہی پاؤ کہ جیسے سنا تھا۔

☆ ہر بچے کی پیدائش اس بات کا پیغام ہے کہ اللہ ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

نسرین خورشید، جہلم

تعبیر

سیہ راتوں کے آگے سرخرو ہوں
چاند سے آنکھیں ملا کر بات کرتی ہوں
کہ میں نے عمر میں دیکھا ہے پہلی بار یہ منظر
میری نیندیں میرے خوابوں کے آگے
سر اٹھا کر
چل رہی ہیں!

صائمہ مظہر، حیدر آباد

سرگوشیاں

O سفر کا آغاز تیز رفتاری سے کیا ہے تو دیکھو رکنا نہیں ورنہ تمہارا اپنا ہی غبار راہ تمہیں دبوچ لے گا۔

O زندگی نجانے کس کس کا انتظار کرتی ہے اور موت بن بلائے مہمان کی طرح اچانک آ جاتی ہے۔

O در ہمیشہ وا رکھنے چاہئیں کہ کچھ لوگ دستکوں کے عادی نہیں ہوتے اور صدا دیے بغیر لوٹ جاتے ہیں۔

O جو دوسروں کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے، وہ حقیقت میں اپنے کردار کی برائیاں دوسروں میں تلاش کر رہا ہوتا ہے۔

O محبت میں یہ قباحت ہے کہ جس سے محبت ہو جائے، اس کو آسانی سے آزاد نہیں کیا جا سکتا، اسے آزاد کرنے سے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

O غصہ ایک چور ہے جو انسان کے اچھے لمحات چوری کر لیتا ہے۔

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

جنٹلمین

مسٹر برائن امریکیوں کا سامان لادنے میں مصروف رہا، درمیان میں کیپٹن غلام حسین نے ایک دو بار اسے توجہ دلائی کہ "پاکستانیوں کا

سامان بھی لوڈ کرا دے۔" لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی، جب فارغ ہوا تو اس نے سامان کے وزن کی جمع تفریق کے بعد بے پروائی سے کیپٹن غلام حسین سے کہا۔

"پاکستانی تو اس پرواز سے نہیں جا سکتے۔"

"کیوں نہیں جا سکیں گے؟" کیپٹن غلام حسین نے مسٹر برائن کی ناک سے ناک ملا کر دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

ایک تھرڈ ورلڈ ملک کے ایک جونیئر فوجی سے مسٹر برائن کو قطعاً اس اشتعال انگیز رویے کی توقع نہیں تھی، اس کا خیال تھا کہ "ترلے منتیں" کرنے کے بعد وہ پاکستانیوں کو آئندہ کسی پرواز سے بھجوا دے گا لیکن غلام حسین سیاستدان تو تھا نہیں اس نے اک پاکستانی کو آواز دی۔

"بہزاد! ذرا یہ اسٹین گن دینا مجھے۔"

یہ ذات شریف جس کا نام بہزاد تھا بڑے مستعد ثابت ہوئے، انہوں نے اسٹین گن کا رخ آسمان کی طرف کیا، اسے کاک کیا، سیفٹی کیپ اتارا اور کیپٹن غلام حسین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"Gun Loada, cocked safty catch Removed"

غلام حسین نے اسٹین گن پکڑتے ہوئے مسٹر برائن سے پوچھا۔

"ہاں مسٹر برائن! پاکستانی کیوں نہیں جا سکتے اس فلائیٹ سے؟" مسٹر برائن نے دور ایک نظر گوروں کی طرف دیکھا جو کتوں اور لڑکیوں کی چاپلوسی میں مصروف تھے اور پاکستانی فوج پر نگاہ کی جو پاس ہی نظم و ضبط سے اپنے افسروں کے اگلے احکامات کے منتظر کھڑے تھے۔

"ٹھہرو، ٹھہرو جائیں گے جائیں گے، اسی فلائٹ سے جائیں گے۔"

مسٹر برائن کی ساری لاپروائی کافور ہو گئی، پورے واقعے میں چند سیکنڈ لگے ہوں گے، کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ دو اہم ملکوں کی خارجہ پالیسی کن نشیب و فراز سے گزر گئی۔"

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

اقوال اختری

☆ تھکن سود کی طرح ہوتی ہے، ادائیگی نہ ہو تو بے حساب بڑھتی اور جمع ہوتی رہتی ہے جب تک کوئی بھلا آدمی بھلے طریقے سے بے باق نہ کروا دے۔

☆ فیصلہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے اندر غلطی کا امکان گھاس کی اس نرم کونپل کی طرح ضرور ہوتا ہے جو کسی بھی جگہ، کسی بھی لمحے سر اٹھائے چپ چاپ لہرانے لگتی ہے۔

☆ ہمت بھی عجیب پھولے ہوئے غبارے جیسی ہوتی ہے ذرا نا موافق بات کی سوئی چبھی، شکل ہی نہیں حالات و حالت تک بدل دیتی ہے۔

☆ جعلی عکس ڈالنے والا علم ہو یا اعداد و شمار، ہمیشہ نتیجہ توقعات کے برعکس ہی لاتے ہیں۔

☆ نقصان وہ نہیں جو آپ کو ذاتی دکھ سے دوچار کر دے نقصان تو وہ ہے جو کسی کو آپ کی نظروں سے گرا دے۔

☆ رویوں میں اندھیرا آئے تو صرف انہیں کوسنے مت بیٹھ جایئے، ممکن ہے آپ کے ایک چراغ جلانے سے کسی کے اندر کی کچھ تاریکی کم ہو جائے۔

صائمہ مشتاق، جڑانوالہ

چھپ کر خیرات کرنا (افضل ہے)

حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور ایک وہ مرد جس نے اتنی چھپا کر خیرات کی کہ دایاں ہاتھ جو خرچ کرتا ہے، بائیں ہاتھ کو اس کی خبر نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ بقرہ میں) فرمایا۔

''اگر تم کھلم کھلا خیرات کرو تو بھی اچھا ہے اور جو چھپاؤ اور محتاجوں کو پہنچاؤ تو اور زیادہ ہے، اللہ تمہاری برائیاں مٹا دے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔''

دانیا سحر، ملتان

مال دار کو صدقہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بنی اسرائیل کا ایک شخص کہنے لگا، میں (آج رات) ضرور خیرات کروں گا، پھر وہ (رات کو) اپنی خیرات لے کر نکلا اور ایک چور کے ہاتھ میں دے دی۔

صبح لوگ باتوں میں کہنے لگے۔

''چور کو خیرات ملی۔''

یہ سن کر وہ شخص بولا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے، میں (آج رات) ایک اور خیرات کروں گا۔''

خیر پھر (رات کو) اپنی خیرات لے کر نکلا اور ایک بدکار کے ہاتھ میں ڈال آیا۔

صبح کو لوگ باتیں بنانے لگے۔

''عجیب بات ہے، رات کو ایک بدکار کو خیرات ملی۔''

یہ سن کر اس نے کہا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے، بدکار کو خیرات پہنچنے پر، میں آج ضرور ایک خیرات اور کروں گا۔''

پھر رات کو خیرات لے کر نکلا اور ایک مالدار کے ہاتھ میں رکھ آیا، صبح کو لوگ باتیں کرنے لگے۔

''دیکھو مال دار کو خیرات ملی۔'' یہ سن کر وہ بولا۔

''اللہ چور اور بدکار اور مال دار ان سب کو خیرات پہنچنے پر تیرا شکر کرتا ہوں۔''

پھر ایک آنے والا اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

''تیری تینوں خراتیں قبول ہوئیں، چور کو اس وجہ سے شاید وہ چوری سے باز رہے، بدکار کی اس لئے شاید وہ زنا سے پرہیز کرے، مال دار کی اس لئے کہ شاید وہ سوچے اس کو عبرت ہو اور اللہ نے جو اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔''

حیدر رضا، جھنگ

اللہ کے ذمے

حضرت مبارک بن فضالہؒ ایک روز عباسی بادشاہ المنصور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس نے ایک مجرم کو قتل کرنے کا حکم دیا، مبارک فضالہؒ نے کہا۔

''امیر المومنین! میں نے امام حسین سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی ندا دے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ذمے جن لوگوں کا اجر ہو، وہ کھڑے ہو جائیں، اس وقت کوئی کھڑا نہ ہوگا، سوائے اس شخص کے جس نے کسی کو معاف کیا ہو۔''

یہ سن کر منصور نے کہا۔

''اس شخص کو آزاد کر دو۔''

فائزہ عبدالمنان، کراچی

☆☆☆

بیاض

تنسیم طاہر

ایمان علی ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

پلک جھپکتے ہی دنیا اجاڑ دیتی ہے
وہ بستیاں جنہیں بستے زمانے لگتے ہیں
فراز ملتے ہیں غم بھی نصیب والوں کو
ہر اک کے ہاتھ کہاں یہ خزانے لگتے ہیں

.....

خزاں میں چاک گریباں تھا میں بہار میں تو
مگر یہ فصل ستم آشنا کسی کی نہیں
میں آج زد پہ اگر ہوں تو خوش گمان نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

.....

کوچہ یار سے ہر فصل میں گزرے ہیں مگر
شاید اب جاں سے گزر جانے کا موسم آیا

شاہدہ اسد ---- گوجرانوالہ

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا سمندر نکلا
شہر والوں کی محبت کا میں قائل ہوں مگر
میں نے جس ہاتھ کو چوما وہی خنجر نکالا

.....

تھکا گیا ہے سفر اداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پر سر اداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

.....

فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے

صائمہ مشتاق ---- جڑانوالہ

چلو کہ آج کوئی بچپن کا کھیل کھیلیں ہم
بڑی مدت ہوئی بے ساختہ ہنس کر نہیں دیکھا

.....

میرے احساس کے زخموں نے جگایا مجھ کو
نیند تو ٹوٹی مری خواب تمہارے ٹوٹے

.....

مجھے سمیٹ سکو تو معجزہ ہو گا
بکھر گیا ہوں خلا میں وسعتوں کی طرح

رانیا سحر ---- ملتان

کوئی کرتا ہی نہیں ذکر وفا داری کا
ان دنوں عشق میں آسانی ہی آسانی ہے

.....

باہر تو کوئی دشمن جاں اپنا نہیں تھا
یارو بھلا ہمیں اندر کے خدوخال نے مارا
آئے جو نظر چہرے بظاہر تھے فروزاں
افسوس انہی چہروں کے افعال نے مارا

.....

مرتے رہے ہم لوگ سدا وقت کے ہاتھوں
ماضی نے ہمیں مارا کبھی حال نے مارا
کچھ نقش سلامت ہیں جو دیتے ہیں گواہی
گزری ہوئی صدیوں کو مہ و سال نے مارا

حیدر رضا ---- جھنگ

ہم فقیروں کو برائی سے سروکار نہیں
ہم زمانے میں فرشتوں کی طرح رہتے ہیں
لوگ کہتے ہیں برا ہم کو تو حیرت کیا ہے
کہنے والے تو خدا کو بھی برا کہتے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

.....

پیچ در پیچ سلسلے دل کے
مجھے تیری تجھے کس کی تلاش

.....

سکون ملتا ہے رونے سے دل کو بھی آذر
شدید ہو کبھی موسم تو بارشیں مانگوں
فائزہ عبدالمنان ---- کراچی

گفتگو کرنے کا کچھ اس میں ہنر ایسا تھا
وہ میری بات کا مفہوم بدل دیتا تھا

.....

جنون میں ہوش کے سب سلسلے بھی ساتھ رکھتا ہے
وفا کرتا ہے لیکن فاصلے بھی ساتھ رکھتا ہے
کوئی آب و ہوا تو راس آئے گی کبھی اس کو
محبت کی ساری منطقیں بھی ساتھ رکھتا ہے

.....

دھیان رکھنا ہر اک آہٹ پر
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں
عتیقہ منیر ---- سیالکوٹ

اسے کہو بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

.....

خواہشوں کی محرومیاں مت پوچھ میرے ہم نفس
کہ میری نس نس میں خوابوں کا زہر اترا ہے

.....

ہم ہی کریں کوئی صورت انہیں بلانے کی
سنا ہے ان کو تو عادت ہے بھول جانے کی
جفا کے ذکر پہ تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی
صائمہ سلیم ---- گجرات

پانی پہ بہی ریت پہ تڑپی چنی گئی
بنتی رہی ہے دکھ کا بھی عنوان محبت
ہم نے پڑھے ہیں اتنے فسانے کہ بس
لگتا ہے ہر فسانے کی ہے جان محبت

.....

رشتوں کو توڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
رخ اپنا موڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
ایسا نہ ہو کہ ایک دن پچھتاؤ ہر گھڑی
تم مجھ کو چھوڑنے میں ذرا احتیاط کرنا

.....

اپنا آنچل سنبھال کر چلنا
چھیڑ خانی ہوا کی عادت ہے
نازیہ جمال ---- چکوال

دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
دنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کر
میلے میں اس جہاں کو کھونے نہیں دیا

.....

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح

.....

مختصر لفظوں میں ہے اب یہ مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہے مگر واسطہ نہیں
سمن رضا ---- چیچہ وطنی

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دکھ تھے بہت لادوا نہ تھے

.....

وہ ریت کرکے میرے خواب کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے
گنوا کے مجھ کو کسی عہد خوش گمانی میں
وہ شاید اب کوئی مجھ سا تلاش کرتا ہے

.....

تم نے گم کر دیا تھا دانستہ
اب بھرے شہر میں مجھے ڈھونڈو
شاہین سلیم ---- دیپالپور

یہ ورق ورق تیری داستاں
یہ سبق سبق تیرے تذکرے
میں کروں تو کیسے کروں الگ
تجھے زندگی کی کتاب سے

.....

جب سے چھوڑا ہے تو نے ساتھ میرا
میں کسی کو بھی چھوڑ سکتا ہوں
ہو گیا ہوں میں سنگدل اتنا
دل کسی کا بھی توڑ سکتا ہوں

.....

مسافتوں میں کبھی یوں بھی معتبر ٹھہروں
کہ دو قدم ہی سہی اس کا ہم سفر ٹھہروں
تمہی بتاؤ بھلا کس طرح یہ ممکن ہے
وہ تیرے شہر میں آئے اور میں بے خبر ٹھہروں
ایمن عزیز ---- میانوالی

شکستہ تحریروں کے میرے خط تم جلا دینا
جو ہو سکے زندگی میری مجھے تم بھلا دینا
تلخیاں پی پی کر زہر آلودہ نہ ہو جائیں کہیں
سکون دل کی خاطر میری جان تم ذرا سا مسکرا دینا

.....

اچانک شاخ دل تیری کہیں ویران نہ ہو جائے
پرندے میری یادوں کے اڑا آہستہ آہستہ

.....

میں تم کو چاہ کر پچھتا رہا ہوں
کوئی اس درد کا مرہم نہیں ہے
شگفتہ رحیم ---- فیصل آباد

لڑکیاں ہوتی ہیں پرایا دھن
یہ کہاں سب کے پاس رہتی ہیں

.....

کی ساز باز وقت نے ایسی میرے خلاف
جدائیوں کا موسم میرے نام کر گیا

.....

ہم تیری یاد سے کترا کے گزر جاتے مگر
راہ میں پھولوں کے لب ساہوں کے گیسو آئے
آزمائش کی گھڑی سے گزر آئے توضیا
چشم نم جاری ہوا آنکھ میں آنسو آئے
حمیرا رضا ---- ساہیوال

کیوں طبیعت کہیں ٹھہرتی نہیں
دوستی تو اداس کرتی نہیں
جس طرح تم گزارتے ہو فراز
زندگی اس طرح تو گزرتی نہیں

.....

اس کو کیسے بھول جاؤں ناصر کیسی باتیں کرتے ہو
صورت تو صورت ہے وہ نام بھی اچھا لگتا ہے

.....

زمین کا سہارا تو اک دکھاوا ہے محسن
حقیقت میں میرا خدا مجھے گرنے نہیں دیتا
ماریہ عثمان ---- سرگودھا

لکھ رہے ہیں ہم محبت نفرتوں کے درمیاں
آنے والوں کو ہمارے یہ ہنر یاد آئیں گے
رفتہ رفتہ بھول جائیں گے سفر کی داستاں
مدتوں لیکن ہمیں کچھ رہ گزر یاد آئیں گے

.....

محبت کا دھواں آنکھوں میں پانی چھوڑ جاتا ہے
کسی رستے سے غم گزرے نشانی چھوڑ جاتا ہے
موت بھی کم خوبصورت تو نہیں ہو گی
جو اس کو دیکھتا ہے زندگانی چھوڑ جاتا ہے

.....

اپنے مزاج سے میں خوب واقف ہوں فراز
تھوڑے لوگوں سے ملتا ہوں مگر مخلص ہو کر
ماروخ آصف ---- خانیوال

شکوے بھی ہزاروں ہیں شکایتیں بھی بہت ہیں
اس دل کو مگر اس سے محبت بھی بہت ہے
آ جاتا ہے ملنے وہ تصور میں سر شام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس شخص کی اتنی سی عنایت ہی بہت ہے
.....
وہ مل جائے اگر تنہا تو منانا نہیں مشکل
مشکل تو یہ ہے کہ وہ تنہا نہیں ملتا
.....
بھڑکائیں میری پیاس کو اکثر تیری آنکھیں
صحرا میں چہرہ ہے سمندر تیری آنکھیں
بوجھل نظر آتی ہیں بظاہر مجھے لیکن
کھلتی ہیں بہت دل میں اتر کر تیری آنکھیں
صائمہ ابراہیم ---- فیصل آباد
ان آنکھوں نے لوٹ کے بھی
اپنے اوپر بات نہ لی
.....
اے لمحہ رخصت اسے اوجھل نہیں کرنا
اس آخری منزل سے مجھے پیار بڑا ہے
.....
ہم گردش دوراں سے کچھ اس طرح لڑے ہیں
دیوار بنے دشت تمنا میں کھڑے ہیں
دیکھو تو ہر اک سمت ہے پھولوں کا تبسم
سوچو تو راہ شوق میں کانٹے بھی بڑے ہیں
وفا عبدالرحمان ---- راولپنڈی
بھلا کیا دکھ کے آنگن میں سلگتی لڑکیاں جانیں
کہیں چھپتے ہیں آنسو آنچلوں میں منہ چھپانے سے
ابھی تو عشق میں آنکھیں الجھتی ہیں دل سلامت ہے
زمینیں بانجھ ہوتی ہیں کبھی فصلیں جلانے سے
.....
یک لخت گرا ہے تو جڑیں تک نکل آئیں
جس پیڑ کو آندھی میں بھی ہلتے نہیں دیکھا
.....
شکستہ دل ، شکستہ آروز ہے
وہی چہرہ نظر کے روبرو ہے
نہیں جچتا کوئی تیرے سوا اب
جدھر بھی دیکھتا ہوں تو ہی تو ہے
سدرہ نعیم ---- شیخوپورہ
ہم کو لوٹا ہے اسی شہر نے اے جان وفا
جس کی گلیوں میں محبت کا کچھ حساب نہ تھا
وہ جو رہتے تھے میرے ساتھ ہمیشہ دن بھر
ان کے مذہب میں وفاؤں کا کوئی باب نہ تھا
.....
کئی بار مل چکے ہوتے
آپ ملتے اگر دعاؤں سے
.....
تجھے علم بھی ہے طبیب جاں تیرے پیار میں
میں مریض ہوں تیرے قرب کا مجھے دور جا کے دوا نہ دے
یہاں سب اندھیر اپرست ہیں یہاں روشنی کی مجال کیا
یہ چراغ پھر بھی چراغ ہے کوئی آتے جاتے بجھا نہ دے
زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد
الگ مزاج ہے اپنا تمام لوگوں سے
تمام قصوں میں قصہ جدا ہمارا ہے
بہت ہے شور مگر اطمینان بھی کہ یہاں
کوئی تو ہے جو سخن آشنا ہمارا ہے
.....
دل سوختہ ملے گا تھے جب کوئی کہیں
شدت سے ایک شخص تجھے یاد آئے گا
پوچھے گا جب کوئی تیرا دکھ ازارہ خلوص
تو اس کو دوسروں کے فسانے سنائے گا
.....
کتنا سخن شناس تھا طعنہ دیا تو یوں دیا
آپ کے فن کے رت جگے ہجر نے جگمگا دیے
فضہ بخاری ---- رحیم یار خان
کوئی اچھی سی سزا دو مجھ کو
چلو ایسا کرو بھلا دو مجھ کو

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

وعدہ

میں ستارے توڑ کر لاؤں گا تیرے واسطے
اس کا وعدہ میرے جان و دل پہ ایسا چھا گیا
میں بہت خوش تھی مجھے اک چاہنے والا ملا
وہ ہمارے گھر "ستارہ لان" لے کر آ گیا

چل رہا ہے

ادھر ناکے پہ ناکہ چل رہا ہے
ادھر ڈاکے پہ ڈاکا چل رہا ہے
ادھر منصوبہ بندی کے ہیں چرچے
ادھر کاکے پہ کاکا چل رہا ہے
صائمہ سلیم، گجرات

مقام شکر

"کیا کبھی کسی نے تمہیں اپنے ہاں کام کاج یا کوئی ملازمت وغیرہ کرنے کی پیشکش کی۔" ایک صاحب نے ایک پیشہ ور بھکاری سے پوچھا۔
"جی ہاں..... صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تھا۔" بھکاری نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔
"ورنہ لوگوں نے میرے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اور محبت کا ہی سلوک کیا ہے۔"
نازیہ جمال، چکوال

رہنمائی

خمار زدگان کی ایک محفل سے ایک صاحب جانے کے لئے اٹھے تو میزبان انہیں چھوڑنے دروازے تک آیا، جب وہ صاحب لڑکھڑاتے ہوئے دروازے سے نکلنے لگے تو میزبان نے کہا۔
"جب تم فٹ پاتھ پر پہنچو گے تو تمہیں دو ٹیکسیاں نظر آئیں گی..... جو تمہارے بالکل قریب ہو، اس میں بیٹھ جانا..... اس کے برابر والی میں بیٹھنے کی کوشش نہ کرن کیونکہ وہ وہاں موجود نہیں ہو گی۔"
سمن رضا، چیچہ وطنی

اُف یہ عورتیں

ایک ریاضی دان کا کہنا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں ریاضی کی زیادہ ماہر ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنی عمر کو ہمیشہ دو سے تقسیم کرتی ہیں، اپنے لباس کی قیمت کو دو سے اور اپنے شوہر کی تنخواہ کو تین سے ضرب دیتی ہیں۔
وہ اپنی بہترین سہیلیوں کی عمروں میں پانچ سال جمع کرتی ہیں اور..... اور..... اور۔"
شاہین سلیم، دیپالپور

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک نوجوان کی چند دنوں کے بعد شادی ہونے والی تھی، اس کے قریبی دوست اسے مشورہ دے رہے تھے کہ پہلے دن سے ہی بیوی پر رعب ڈالنا اگر بیوی سے ڈر گئے تو تمام عمر زن مریدی میں گزرے گی، ایک دوست نے ایک ترکیب بتائی کہ کمرے میں ایک عدد بلی چھوڑ دینا، نئی نویلی دلہن سے خوفزدہ ہو گی اور تم بلی کو مار کر دلہن پر رعب جمانا، بس سمجھو کہ پھر جیت تمہاری ہو گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شادی والی رات نوجوان نے ایسا ہی کیا کہ کسی طرح ایک عدد بلی بیڈ روم تک پہنچا دی، جب وہ خود اندر جانے لگا تو پتا چلا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے دھم دھما دھم کی آوازیں آ رہی ہیں، کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا تو دلہن صاحبہ ایک ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں بلی کو دم سے اٹھائے فرمانے لگیں۔

''ارے آپ! دیکھیں اس کم بخت نے مجھے بہت تنگ کیا، میں نے سوچا کہ آپ کے آنے سے پہلے اس کا کام تمام کرلوں۔''

ایمن عزیز، میانوالی

بین الاقوامی کہاوتیں

- جہاں دو آدمی اکٹھے ہوں وہاں مت رکو، (پاکستانی کہاوت)
- سوئے ہوئے کتے کو سویا رہنے دو، بیدار ہو کر وہ یقیناً آپ پر بھونکے گا، (ترکش کہاوت)
- اگر تم خود ترقی نہیں کر سکتے تو دوسروں کو ترقی کرتے دیکھ کر آنکھیں بند مت کرو۔ (جرمن کہاوت)
- تلوار اور عورت کی چلتی ہوئی زبان کو روکنا ہی اصل بہادری ہے۔ (روسی کہاوت)
- روتی عورت اور بیمہ ایجنٹ کی باتوں پہ کبھی اعتبار مت کرو۔ (جاپانی کہاوت)
- آپ کا دماغ بڑھ تو سکتا ہے لیکن عورت کی عمر ساری زندگی نہیں بڑھتی۔ (فارسی کہاوت)
- ساس ری ساس تیرا کون سا دانت سیدھا، (بنگلہ دیشی کہاوت)
- اگر کوئی کتا آپ پر بھونک رہا ہے تو آپ اس پر بھونکنا شروع مت ہو جائیں۔ (یونانی کہاوت)

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

بیویات

امریکن بیوی۔

ہر لمحہ اس سوچ میں رہتی ہے کہ کب موجودہ شوہر سے طلاق لوں تاکہ اس طلاق کے نتیجے میں اچھی خاصی رقم اینٹھ سکوں، نیز وہ اس مسئلے پر بھی غور و فکر کرتی ہے کہ اگلے شوہر کے لئے کوئی تگڑی آسامی ڈھونڈوں تاکہ اس سے طلاق لے کر مزید رقم حاصل کر سکوں۔

برطانوی بیوی۔

یہ شوہر کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی، اہمیت دیتی ہے تو اپنے نئے نئے بوائے فرینڈز کو، بلکہ اپنے شوہر کو بھی مشورہ دیتی ہے کہ وہ دو چار نئی گرل فرینڈز بنا لے، آخر کار یہ شوہر سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے۔

برازیلین بیوی۔

شوہر کے آرام و سکون کا بہت خیال رکھتی ہے، اسی لئے وہ سر شام گھومنے پھرنے باہر نکل جاتی ہے، تاکہ اس کا شوہر آرام سے گھر میں بیٹھ کر فٹ بال کا میچ دیکھ سکے۔

جاپانی بیوی۔

اپنے شوہر کا اتنا ہی زیادہ خیال رکھتی ہے، جتنا زیادہ خیال وہ اپنے ڈیجیٹل کیمرے، نئی کار اور موبائل فون کا رکھتی ہے۔

چائنیز بیوی۔

اپنے شوہر کو طرح طرح کے چائنیز کھانے پکا کر کھلاتی ہے حالانکہ اس کا شوہر اس سے بہتر چائنیز کھانے پکا سکتا ہے۔

افریقن بیوی۔

اپنے شوہر پر ہر وقت اپنے قبیلے کی دھاک بٹھانے کے لئے بہادری کے قصے سناتی ہے،

صرف یہ بلکہ اپنے شوہر پر ان کا عملی مظاہرہ بھی کرتی ہے۔

پاکستانی بیوی۔

ایک عدد شوہر کے مل جانے پر اس سوچ میں غرق ہو جاتی ہے کہ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے شوہر نما نوکر، بچ کے جانے نہ پائے کہیں۔

حمیرا رضا، ساہیوال

بے چارگی

''مائی ڈیئر! تمہیں خط لکھنا کتنا مشکل ہے جب میں پہلی بار لکھنے بیٹھی تو ایک بچے نے چاکلیٹ گرا دی، جب دوسری مرتبہ لکھنے بیٹھی تو میرے پین کی انک ختم ہو گئی، اب تیسری بار تمام نقد اور ادھار دے کر بیٹھی ہوں تو دماغ سے مضمون ہی غائب ہو گیا ہے۔''

ماریہ عثمان، سرگودھا

قوت برداشت

ایک شخص نے اپنے دوست سے پوچھا۔

''انور بھائی سے تمہاری لڑائی کس بات پر ہوئی۔''

''برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔'' دوست نے شکوہ کیا۔

''میں نے کبھی بھی انہیں اپنی شرٹ، سوٹ اور جوتے پہننے سے نہیں روکا، مگر جب پرسوں ڈائننگ ٹیبل پر میرے ہی دانت لگا کر انہوں نے مجھ پر ہنسنا شروع کیا تو مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا۔''

ماروخ آصف، خانیوال

بچت

اسکاٹ لینڈ کے باشندوں کو کنجوسی ضرب المثل ہے، ایک کاشتکار گیہوں فروخت کرنے شہر گیا، گیہوں کی فروخت کرنے کے بعد وہ پوسٹ آفس پہنچا، تاکہ بیوی کو ٹیلی گرام بھیجے، اس نے ٹیلی گرام کی عبارت لکھی۔

''گیہوں خاصے منافع پر فروخت کر دیا ہے، کل آ رہا ہوں، تمہارے لئے تحفہ لے کر۔'' مگر یہ عبارت پوسٹ آفس والے شخص کو دیتے وقت اسے کچھ خیال آیا اور وہ خود سے مخاطب ہوا۔

''منافع کے بارے میں لکھنے کی کیا ضرورت ہے، وہ خود جانتی ہے کہ میں نقصان میں تو بیچوں گا نہیں۔'' لہٰذا اس نے یہ الفاظ کاٹ دیے، اس نے دوبارہ ٹیلی گرام پڑھا۔

''گیہوں فروخت کر دیا ہے، یہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے، اسے معلوم ہے کہ میں اسی کام کے لئے شہر آیا ہوں۔'' اس جملے کو بھی قطع کرنے کے بعد اس نے پھر سوچا اور خود سے بولا۔

''تمہارے لئے تحفہ لے کر آ رہا ہوں، کیوں؟ یہ کوئی عید یا سالگرہ کا موقع تو نہیں ہے، اسے بھی کاٹ دیا۔

اس کے بعد اس نے ٹیلی گرام کے پیسے جیب میں ڈالے اور خوشی خوشی پوسٹ آفس سے باہر آ گیا۔

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

تصدیق

پولیس نے ڈاکوؤں سے مقابلے کے بعد جنگل کا محاصرہ ختم کیا تو ڈی ایس پی نے انسپکٹر سے پوچھا۔

''ہماری نفری پوری ہے نا؟'' انسپکٹر نے اثبات میں جواب دیا، تو ڈی ایس پی پھر ذرا تشویش سے بولے۔

''تم نے اچھی طرح گنتی تو کر لی ہے نا۔''

''جی ہاں میں نے اچھی طرح گنتی کر لی ہے۔'' انسپکٹر نے وثوق سے کہا۔

''شکر ہے۔'' ڈی ایس پی صاحب نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اطمینان کی سانس لی۔
"اس کا مطلب ہے کہ میں نے جس بھاگتے سائے کو گولیاں ماری تھیں وہ ڈاکو ہی تھا۔"
وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

انجام محبت

ایک صاحب نے اپنے دوست سے پوچھا۔
"شبانہ کے ساتھ آپ کی محبت کا ان دنوں کیا عالم ہے؟" دوست نے بتایا۔
"محبت کا وہ معاملہ تو کوئی چھ ماہ ہوئے ختم ہو چکا ہے۔" ان صاحب نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔
"پھر تو اب تم اس کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ ہوگے۔"
"صورت تو روز دیکھنی پڑتی ہے۔" دوست نے جواب دیا۔
"میری اور اس کی شادی جو ہوگئی ہے۔"
سدرہ نعیم، شیخوپورہ

حفظ ماتقدم

ایک عورت یونان کے ایک قدیم محل کے کھنڈرات کے سامنے تصویر اتار رہی تھی، کہ اچانک ہی اس نے اپنی جگہ تبدیل کی اور فوٹو گرافر سے بولی۔
"بھئی یہ ٹوٹی ہوئی دیوار اس تصویر میں نہ آئے، ورنہ میرا شوہر خیال کرے گا کہ میں نے اس دیوار سے اپنی گاڑی ٹکرا دی ہے۔"
زاہد اظہر، حافظ آباد

حاضر دماغی

شادی کے چھ ماہ بعد میاں، بیوی میں پہلا جھگڑا ہوا، غصے سے بے قابو ہو کر شوہر نے بیوی کو پیٹھ پر از واجی زندگی کا پہلا گھونسا رسید کیا، اتفاق سے پادری صاحب وہاں سے گزر رہے تھے، وہ فوراً بیچ بچاؤ کرانے پہنچ گئے، شوہر نے دیکھا، پادری صاحب آ گئے تو اس نے سنبھل کر بیوی کو ایک اور گھونسا رسید کیا اور گرج کر بولا۔
"اب بھی چرچ جانے سے انکار کرو گی۔"
فضہ بخاری، رحیم یار خان

ہمدردی

"ڈاکٹر.....!" مریض نے تقاضا کیا۔
"اپنا بل دے دو۔" ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"نہیں جناب آپ ابھی اتنے توانا نہیں ہوئے۔"
حناز بیر احمد، بہاولپور

شکر ہے

لندن میں نسلی فسادات زوروں پر تھے، موتی سنگھ اور شیر سنگھ کو ایک سنسان علاقے میں گورے غنڈوں نے روک لیا اور مار مار کر انہیں ادھ موا کر دیا اور ان کی جیبوں کا بھی صفایا کر دیا، لیٹرے چلے گئے تو شیر سنگھ نے کراہ کر موتی سنگھ سے کہا۔
"شکر ہے ان ظالموں کی نظر میری بیلٹ میں چھپے ہوئے ریوالور پر نہیں پڑی، اگر وہ ریوالور دیکھ لیتے تو ہم دونوں کو ہمارے ہی ریوالور سے ختم کر دیتے۔" اس پر موتی سنگھ کو بہت غصہ آیا اور بولا۔
"جب تیرے پاس ریوالور تھا تو نے انہیں گولیاں نہیں ماردیں۔"
"ارے یہ تو مجھے خیال ہی نہیں آیا، آؤ انہیں اب ڈھونڈتے ہیں۔"
اُم رباب، ساہیوال

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

نعیمہ بخاری: کی ڈائری سے ایک خوبصورت غزل

جو غم ملا جبیں کے شکن میں چھپا لیا
دل سی گداز چیز کو پتھر بنا لیا
جو آہ تھی شکستہ شکستی ساتھ لے گئی
جو اشک تھا ہوائے سحر نے اڑا لیا
کاغذ کے پھول سر پہ سجا کر چلی حیات
نکلی برون شہر تو بارش نے آ لیا
اک میں ہی طرہ نہیں تو بھی فریب ہے
اپنی ہی ذات سے اتر بھی پتا کیا
اک عمر جس کی مار پہ رہ کر بچے رہے
پہنچے تھے اوٹ میں کہ وہی تیر کھا لیا
ہم بھی شکست شوق پہ نالاں رہے مگر
دل نے آسمان ہی سر پہ اٹھا لیا
ہم نے کہ بخت خفتہ نہ جاگ اٹھے اے ظفر
معمورۂ ازل سے دل بے صدا لیا

ثمرین زاہرہ: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

بساط جاں پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح
شب و روز دل پر عتاب اترتے ہیں کس طرح
کبھی عشق ہو تو پتا چلے
یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس دوستاں
تو یہ کون ہیں؟
یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس جسم و جاں
تو یہ کس لئے؟
یہ جو کان ہیں میرے آہٹوں پہ لگے ہوئے
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو ہونٹ ہیں صف دوستاں میں سلے ہوئے
تو یہ کس لئے؟
یہ جو اضطراب رچا ہوا ہے وجود میں
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو سنگ سا کوئی آ گرا ہے جمود میں
تو یہ کس لئے؟
یہ جو دل میں درد چڑھا ہوا ہے لطیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ جو پتلیوں میں ہے عکس کوئی خفیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ جو آنکھ میں کوئی برف سی ہے جمی ہوئی
تو یہ کس لئے؟
یہ جو دستوں میں نئی نئی ہے کمی ہوئی
تو یہ کس لئے؟
یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انہیں کیا پتا، انہیں کیا خبر؟
کسی راہ کے کسی موڑ پر جو انہیں ذرا
کبھی عشق ہو تو پتا چلے

نمرہ سعید: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

وحشت تھی مگر چاک لبادہ بھی نہیں
یوں زخم نمائی کا ارادہ بھی نہیں
خلعت کے لئے قیمت جاں یوں بھی بہت
پھر اتنا دلآویز لبادہ بھی نہیں
ہم مرحبا کہتے ترے ہر تیر ستم
سچ یہ ہے کہ دل اتنا کشادہ بھی نہیں
ہم خون میں نہلائے گئے تیری گلی
اور تو کہ سر بام ستارہ بھی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یارو کوئی تدبیر کرو تم کہ وہ ہم سے
ناخوش تھا مگر اتنا زیادہ بھی نہیں تھا
آخر کو تو گل ہو گئے سورج سے مسافر
اور میں تو چراغ سر جادہ بھی نہیں تھا
پاگل ہو فراز آج جو رہ دیکھ رہے ہو
جب اس سے ملاقات کا وعدہ تبھی نہیں تھا

طاہرہ رحمان: کی ڈائری سے ایک غزل

عذاب در بدری سے نکلنا چاہتے ہیں
عباس کے خیمہ خوشبو میں رہنا چاہتے ہیں
صدائے گل کی طرح موجۂ صبا کی طرح
تیری گلی سے کسی دن گزرنا چاہتے ہیں
تلاش رزق میں بھٹکی ہوئی تکان کے بعد
پرندے اپنے گھروں کو پلٹنا چاہتے ہیں
ہمیں نہ دیکھ زمانے کی گرد آنکھوں سے
تجھے خبر نہیں ہم تجھ کو کتنا چاہتے ہیں
وفا ہے شرط تو پھر اپنے درمیان اب بھی
یہ لوگ کس لئے دیوار رکھنا چاہتے ہیں
امیر شہر سلامت مصاحبان سمیت
ہم اہل صبر اب ان سے مکرنا چاہتے ہیں

عمرانہ علی: کی ڈائری سے ایک غزل

لمحے لگتے ہیں دل دکھانے میں
وقت لگتا ہے پھر منانے میں
گھاؤ لفظوں کا پھر بھر نہیں سکتا
بات بنتی نہیں بنانے میں
گلشن دل کو تباہ مت کرنا
صدیاں لگ جائیں گی بنانے میں
فصل گل نے جو بے قرار کیا
ہم لگے گھر کو پھر سجانے میں
دم آخر بھی منتظر تھا ولی
آپ نے دیر کر دی آنے میں

عظمیٰ جبیں: کی ڈائری سے ایک غزل

خواب ہوتے رہیں لہو کب تک
ایک سائے کی جستجو کب تک
تھک ہی جائے گی عمر بے پروا
اس کو رہنا ہے کو بہ کو کب تک
یاد میں تیری بھیگ جاتی ہے
آنکھ رہتی ہے بے وضو کب تک
درد کب تک سنبھال کر رکھیں
زخم ہوتے رہیں رفو کب تک
کوئی موسم تو پھول مہکائے
زندگانی ہو بے نمو کب تک

وردہ منیر: کی ڈائری سے ایک غزل

میں نے غم کا لباس پہنا ہے
بس یہی زندگی کا گہنا ہے
ہے تقاضا میری وفاؤں کا
پتھروں کو بھی گلاب کہنا ہے
میری فطرت سے ساحلوں کے خلاف
اور تجھے ساحلوں پہ رہنا ہے
پانیوں پہ داستان نہ لکھو
پانیوں کا مزاج بہنا ہے
وقت ٹھہرا ہے کب کسی کے لئے
آج کہہ دو تمہیں جو کہنا ہے
زرد پتوں کے بھاگ میں آغا
نت نیا عذاب ہی سہنا ہے

ثمرہ شیرازی: کی ڈائری سے ایک نظم

"سن لیا ہم نے"

سن لیا ہم نے فیصلہ تیرا
اور سن کر اداس ہو بیٹھے
ذہن چپ چاپ آنکھ خالی ہے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے

دھندلے دھندلے سے منظروں میں مگر
چھیڑتی ہیں تجلیاں تیری
بھولی بسری ہوئی رتوں سے ادھر
یاد آئیں تتلیاں تیری
دل یہ کہتا ہے ضبط لازم ہے
ہجر کے دن کی دھوپ ڈھلنے تک
اعتراف شکست کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک
دل یہ کہتا ہے حوصلہ رکھنا
سنگ رستے سے ہٹ بھی سکتے ہیں
اس سے پہلے کہ آنکھ بجھ جائے
جانے والے پلٹ بھی سکتے ہیں
اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے
یا مناظر بجھے بجھے دیکھیں
ایک طرف تو ہے ایک طرف دل ہے
دل کی مانیں کہ اب تجھے دیکھیں
خود سے بھی کشمکش سی جاری ہے
راہ میں تیرا غم بھی حائل ہے
چاک در چاک ہے قبائے حواس
بے رفو سوچ، روح گھائل ہے
تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے
غم بھی امرت سمجھ کے پی لیں گے
ورنہ یوں ہے کہ دامن دل میں
چند سانسیں ہی گن کے جی لیں گے

آمنہ گوریجہ: کی ڈائری سے ایک نظم

سر بازار بیچتا ہے
ابن آدم
بنت آدم کو
کبھی غیرت کے نام پر
کبھی چاہت کے نام پر
زخم وہ دے کے جاتا ہے
بن کے ناسور جو رہتا ہے
در و دیوار دل پر یوں
کہ نہ جو مندمل ہو پائے
نشاں جس کا رہ جائے گا سدا
عزت نفس کی چادر پر
مگر! وہ جیتی رہتی ہے
یوں کہ پل پل مرتی جاتی ہے

کرن گوریجہ: کی ڈائری سے ایک غزل

فضاؤں میں عجب اک اداسی ہے آج کل
دریاؤں کے کنارے روح پیاسی ہے آج کل
عوام الناس کی بات کہیں یا ہو ایوان خاص
فطرت یہاں سبھی کی سیاسی ہے آج کل
دھوکے باز ہے عاقل حساس ہوا جو احمق
نرالے ڈھنگ کی مردم شناسی ہے آج کل

صنم ناز: کی ڈائری سے ایک نظم

اسے یہ شوق محبت کی بھیک میں مانگو
میری یہ ضد کہ تقاضا میرا اصول نہیں
اسے یہ شوق کہ اس کی ساری ضدیں ہوں پوری
مجھے یہ ضد رسوائی مجھے قبول نہیں
اسے یہ شوق کہ ساری چاہتیں اسے دوں وہ لوٹا دے
میری یہ ضد میری چاہتیں اتنی فضول نہیں
اسے یہ شوق کانٹے نہ لگے ہاتھوں پہ
میری یہ ضد کہ قسمت میں صرف پھول نہیں
اسے یہ شوق کہ ہنس کہ سہوں ساری تکلیفیں
میری یہ ضد کہ میرا پیار کوئی ارتی ہوئی دھول نہیں

نبیہ خالد: کی ڈائری سے عمار خالد کی نظم

تیری ذات سے ہٹ کر جو کچھ کہنا چاہا
میرے لفظ مجھ ہی سے روٹھ جانے لگے
میرے اوراق مجھ ہی سے چھوٹ جانے لگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا قلم، میرے ہاتھ سے گرنے لگا
میرا شاعر مجھ میں ہی سسکنے لگا
کہ دنیا کچھ نہ ہو جیسے تیری بستی کے سوا
کہ میں شاعر نہ رہا ہوں تیری ہستی کے سوا

حفصہ حماد: کی ڈائری سے ایک غزل

نہ وہ اقرار کرتا ہے نہ وہ انکار کرتا ہے
ہمیں پھر بھی گماں ہے وہ ہم سے پیار کرتا ہے
منڈیروں سے کوئی مانوس سی آواز آتی ہے
کوئی تو یاد ہم کو بھی پس دیوار کرتا ہے
یہ اس کے پیار کی باتیں فقط قصے پرانے ہیں
بھلا کچے گھڑے پہ کون دریا پار کرتا ہے
ہمیں یہ دکھ ہے کہ وہ اکثر کئی موسم نہیں ملتا
مگر ملنے کا وعدہ وہ ہم سے ہر بار کرتا ہے
حسن راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند سوتے ہیں
تو اک خواب آشنا چہرہ ہمیں بے دار کرتا ہے

مصباح فیصل: کی ڈائری سے ایک نظم

سنا ہے اس محبت میں
بہت نقصان ہوتا ہے
مہکتا جھومتا جیون
غموں کے نام ہوتا ہے
سنا ہے چین کھو کر وہ
صبح و شام روتا ہے
محبت جو بھی کرتا ہے
بہت بدنام ہوتا ہے
سنا ہے اس محبت میں
کہیں بھی دل نہیں لگتا
بنا اس کے نگاہوں میں کوئی موسم نہیں جچتا
خفا اس سے محبت ہو وہ جیون بھر نہیں ہنستا
بہت انمول ہے وہ دل
اجڑ کے بھی نہیں بستا
سنا ہے اس محبت میں بہت نقصان ہوتا ہے

عائشہ شہباز: کی ڈائری سے ایک غزل

اشک آنکھوں میں چار لے آؤں
ذکر تیرا ہی یار لے آؤں
تو جو بولے تو تیری خاطر میں
آنسوؤں کے وہ ہار لے آؤں
چند یادیں سنبھال رکھوں میں
دل میں تیرا ہی پیار لے آؤں
کیوں نہ اس کو بٹھا لے ڈولی میں
میرے پروردگار لے آؤں
اب کے راشد میں اپنے مولا سے
اس کی خوشیاں ہزار لے آؤں

نسرین خورشید: کی ڈائری سے ایک نظم

"ہم اس پر کچھ نہیں لکھیں گے"

دل کا تمہارے جو صفحہ ہے
وہ آج جو بالکل سادہ ہے
اس پر بھی تو لکھا تھا ہم نے
اک نام کبھی
پیغام کبھی
اشعار کبھی
سرکار کبھی
وہ صفحہ تم نے ڈھوڈالا
وہ صفحہ بالکل خالی ہے
اب کاغذ کے اس صفحے کو
کیوں نام، پیغام، اشعار لکھیں
ہم لوگ تو جو سرکار لکھیں
اک بار لکھیں

☆☆☆

حنا کی محفل

◇◇◇ عین غین ◇◇◇

عمارہ اعجاز ---- حافظ آباد کی

س: ع غ جی پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں تشریف کا ٹوکرا لے کر حاضر ہوئی ہوں؟
ج: یہ خیال رہے کہ ٹوکرا زیادہ بھاری نہ ہو۔
س: اگر کوئی آپ سے کہے اگر اس کی منگنی ہو رہی ہے تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟
ج: ہو رہی ہے تو مجھے کیا شاید تمہیں......؟
س: اس عمر میں اتنی شوخ گفتگو کچھ خیال کریں۔
ج: تمہیں میری عمر پر کوئی اعتراض ہے یا گفتگو پر؟

علینہ طارق ---- لاہور

س: تو اپنی بنی نبیڑ تینوں ساڈے نال کی؟
ج: جواب دے کر اپنی ہی نبیڑ رہا ہوں۔
س: میریاں ساواں وچ کوئی پیا دسدا اے؟
ج: یعنی اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ ہوا۔
س: اگر میں تمہارے آنگن میں اتر آؤں؟
ج: تم چاند تو نہیں ہو
س: تمہیں کس موسم میں شدت سے یاد آتی ہوں؟
ج: جب تمہارے بے تکے سوال پڑھتا ہوں۔

معکنون شاہ ---- لاہور

س: ہر شوہر کو اپنی بیوی سے اور ہر بیوی کو اپنے شوہر سے شکایت کیوں ہوتی ہے؟
ج: وقت گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔
س: عورت شوہر کو مار سکتی ہے۔ تو شوہر عورت کو کیوں نہیں مار سکتا؟
ج: کیونکہ وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہوتی۔ اور شوہر نے کوئی غلط حرکت کی ہوگی۔

س: شوہر کب اپنی بیوی کے لیے پریشان ہوتا ہے؟
ج: جب وہ بازار میں خریدار کر رہی ہو۔
س: آج کل کے شوہر اتنے معصوم نہیں ہوتے جتنا کہ وہ بنتے ہیں؟
ج: تم بیچارے شوہروں کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو۔

نازیہ عمر ---- پشاور

س: اگر کوئی اچھا بھلا انسان پاگلوں کی سی حرکتیں کرے تو؟
ج: اس میں بچوں کو بہلانا اور شیشہ دیکھنا شامل نہ کریں۔
س: کیا انسان عمر کے ساتھ سلجھتا ہے یا الجھا ہے؟
ج: الجھتا زیادہ ہے۔
س: انسان اوپر کو رہتا ہے۔ نیچے کیوں نہیں؟
ج: نیچے دیکھے تو گریبان میں جھانکنا پڑے گا۔

شہزیب احسن ---- سرگودھا

س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے
ج: یہ بھی ایک انداز ہے زندگی کا۔
س: آپ روٹھے کو منانا جانتے ہیں؟
ج: ابھی تک تو موقعہ ہاتھ نہیں آیا۔
س: اگر کوئی شخص آپ سے تو تو پر اتر آئے؟
ج: بڑا ہی بدتمیز ہوگا؟

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

س: سنا ہے کھا کھا کر بہت موٹے ہوگئے ہو کچھ اپنے بارے میں بھی سوچو۔
ج: آخر تم میرے بارے میں اتنی فکر مند کیوں ہو؟
س: گھر کی مرغی دال برابر ہو تو پڑوسی کی مرغی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا کہیں گے؟

ج: ہم تو گھر کی بھی نہیں کھاتے۔ یہ تو چوری کرنے والا جانے۔

س: سنا ہے دنیا بڑی ترقی کر رہی ہے۔ کیا خیال ہے؟

ج: انٹرنیٹ کلب ترقی کی وجہ سے آباد ہیں۔

س: ذرا یہ بتائیں کہ شادی شدہ شریف ہوتا ہے یا کنوارہ؟

ج: کھل کر بات کرو دل میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔

مہناز فاطمہ ---- خوشاب

س: اگر کوئی کسی سے بے پناہ محبت کرتا ہو اور وہ اس سے بے وفائی کرے تو؟

ج: تم گن چکروں میں پڑ گئی ہو۔

س: محبت کی آخری حد کہاں ختم ہوتی ہے؟

ج: یہ راستے بڑے خاردار ہوتے ہیں۔

س: جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟

ج: میں نے تو نہیں دیکھا۔

شازیہ سمن ---- جھنگ

س: لوگ دوسروں پر تو تہمت لگاتے ہیں مگر اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے؟

ج: گریبان میں جھانکتے کیسے گردن جھکانی پڑتی ہے۔

س: ہمارے معاشرے میں منافقت کا دور دورہ کیوں ہے؟

ج: اچھے بچے ایسی باتوں پر غور نہیں کرتے۔

س: کچھ پیاروں کے بارے میں سوچتے ہیں کہ ان کے بغیر جی ن ہیں سکیں گے لیکن جیتے ہیں؟

ج: اس دنیا کا یہی چلن ہے۔

نعیمہ رانا ---- ملتان

س: خوبصورت اور خوب سیرت میں کیا فرق ہے؟

ج: جو صورت اور سیرت میں ہے۔

س: لوگ بڑے اعتماد سے جھوٹ بولتے ہیں مگر ان کے چہرے سے جھوٹ عیاں ہو رہا ہوتا ہے؟

ج: ایسے لوگ بڑے ہی فنکار ہیں۔

س: میں نے چند لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ کاش میں نے شادی نہ کی ہوتی؟

ج: میرے خیال میں اکثر ہی کہتے ہیں۔

عطیہ ---- کہروڑ پکا

س: ہر شخص اپنے آپ کو ایماندار کہتا ہے۔ مگر بے ایمانی روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔

ج: ایمان دار بننے کی وجہ سے۔

س: اچھی اور پردیسی پر لوگ اعتبار کیوں نہیں کرتے؟

ج: دونوں ہی دھوکہ دے جاتے ہیں۔

س: ہم سے بھی کوئی بات کر ہم ہیں تیرے ہم سفر؟

ج: تمہیں شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں مین مین ہوں۔

س: تمہیں شکوہ ہے ہونٹوں پہ مرے نغمہ نہیں کھلتا؟

ج: زیادہ ریاض کی ضرورت ہے۔

رضوان علی ---- ساہیوال

س: وہ جو صرف میرا تھا وہ نہیں رہا میرا؟

ج: قصور کس کا ہے تمہیں ضرور پتہ ہوگا۔

س: ہم نے تو غیر تجھ سے شکایت کبھی نہ کی؟

ج: میں نے بھی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔

س: محسوس کیا کرے گا وہ اوروں کے درد کو؟

ج: جس تن لگیاں وہی تن جانے۔

س: بہاریں چار سو بھی ہوں میرے دل کا پھول نہیں کھلتا۔

ج: انسان کو اتنا ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

☆☆☆

خبرنامہ

عبداللہ

ہماری بھی شادی ہو

ریما کی شادی کے بعد لمبی عمر کی باقی کنواری اداکاراؤں کو بھی دوسروں کا گھر اجاڑنے، ہمارا مطلب ہے اپنا گھر بسانے کی فکر لاحق ہوگئی ہے اس سلسلے میں مسرت شاہین کی چھوٹی بہن حنا شاہین (جو خیر سے کافی عرصہ ہوا بڑی ہو چکی ہیں) نے پکا پکا فیصلہ کرلیا ہے کہ اس سے پہلے وہ پچاس کے ہندسے کو چھو جائیں دلہن بن جائیں گی، ایسا ہی کچھ ارادہ ریشم کا بھی ہے، جو اس کام کو پایہ تکمیل پہنچانے کے لئے اپنے دیرینہ شادی شدہ طلب گار کے پاس فرانس پہنچ گئی ہیں، کراچی میں بیٹھی لیلیٰ اور اس کی بے حد معصوم دوست میرا آس پاس دلہوں یعنی جیون ساتھیوں کو تلاش کرنے لگی ہیں بلکہ میرا تو ریما کی شادی میں بھی پھیرا لگا آئی ہیں اور ایک ہجوم بیکراں کے سامنے اپنی تعریف کچھ یوں کی کہ ریما آج تم دلہن بن کر اتنی خوبصورت لگ رہی ہو اتنی اتنی زیادہ کہ..... بس میرا ہی لگ رہی ہو، اب آپ اسے کیا کہیں گے میرا کی فراخ دلی یا..... ریما کی جو یہ سب سن کر بھی بس مسکرا دی۔

کچھ نہ کچھ تو ہوگا

وینا ملک کو ایک دن پاکستان آنا ہی ہے اور یہاں اسے خوفناک ردعمل کا سامنا بھی یقینی کرنا ہے، لیکن اس کے لئے ایک اچھا ریلیف یہ ہے کہ ایک ایڈووکیٹ کی درخواست پر اسلام آباد ہائی کورٹ نے وینا کے خلاف درخواست کر دی ہے، یہ کہہ کر وینا کی تصویروں کا معاملہ بھارت کی سرزمین پر پیش آیا ہے، لہٰذا یہ معاملہ اس عدالت کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا یہاں تک سب ٹھیک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے لیکن جیسے یہ بی بی پاکستانی سرزمین پر آئے گی اور اپنوں میں ہو گی تو پھر تو اپنے بھی دو دو ہاتھ کرنے میں شاید کچھ تاخیر نہ کریں۔

شوق کا کوئی مول نہیں

سنجے دت نے اپنی آدھی سے زیادہ کمائی نت نئی گاڑیوں کو خریدنے میں لگائی، کچھ ایسا ہی حال اب اداکار عمران خان کا بھی ہے جس نے حال ہی میں تین کروڑ مالیت کی ''فراری'' کار بک کروائی اور سب کو بتا دیا کہ اداکاری کے لئے ہی نہیں وہ مہنگی سے مہنگی گاڑیوں کے لئے بھی کریزی ہے، عمران کے پارکنگ ایریا میں ماموں عامر خان کی طرف سے گفٹ میں دی گئی BMW کے علاوہ SUV اور واکس ویگن بھی ہے لیکن ابھی حال ہی میں جب وہ شوٹنگ کے لئے لندن میں تھا اس نے فراری کو سڑک پر فراٹے بھرتے دیکھا تو فوراً سوچ لیا کہ کار کلیکشن میں اس کا اضافہ ضرور کرنا ہے، یوں عمران اپنے ماموں عامر سے دو نہیں دس ہاتھ آگے ہے ماما تو قیامت سے قیامت تک جیسی گولڈن ہٹ کے باوجود ایک لمبے عرصے تک چھوٹی سی سوزکی ماروتی میں ہی خوش رہتا تھا۔

☆☆☆

نہ پچیس نہ پانچ

نرگس کے بارے میں ایک بات تو وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ بھی سدھرے یا نہ سدھرے یہ کہنا مشکل ہے لیکن یہ بات پکی ہے کہ بات کی وہ سچی ہے اسے اپنی فلم ٹھاکر 420 پسند نہیں آئی، اس لئے اس نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ذاتی پروڈکشن میں ہی کام کرے گی سو اس فیصلے کے فوراً بعد اس نے ڈراپکٹر سے پکڑا معاوضہ واپس کر دیا اور ایک نجی چینل کی ریکارڈنگ میں زور و شور سے مصروف ہیں اور بقول نرگس کہ اس نے ایک بھارتی پروڈیوسر کی اس آفر کو بھی رد کیا جس میں اسے ایک ہندو لڑکے سے محبت کرنے والی مسلمان کا کردار پورے 25 لاکھ معاوضے پر ادا کیا گیا تھا اور اس نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اس کردار کے لئے 5 کروڑ بھی ملیں گے تو بھی وہ یہ کردار نہیں کرے گی ہاں یہ نہیں بتایا نرگس نے اگر آفر 5 کروڑ سے زیادہ کی آفر پر اس کا جواب کیا ہو گا؟

حنا کا دسترخوان

ثمینہ احتشام

چکن ہرا مصالحہ

اشیاء

چکن	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
ادرک، لہسن (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
ہری پیاز	پچاس گرام
دھنیا	ایک گڈی
پودینہ	ایک گڈی
آئل	پچاس گرام
سویا	آدھی گڈی
دہی	پچاس گرام
ہری مرچ	پچیس گرام
میتھی	دس گرام
گرم مصالحہ	دس گرام

ترکیب

چکن کو کیوب کی شکل میں بوٹیاں بنوالیں، کسی برتن میں تیل ڈال کر گرم کریں اور اس میں ادرک، لہسن کا پیسٹ ڈال کر بھونیں بھن جائے تو اس میں چکن کے ٹکڑے ڈال کر اچھی طرح بھون لیں ہری پیاز، ہرا دھنیا، پودینہ، سویا اور ہری مرچ کو گرینڈ کر لیں، چکن میں اچھی طرح بھن جائے تو اس میں پسا ہوا ہرا مصالحہ شامل کر لیں ہرے مصالحے اور چکن کو اتنا بھونیں کہ خوشبو آنے لگے اور تیل مصالحے سے الگ ہو جائے، اب اس میں دہی بھی شامل کر دیں، تقریباً پندرہ منٹ تک پکائیں، آخر میں اس میں میتھی، نمک اور پسا ہوا گرم مصالحہ ڈال دیں، پانچ منٹ مزید پکا کر اتار لیں، چکن ہرا مصالحہ ہے گرم گرم چپاتیوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

کاجو اور مرغی کا سالن

اشیاء

چکن	دو سو پچاس گرام
کاجو	چالیس گرام
لہسن	دس گرام
ہری پیاز	تین عدد
کارن فلور	دس گرام
میدہ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
آئل	پچاس گرام
سویا سوس	دو چائے کے چمچے
دکنی مرچ	پانچ گرام
شکر	دس گرام
مرغی کی یخنی	بیس گرام

ترکیب

مرغی کے کیوبس بنوالیں، یہ بغیر ہڈی کے ہوں گے، میدہ، دکنی مرچ، سویا سوس کا پیسٹ بنا کر چکن کیوبس پر لگا دیں، کڑاہی میں اتنا آئل ڈالیں کہ کیوبس فرائی ہو سکیں، تیل گرم ہونے پر چکن کیوبس کو بقیہ تمام اشیاء کے ہمراہ فرائی کر لیں، جب چکن اچھی طرح بھن جائے تو چولہے سے اتار لیں، ہری پیاز کا سفید حصہ باریک پرتوں کی شکل میں الگ الگ کر لیں، سرو کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پہلے ہری پیاز سے سجا کر پیش کریں۔

چکن زیرا

اشیاء

چکن	ایک کلو
ادرک، لہسن (پسا ہوا)	بیس گرام
زیرا (پسا ہوا)	پچیس گرام
پیاز (باریک کٹا ہوا)	پچیس گرام
ٹماٹر	پچاس گرام
ہلدی پاؤڈر	دس گرام
لال مرچ پاؤڈر	بیس گرام
نمک	پندرہ گرام
گرم مصالحہ	پانچ گرام
لیموں کا رس	دس گرام

ترکیب

مرغی کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنوالیں پیاز کو باریک کاٹ لیں، کسی دیگچی میں آئل گرم کریں اور اس میں پیاز شامل کر کے فرائی کریں، پیاز براؤن ہو جائے تو اس میں ادرک، لہسن ڈال دیں، ساتھ ہی زیرا بھی شامل کر دیں، چند منٹ اس مصالحے کو بھونیں اس کے بعد اس میں مرغی بھی شامل کر دیں، نمک، لال مرچ، ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اتنا بھونیں کہ خوشبو آنے لگے چکن بھن جائے تو اس میں تھوڑا پانی شامل کر کے تقریباً دس منٹ تک پکنے دیں، جب گوشت گل جائے اور چکن کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں گرم مصالحہ ڈال دیں، مزے دار چکن زیرا تیار ہے۔

ریڈ چکن

اشیاء

چکن	آدھا کلو
تیل	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر کا پیسٹ	چار کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (پسا ہوا)	حسب ضرورت
لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن (پسا ہوا)	ایک چوتھائی کا چمچہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چکن کو دھو کر اچھی طرح صاف کر لیں، پھر ایک فرائی پین میں ایک کھانے کا چمچہ تیل گرم کریں اب اس میں چکن ڈال کر چار سے پانچ منٹ فرائی کریں پھر اس میں ٹماٹر کا پیسٹ، سرکہ، پسا ہوا ہرا دھنیا ڈال کر اتنا پکائیں کہ گوشت گل جائے اور تمام پانی خشک ہو جائے اب اس میں لہسن بھی شامل کر لیں اور پسا ہوا لہسن بھی ڈال کر اچھی طرح بھون لیں اب اس میں چینی ملائیں اور کچھ دیر چمچہ چلائیں یہاں تک کہ چینی گل جائے، آپ سالن میں حسب ذائقہ نمک شامل کر سکتی ہیں، ریڈ چلی تیار ہے روٹی یا چاول کے ساتھ نوش فرمائیں۔

چکن چیز سینڈوچ

اشیاء

چیز سلائس	آٹھ عدد
چکن روسٹ	ایک پیالی
مایونیز	حسب ضرورت
مکھن	حسب ضرورت
سلاد کے پتے	چار عدد
کھیرا	ایک عدد
ٹماٹر	حسب پسند
ڈبل روٹی کے سلائس	ایک پیکٹ

ترکیب

سب سے پہلے آپ ڈبل روٹی کے توسوں کے کنارے کاٹ لیں پہلے سلائس پر آپ مکھن لگائیں اور پھر مایونیز لگائیں اس کے روسٹ کیا ہوا چکن بریڈ پر رکھیں اور اس کے اوپر سلاد کا پتا رکھیں پھر اس کے اوپر چیز سلائس پھر کھیرے کے سلائس اور سب سے آخر میں ٹماٹر کے سلائس رکھ دیں، اس کے بعد اس کو بریڈ سے کور کر دیں، آپ کا چیز چکن سینڈوچ تیار ہے کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

قیمہ کی کھچڑی

اشیاء

چاول	آدھا کلو
قیمہ	آدھا کلو
دال مونگ یا چنا	ایک پاؤ
پیاز	آدھا پاؤ
سرخ مرچ	حسب پسند
سیاہ زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
ہری مرچ	چھ عدد
لونگ	چھ عدد
بڑی الائچی	دو عدد
گھی	ایک پاؤ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

پیاز بچھے دار کاٹ کر گھی میں تل لیں، بادامی رنگ ہونے پر اس میں نمک، مرچ اور قیمہ ڈال دیں، تھوڑی دیر بھوننے کے بعد اس میں پانی ڈال دیں تاکہ تھوڑا گل جائے، دال، چاول میں ڈالنے کی ضرورت نہیں بلکہ قیمے کے ساتھ ہی جتنے کی دال ڈالیں اتنا پکنے دیں کہ دال گل جائے لیکن ثابت رہے اب اس میں بڑی الائچی، لونگ اور ہری مرچ ڈالیں، اب اس میں دال، قیمہ اور چاول ڈال دیں، دو چار دفعہ چمچہ چلانے کے بعد اتنا پانی ڈالیں کہ چاول گل جائیں۔

پانی خشک ہونے لگے تو اس میں سیاہ زیرہ ڈال دیں اور دم پر رکھ دیں، دم آنے پر اتار لیں، نہایت لذیذ قیمے کی کھچڑی تیار ہے، آم کے اچار اور دہی کے رائتے کے ساتھ لطف دوبالا ہو جائے گا۔

ڈبل روٹی اور قیمے کے کباب

اشیاء

گائے کا قیمہ (باریک)	ایک کلو
ڈبل روٹی کے سلائس	چار عدد
سویا ساس	چار کھانے کے چمچے
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	حسب ضرورت
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی)	چار عدد
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل (تلنے کے لئے)	حسب ضرورت

ترکیب

سب سے پہلے سلائس کو سرکہ اور سویا سوس میں چورا کر کے ملا دیں، اب اس آمیزے کو قیمے میں ملا دیں اور قیمے کو آٹے کی طرح گوندھ لیں، اب اس میں تمام مصالحے اور انڈا ملا دیں، مصالحے ملے قیمے کو کچھ دیر کے لئے رکھ دیں، پھر اس قیمے کے کباب بنالیں ایک فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اور ہلکی آنچ پر ان کبابوں کو فرائی کر لیں۔

مزے دار کباب تیار ہیں، کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

مصالحے دار فرائی کلیجی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اشیاء

کلیجی	ایک کلو
پیاز	آدھا پاؤ
لہسن	آٹھ جوے
سبز مرچ	چار، پانچ عدد
نمک، سرخ مرچ	حسب ذائقہ
ٹماٹر	آدھا پاؤ
گھی	آدھا پاؤ
میتھی	تھوڑی سی

ترکیب

کلیجی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں، پانی میں لہسن ڈال کر کلیجی ابال لیں، اس کے بعد فرائی پین چولہے پر رکھیں اور اس میں گھی ڈال کر گرم کریں کلیجی کے ٹکڑے ڈال کر فرائی کرتی جائیں۔

جب آدھا پک جائے تو پیاز باریک کاٹ کر ڈال دیں، جب پیاز لائٹ براؤن ہو جائے تو نمک، سرخ، مرچ، ہرا دھنیا اور ہری مرچ ڈال کر مزید فرائی کریں، جب کلیجی اچھی طرح فرائی ہو جائے تو اتار لیں، گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

مغز فرائی

اشیاء

بکرے کا مغز	چار عدد
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	چار عدد
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
خشک دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن	چار جوے
ادرک	ایک ٹکڑا
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
گھی	تین سے چار کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا	ایک گڈی

ترکیب

مغز کو کھولتے ہوئے پانی میں ڈال کر ابالیں پھر صاف کرلیں، پھر مغز کو چار چار حصوں میں تقسیم کرلیں، ادرک، لہسن، دھنیا، ہلدی اور سرخ مرچ کو ایک چمچہ پانی میں ڈال کر پیس لیں، مغز کو اس پسے ہوئے مصالحے میں مکس کرلیں۔

پیاز سنہری کریں پھر اس میں مغز ڈال کر دس منٹ تک بھونیں ایک کپ پانی ڈال دیں، ساتھ ہی نمک اور کترا ہوا دھنیا ڈال کر ہلکی آنچ کر کے خشک کرلیں، مزے دار مغز فرائی تیار ہے نوش فرمائیں۔

تلے ہوئے گردے

اشیاء

بکری کے گردے (دو دو ٹکڑے کرلیں)	بارہ عدد
سرخ مرچ (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
ادرک (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھا کپ
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	ایک گٹھی
لیموں	دو عدد

ترکیب

سب سے پہلے گردوں کو لہسن اور نمک کے پانی کے ساتھ اچھی طرح دھولیں، اب ایک فرائنگ پین میں تیل ڈال کر گرم کریں تیل اور گردے، ادرک، لہسن اور نمک ڈال کر ڈھانپ دیں، جب گردوں کا پانی خشک ہو جائے تو سارے مصالحے اور ہرا مصالحہ ڈال کر بھونیں۔

جب اچھی طرح بھون جائے تو لیموں چھڑک کر گرم گرم کھانے کے لئے پیش کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

فروری کے شمارے کے ساتھ حاضر ہیں۔

آپ کے سکون، عافیت اور خوشیوں کے لئے ڈھیروں دعائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو سچی اور حقیقی خوشیوں سے نوازے اور ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

جنوری کا شمارہ سالگرہ نمبر تھا اور ہمیں یہ کہتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ سالگرہ نمبر ہماری توقع سے بڑھ کر پسند کیا گیا، قارئین نے بے حد خطوط اور ای میلز کے ذریعے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر کے ہمیں ایک نیا حوصلہ بخشا ہے آپ سب کی محبتیں چاہتیں ہمارا سرمایہ ہے جن کی بدولت ہم حنا کو بہتر سے بہترین بنانے کے لئے پہلے سے بڑھ کر مصروف عمل رہیں گے انشاء اللہ، اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا بلکہ آپ لوگ جب بھی اپنے لئے دعا کیا کریں اور پوری اُمت مسلمہ کے لئے دعا کریں خصوصاً اپنے پیارے وطن پاکستان کے لئے دعا کریں کہ ہمیں بہرحال دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے، آیئے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں نعمانہ طارق کا اسلام آباد سے ملا ہے وہ لکھتی ہیں۔

جنوری کی کہری دھند میں لپٹی آٹھ تاریخ کو حنا کی آمد نے کچھ دیر کے لئے سردی کے اس شدید احساس کو کم کر دیا، ٹائٹل پر ایک نظر ڈالتے ہوئے حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے ایمان کو تازہ کیا، آگے بڑھے اور انشا نامہ پہنچے جہاں انشاء جی بھی ہمیں جنوری کی سرد راتوں کا ذکر کرتے ہوئے ملے، نئے سال کے حوالے سے سروے اچھا لگا، اعصام الحق اور ان کی مسرز جن کا ہم خوبصورت بھابھی کے نام سے ذکر کرتے ہیں، دونوں کی جوڑی کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ایک نظر ریما پر ڈالی اور ''چلے'' گا کہہ کر آگے بڑھ گے، فوزیہ غزل کا سلسلے وار ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' بہترین انداز میں آگے بڑھ رہا ہے جبکہ اُم مریم کا سلسلے وار ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' میں اگرچہ کہانی نئی ہے مگر ان کے پچھلے ناول کی طرح زبردست ہے، مکمل ناول تینوں ہی اچھے تھے خصوصاً کنول ریاض کی تحریر ''کی جاناں میں کون؟'' بے حد پسند آئی، کنول ایک طویل عرصے بعد آئیں لیکن بڑے اچھے انداز میں، شکریہ کنول جی پلیز اتنے لمبے وقفے نہ دیا کریں تحریر میں، سدرہ سحر عمران کی کشمیریوں پر لکھی گئی تحریر پڑھتے ہوئے افسردگی کا تاثر چار سو پھیل گیا، لیکن پھر بھی کہے بنا نہ رہ سکے کہ بہت خوب لکھا، اب بات ہو جائے مدیحہ تبسم کی مدیحہ جی آپ کی تحریر کی کیا ہی تعریف کی جائے، شروع سے لے کر آخر تک بہت اچھے انداز میں قارئین کو تحریر کے سحر میں جکڑے رکھا، اللہ تعالیٰ آپ کو اسی طرح خوش رکھے جس طرح آپ نے اپنے ہر کردار کو خوشیاں دیں، تحسین اختر کا افسانہ بھی متاثر کن تھا، مستقل سلسلوں میں ہر کسی نے نئے سال کے حوالے سے ہر سلسلے کو سجایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور بڑی خوبصورتی سے ہر تحریر کا انتخاب کیا، آخر میں آپ سب کے لئے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ اجازت اس امید کے ساتھ کہ آپ میرے تبصرے کو شامل اشاعت کریں گی۔

نعمانہ طارق: اس محفل میں خوش آمدید، سالگرہ نمبر کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے ہمیں آئندہ بھی آپ کی محبتوں اور رائے کا انتظار رہے گا اپنی آمد سے اس محفل کی خوبصورتی کو بڑھاتی رہیے گا شکریہ۔

زباریہ شیخ: ڈی جی خاں سے لکھتی ہیں۔

آپ ہمیشہ خوش رہیں، جنوری کا شمارہ تیرہ تاریخ کو خدا خدا کر کے ملا، ٹائٹل گرل کچھ خاص پسند نہیں آئی، اشتہارات کو نو لفٹ بورڈ دکھا کر، ''کچھ باتیں ہماریاں'' میں سردار انکل کی باتیں ہمہ تن گوش ہو کر سنیں اور حنا کی سالگرہ پر حنا کے لئے دل سے دعا کی کہ آنے والے سالوں میں ترقی کی بلند ترین سطح کو چھوئے آمین، حمد باری تعالیٰ اور نعت شریف سے مستفیض ہونے کے بعد انشاء نامہ پڑھا اور انشاء جی کے لئے مغفرت کی دعا کی، نئے سال کے حوالے سے مختلف شخصیات سے ان کے خیالات جانے، سلسلے وار ناولوں میں ''تم آخری جزیرہ ہو'' اُم مریم کے ناول کا ٹیمپو کافی تیز ہے، یقیناً اُم مریم کی پچھلی تحریروں کی طرح یہ ناول بھی بے حد اچھا ہوگا، فوزیہ غزل جی آپ کی تحریر بھی بہت شاندار ہے خدا کرے زور قلم اور زیادہ، تحسین اختر ہمیشہ اپنی ہلکی پھلکی تحریر کے ساتھ قارئین کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانے میں کامیاب رہتی ہیں، ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیت مشکل سے مشکل بات کو بھی بے حد آسان پیرائے میں بیان کرنا ہے، مدیحہ تبسم کی تحریر کی تو کیا ہی تعریف کریں، ہر کردار اپنی اپنی جگہ نگینہ کی طرح فٹ، رشتوں فاصلوں کو وہ اس قدر خوبصورتی سے ایک لڑی میں پروتی ہے کہ پڑھنے والا داد دیئے بغیر نہیں رہتا، مدیحہ جی آپ ناول کا اختتام ایسا ہی کیا جیسا ہم چاہ رہے تھے، کیا ہم یہ امید رکھیں کہ آپ جلد ہی ہمارے لئے کوئی اور ایسی ہی زبردست تحریر لے کر آئیں گئیں، مکمل ناول میں سندس جبیں کا ناول پسند آیا اگرچہ کہیں کہیں پلاٹ پر سندس کی گرفت مضبوط نہیں تھی لیکن پھر بھی پسند آیا، اب بات ہو جائے اس سالگرہ نمبر کی خاص تحریر ''کی جاناں میں کون؟'' کی کنول ریاض کی محنت کو منہ بھولتا ثبوت تھا، بے حد خوبصورت اور متاثر کن تحریر کنول ہماری طرف سے آپ کو بہت بہت مبارک ہو اتنی اچھی تحریر لکھنے پر، خدارا اب آپ غائب نہ ہو جایئے گا، مستقل سلسلوں میں سب سے پہلے بات ہو جائے ''کس قیامت کے یہ نامے'' کی جس میں اپنا خط دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، شکریہ فوزیہ آپی آپ نے اس محفل میں مجھے جگہ دی اور میرا حوصلہ بڑھایا اور میں نے ایک بار پھر کاغذ اور قلم اٹھایا لکھنے کے لئے، ''میری ڈائری'' میں یوں تو شبھی نے بے حد اچھا لکھا لیکن ماریہ عثمان اور وفا عبدالرحمان کا انتخاب بے حد پسند آیا، ''رنگ حنا'' مسکراہٹوں کے پھول بکھیر دیے ''حنا کی محفل'' میں عین غین کے جواب مثالی ہوتے ہیں، ''حاصل مطالعہ'' ہمیشہ کی طرح پرفیکٹ تھا۔

آپی ایک فرمائش ہماری بھی نوٹ کر لیں کہ آپ پلیز ایمان علی، مدیحہ افتخار اور نواد خان سے ضرور ملاقات کروائیں۔

زباریہ شیخ، جنوری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ مصنفین کی طرف سے بھی شکریہ قبول کریں، آپ کی فرمائش ہم نے نوٹ کر لی ہے انشا اللہ بہت جلد پوری کریں گے اس محفل میں شرکت کرتی رہیے گا ہمیں خوشی ہوگی، ہم آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

سمیرا ارشد: سانگھڑ سے لکھتی ہیں۔

وہ کہتی ہیں، نیک تمناؤں کے ساتھ امید ہے آپ ٹھیک ہوں گی، جنوری کا ٹائٹل کے بارے میں یہی کہیں گے کہ بس گزارہ ہی تھا سالگرہ کے حوالے سے کوئی چمکتا دمکتا چہرہ نظر آنا چاہیے تھا ٹائٹل پر، کیونکہ جو خوشی ہمیں شمارے میں اچھی تحریریں دیکھ کر ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ٹائٹل کو دیکھ کر ہوتی ہے، میری فیورٹ مصنفہ فوزیہ غزل کے ناول کی یہ قسط بھی پسند آئی شکریہ فوزیہ جی اتنی اچھی تحریر لکھنے کا، اُم مریم بھی خاصی تیزی سے کہانی کو آگے بڑھا رہی ہے، معاذ کا کردار ہمیں پسند نہیں آ رہا، انسان کو اتنا خود غرض نہیں ہونا چاہیے، معذرت کے ساتھ مریم جی معاذ اور ان کی بہن زینب دونوں ہی انتہائی سلفیش ہیں، افسانہ ایک ہی تھا اور بے حد اچھا تھا، مکمل ناول میں کنول ریاض کا ناول بے حد پسند آیا، فلمی دنیا کی رنگینی کس طرح انسان کو جکڑ لیتی ہے اور وہ گناہ کی پستیوں میں اترتا چلا جاتا ہے اس کا تذکرہ اپنی تحریر میں کنول نے بڑی خوبصورتی سے کیا، باقی سندس کا ناول خاص پسند نہیں آیا، مدیحہ کے ناولٹ کا اینڈ پسند آیا لیکن کیا ہی اچھا ہوتا جو مدیحہ جی جوزفین کو بھی اسی فیملی میں شامل کر دیتی، سدرہ سحر کا ناول ''ستم گزیدہ'' لکھتے وقت یقیناً مصنفہ نے انٹرنیٹ کا خوب فائدہ اٹھایا ہے، کشمیر کے موضوع پر اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ اب کوئی تحریر متوجہ نہیں کر پاتی، بہرحال مصنفہ نے اچھی کوشش کی، مستقل سلسلوں میں نیا سلسلہ

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب ..... ☆
خمار گندم ..... ☆
دنیا گول ہے ..... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری ..... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں ..... ☆
چلتے ہو تو چین کو چلئے ..... ☆
نگری نگری پھرا مسافر ..... ☆
خط انشا جی کے ..... ☆
بستی کے اک کوچے میں ..... ☆
چاند نگر ..... ☆
دل وحشی ..... ☆
آپ سے کیا پردہ ..... ☆

ڈاکٹر مولوی عبدالحق
قواعد اردو ..... ☆
انتخاب کلام میر ..... ☆

ڈاکٹر سید عبداللہ
طیف نثر ..... ☆
طیف غزل ..... ☆
طیف اقبال ..... ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ستاروں کے آئینے میں'' ایک نیا اور اچھا اضافہ ہے یقیناً ہمیں اپنی شخصیت کو پرکھنے میں کافی مدد ملے گی، باقی تمام سلسلے اچھے تھے خصوصاً دسترخوان بہت مزے کا تھا، آپی میں ایک بات اور بتادوں، میں اس محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں امید ہے آپ ضرور جگہ دیں گی۔

سمیرا ارشد خوش آمدید، ارے بھئی بہت جگہ ہے ہمارے پاس آپ دیکھیں تو؟ جنوری کا ٹائٹل آپ کو پسند نہیں آیا یہ جان کر افسوس ہوا، انشا اللہ آئندہ خاص توجہ دیں گے اس طرف، آپ کی پسندیدگی اور تنقید دونوں ہمارے لئے اہمیت کی حامل ہیں، ہم آئندہ بھی آپ کی اس پرخلوص چاہت محبت اور رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

نذہت اعجاز: فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔

جنوری کا شمارہ گیارہ تاریخ کو ملا ٹائٹل اس خزاں موسم میں ہریالی بکھیرتا آنکھوں کو بھلا لگا، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی باتوں سے دل و دماغ کو سکون بخشا، انشانامہ میں جنوری کی راتوں کو انجوائے کرتے ہوئے احمد ندیم قاسمی کے قلم سے انشاء جی کے لئے لکھی تحریر کو پڑھتے ہوئے رنجیدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے، نئے سال کا سروے پسند آیا، فہرست دیکھتے ہوئے سب سے پہلے نظروں نے کنول ریاض کے نام کو فوکس کیا سو ہم جلدی سے ''کی جاناں میں کون؟'' کی طرف بڑھے اور ایک ہی نشست میں اس طویل ناول کو پڑھا، اس ناول کے پہلے ڈائیلاگ ''رام اور رحیم برابر ہیں'' کچھ لمحوں کے لئے ہمیں ساکت کر دیا اور پھر اسی جملے کے گرد ساری تحریر گھومتی نظر آئیں اور آخر میں مصنفہ نے جس خوبصورتی سے شاہ زر کو اپنے اصل کی طرف لوٹایا بہت متاثر کن تھا کنول جی یقیناً یہ آپ کی یہ تحریر ایک طویل عرصے تک یاد رکھی جائے گی، ''وہ اک ستارہ مہرباں'' میں سندس جبیں نے ہیروئین کو انتہائی خودغرض دکھایا اگرچہ ٹھوکر کھانے کے بعد وہ راہ راست پر آ جاتی ہے دسمبر کی تحریر کی نسبت اس ماہ سندس کی تحریر کافی بہتر تھی، سدرہ سحر عمران کا ''ستم گزیدہ'' پڑھ کر کچھ پل کے لئے دل دکھوں سے بھر گیا اور بے ساختہ دل سے کشمیری بہن بھائیوں کے لئے دعا نکلی اللہ تعالیٰ اہل کشمیر پر اپنی خاص رحمت کرے اور انہیں بھارتی درندوں سے شکنجے سے آزاد کرے آمین۔

''محبتوں میں حساب کیسا؟'' شروع سے آخر تک پسند آیا، افسانہ بھی اچھا تھا، سلسلے وار ناولوں میں دونوں مصنفین کی محنت نظر آتی ہے، فوزیہ غزل کی یہ تحریر ان کی پہلی تحریروں سے خاصی مختلف ہے جبکہ اُم مریم اپنے مخصوص انداز میں چار پانچ فیملیوں کو لے کر کہانی کا تانا بانا بنا ہے یقیناً آخر میں ان سب کو وہ ایک فیملی میں منتقل کر دیں گی، اُم مریم بھی آپ کی تحریر کا ایک کردار زینب کچھ زیادہ ہی خودغرض اور بے حس نہیں؟ اور جہاں جیسا دل والا بندہ کیا ابھی بھی دنیا میں موجود ہیں۔

مستقل سلسلوں میں ہر تمام کے تمام سلسلے پسند آئے خصوصاً بیاض اور ڈائری کی تو کیا ہی بات ہے۔

نذہت اعجاز جنوری کا شمارہ آپ کے ذوق پر پورا اترا ہمیں جان کر خوشی ہوئی کنول ریاض کی طرف سے شکریہ قبول کریں، زینب کے بارے میں یقیناً مریم آگے چل کر بتائیں گی کہ وہ کیا واقعی خودغرض ہے، آئندہ بھی اپنی رائے سے نوازتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk